خصائص النبی ﷺ

پیغمبر اسلام ﷺ کی خصوصیات پر
اردو زبان میں پہلی مفصل اور مدلل کتاب
قرآن کریم، احادیث اور سیرت کی معتبر و مستند کتابوں سے

۲

حافظ
زاہد علی

راحت پبلشرز
5/A-یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور

ورفعنا لک ذکرک
اور بلند کیا ہم نے مذکور تیرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۳۹۶۶۶۹۹۱
م ۳۰۲۸ ع
جلد ۲

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اشاعت اول
۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء

خصائص النبی ﷺ

حافظ زاھد علی 0300-9445441

کمپوزرز/ڈیزائنر: مسعود فرید، محمود فرید 0333-4331105, 0321-4065548

راحت پبلشرز 5/A-یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

اِدارہ اسلامیات 190-انارکلی، لاہور۔ پاکستان 042-7243991 (تقسیم کار)

یمانی پرنٹرز، 25-ہجویری پارک ریٹی گن روڈ لاہور 042-7357430

بسم الله الرحمن الرحيم

كتبه الفقير نفيس الحسيني غفر الله ذنوبه وستر عيوبه في بلدة سكردو بلتستان
الجامعة الاسلامية، ٤ ذو الحجة ١٤٠٨هـ

فہرست

خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جلد نمبر 2

باب نمبر 3 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوی اور پیغمبرانہ خصوصیات

- باعتبار تخلیق کے اول الانبیاء ہونا 17
  - مذکورہ بالا تحقیق سے دو حدیثوں کی مراد روشن ہوگئی 19
  - ایک شبہ اور اس کا ازالہ 25
  - ایک اور اشکال اور اس کا ازالہ 28
- تمام انبیاء علیہم السلام سے ایمان ونصرت کا عہد 32
- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کو تمام انبیاء سے مقدم رکھا 36
- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امام الانبیاء ہونا 38
- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی الانبیاء 40
- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضل الانبیاء ہونا 43
  - افضلیت کی پہلی دلیل 44
  - افضلیت کی دوسری دلیل 45
  - افضلیت کی تیسری دلیل 47
  - افضلیت کی چوتھی دلیل 48

- افضلیت کی پانچویں دلیل 50
- افضلیت کی چھٹی دلیل 52
- افضلیت کی ساتویں دلیل 53
- افضلیت کی آٹھویں دلیل 54
- افضلیت کی نویں دلیل 55
- افضلیت کی دسویں دلیل 55

نبوت کا قیامت تک کے لیے ہونا 59

پورے قرآن میں ''یا محمد'' نہیں کہا گیا 61

جبرئیل کا تین بار دبوچنا 62

- جبریل علیہ السلام کے دبانے کی حکمتیں 64
- (۱) توجہ انعکاسی (Reflective attention) 66
- (۲) توجہ القائی (Inspiratory attention) 66
- (۳) توجہ اصلاحی (Reformatory attention) 66
- (۴) توجہ اتحادی (Unifying attention) 67

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کثرت معجزات 68

- انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا اختلاف 70
- معجزات کی قسمیں 71
- قسم اول کے معجزات 71
- دوسری قسم کے معجزات 74

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسراء اور معراج سے نوازا 76

- معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ 82
- قائلین روحانی معراج کا استدلال اور اس کا جواب 83

- واقعہ معراج کے جسمانی ہونے کی وجوہات 84
- سفر اسراء و معراج میں براق کا لایا جانا 92
- شق القمر کا معجزہ عطا کیا جانا 94
- فرشتوں کی معیت اور قتال 106
- محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ کتاب قرآن حکیم، ایک علمی اعجاز 111
  - معجزہ کیا ہے؟ 112
  - معجزہ دلیل کی نبوت ہوتا ہے 115
  - معجزات کی اقسام 118
  - اعجاز القرآن 121
  - عظمت کلام کے لیے چند چیزوں کو ہونا ضروری ہے 122
  - خدائی کام اور خدائی کلام 123
  - مفردات الفاظ اور ترکیب کلمات 127
  - تراکیب کا اعجاز 128
  - اسلوب کا اعجاز 130
  - قانونی اعجاز 130
  - قرآن کی تاثیر کا اعجاز 131
  - تناقض نہ ہونے کا اعجاز 134
  - اخبار غیب 135
  - اعجازی جاذبیت 141
- قرآن حکیم جیسے علمی معجزہ کا دیا جانا 145
- محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ بے مثل کتاب 150

- محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ کتاب قرآن حکیم کا تحریف سے پاک ہونا 152
- آیت الکرسی سے نوازنا 158
- محمد رسول اللہ ﷺ کی اہم خصوصیت 160
  - ختم نبوت کی روایات درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں....... 164
  - ختم نبوت، ایک عظیم احسان..................... 168
  - سلسلہ نبوت بند کرنے کے لیے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے..................... 170
  - قصر نبوت کی آخری اینٹ..................... 172
  - محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی غیر تشریعی نبی بھی نہیں 173
  - اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے........ 174
  - تیس کذابوں کی پیش گوئی..................... 175
  - رسالت و نبوت کا مکمل انقطاع..................... 177
  - محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک نام عاقب ہے.......... 177
  - محمد رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت پر جانوروں کی گواہی 179
  - ختم نبوت آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے 180
  - ختم نبوت اور سیدنا علیؓ..................... 181
  - ختم نبوت اور سیدنا عمرؓ..................... 183
  - ختم نبوت کا اعلان اور میثاق انبیاء..................... 185
  - مقاصد صدیقیت..................... 186
  - ایک بہت بڑی گستاخی..................... 191
  - اس عقیدہ پر لاہور مرزائیوں کا تبصرہ..................... 192
  - ایک اشکال اور اس کا ازالہ..................... 194

- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر چیز کا انتہائی درجہ عطاء کیا گیا 195
- ختم نبوت کا مطلب منقطع نبوت نہیں بلکہ تکمیل نبوت ہے 196
- نبوت کی دو ہی بنیادیں ہیں........................ 199

ولادت پر بتوں کا اوندھے منہ گرنا........................ 201

پیدائش پر شام کے محلا کا نظر آنا........................ 204

ولادت پر ایوان کسریٰ میں زلزلہ رونما ہونا................ 206

ہر قسم کی وحی کا نزول ہونا........................ 209

- (۱) رویائے صادقہ........................ 209
- (۲) القاء فی القلب........................ 212
- (۳) تمثیل (فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا)............ 214
- (۴) صلصلۃ الجرس........................ 216
- (۵) فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا................ 219
- (۶) اللہ تعالیٰ کا آسمانوں سے وحی فرمانا............ 220
- (۷) اللہ تعالیٰ کا بلاواسطہ کلام فرمانا............ 220
- (۸) اللہ تعالیٰ کا بغیر حجاب خطاب فرمانا............ 221
- (۹) تفہیم غیبی (Invisible Communication) 221

امت کے لیے درود وسلام کا وجوب........................ 222

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نام لے کر بلانا امت پر ناجائز قرار دیا جانا 228

انتقال کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا نکاح حرام ہونا........... 230

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل اختیار کرنے سے شیطان کا عاجز ہونا........................ 232

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا 237

باب نمبر 4 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برزخی خصوصیات

- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات قبریہ کی خصوصیت 245
  - موت کیا ہے؟ 246
  - سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت طیبہ 247
  - خارج میں اثرات حیات 250
  - وفات کے بعد دنیوی زندگی 254
  - حیات برزخی کا ایک اور پہلو 255
  - انبیاء علیہم السلام کی برزخ میں نقل وحرکت 256
  - سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال اور املاک باقی ہیں 258
  - سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات قبریہ 259
  - پہلی حدیث 259
  - دوسری حدیث 264
  - تیسری حدیث 266
  - ایک اشکال اور اس کا جواب 271
  - امت کے سلام کا جواب دینا 274
  - روح کے لوٹانے کا معنی 277
  - قبر کے قریب سلام پڑھنے والے کا حکم 279
  - ایک اشکال اور اس کا جواب 279
  - صلوٰۃ وسلام کے پہنچنے پر علماء کی شہادت 281
  - وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص 284
  - روضہ مبارک پر ستر ہزار فرشتے 284

قبر مبارک سے اذان واقامت کی آواز............ 285
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بغیر امام کے نماز جنازہ پڑھنا......... 288
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن کی خصوصیت......... 292
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبر میں زندہ ہونا............... 294
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر اور منبر کی درمیانی جگہ کا باغ جنت ہونا............................. 298
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں قبر میں سوال.......... 301
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے تا ابد حرمت نکاح 304
ازواج مطہرات سے حرمت نکاح کی حکمتیں و مصلحتیں 307

باب نمبر 5 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخروی خصوصیات

ستر ہزار فرشتوں کی معیت میں........................ 313
امت کا سب سے زیادہ ہونا........................ 315
پل صراط پر سب سے پہلے گزرنا........................ 317
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء علیہم السلام کے امام اور خطیب... 319
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے تلے قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم السلام ہوں گے........................ 320
تمام اولاد آدم کی سیادت کریں گے........................ 323
قبر سے سب سے پہلے اٹھنا........................ 324
سب سے پہلے جنت میں داخل ہونا........................ 327

□ لواء الحمد کا عطا فرمایا جانا 329
□ مقام محمود کا عطاء ہونا 330
□ سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانا 332
□ دست مبارک سے جنت کا افتتاح 333
□ اہل جنت سے مشابہت 336
- اہل جنت کے ساتھ پہلی مشابہت 336
- انبیاء کے وجود کے اثرات و امتیازات 338
- عام زندگی میں انسانی جڑ بگڑنے سے کیا چیز مانع ہے؟ 340
- انبیاء کی نیند ناقض وضو نہ ہونے کی وجہ 340
- اہل جنت کے ساتھ دوسری مشابہت 342
- اہل جنت کے ساتھ تیسری مشابہت 343
- اہل جنت کے ساتھ چوتھی مشابہت 345
- شر کی دو طاقتیں 348

□ اولاد آدم کے سردار 350
□ شفاعت میں اولیت 351
□ شفاعت کبریٰ کا عظیم شرف 359

☆☆☆

باب سوم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی نبوی اور پیغمبرانہ خصوصیات

اب ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فضائل اور خصوصیات بیان کریں گے جو آپ کو دوسرے تمام انبیاء علیھم السلام پر حاصل ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُون

ترجمہ:

بے شک ہم ہی نے قرآن نازل کیا
اور بے شک ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا باعتبار تخلیق کے اول الانبیاء ہونا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلقتCreation Miracles کے لحاظ سے سب سے پہلے نبی ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں امام ترمذیؒ کی حدیث ہے جس کو سیدنا ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے آپ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! آپ کو نبوت کب ملی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت جب کہ آدم علیہ السلام ابھی جسم اور روح کے درمیان تھے یعنی ان میں ابھی روح نہیں پھونکی گئی تھی۔

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث مختلف کتابوں میں مرقوم ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿كُنْتُ اَوَّلَ النَّبِيِّيْنَ فِي الْخَلْقِ وَ آخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ﴾(۱)

حافظ سخاویؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے مشہور الفاظ "کنت نبیاً وادم بین الماء والطین" ہمیں کسی حدیث کی کتاب میں نہیں مل سکے۔ حافظ سیوطیؒ نے ان کا صاف طور پر انکار کر دیا ہے البتہ اس کا مضمون قابل تسلیم سمجھا ہے۔ خفاجی شرح شفاء میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے دو تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارواح میں حقیقۃً سرفراز ہونا۔

(۲) جس طرح صفت وجود میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سب سے مقدم ہے اسی

۱۔ ابن کثیر: ۸ / ۸۹، کنز العمال، الدر المنثور: ۵ / ۸۴، اس سلسلہ میں خصائص، باب اختصاصه صلی اللہ علیہ وسلم بانه اول النبیین خلقا وتقدم نبوته: ۲ / ۱۸۴، مجمع الزوائد، باب قدم النبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم: ۸/۲۲۳ وغیرہ میں بھی روایات منقول ہیں۔

طرح صفت نبوت میں بھی آپ کا سب سے مقدم ہونا۔
حافظ تقی الدین سبکیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ازل میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اسی طرح کا عہد لیا گیا تھا جیسا کہ امتوں سے نبیوں کے لیے یا رعایا سے خلفاء کے لیے اطاعت و نصرت کا عہد لیا جاتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان آپ کا منصب عالی وہ تھا جو امتوں میں انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے۔ اسی لیے اور انبیاء تو صرف نبی ہیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نبی الانبیاء ہیں۔ یہ حقیقت اگرچہ عالم اجسام میں صاف طور پر عیاں نہیں ہو سکی مگر عالم ارواح اور اس عالم سے ماوراء عالم میں جہاں بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آپ کا اجتماع ہو گیا ہے، ظاہر ہو گئی ہے۔ پہلی بار یہ اجتماع شب معراج میں ہوا تھا جب کہ نماز کے لیے امام کی تلاش ہو رہی تھی۔ اس وقت تمام انبیاء علیہم السلام کی صفوں میں امامت کی مستحق صرف آپ ہی کی ذات گرامی ٹھیری۔ گویا امت میں امامت کا جو حق کہ نبی کا ہوتا ہے وہی حق انبیاء علیہم السلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قرار پایا۔ دوسرا اجتماع محشر میں ہوگا وہاں بھی سب انبیاء علیہم السلام آپ ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے جیسا کہ ہر امت اپنے نبی کے جھنڈے کے نیچے ہو گی۔ تیسری بار شفاعت کا مرحلہ ہے۔ یہاں بھی سب کے خطیب اور امام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی ذات گرامی ہو گی۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ جو منصب نبوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس امت کے لیے حاصل ہے وہی منصب آپ کو بلحاظ انبیاء بھی حاصل ہے۔ البتہ اس کا ظہور ان کے ساتھ اجتماع پر موقوف ہے۔ عالم کی تاریخ میں یہ اجتماع کل تین جگہ ثابت ہوتا ہے، اور ان تینوں جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ منصب عالی ظاہر ہوا ہے، اگر اس عالم میں بھی انبیاء علیہم السلام کا آپ کے ساتھ اجتماع ہو جاتا تو یہ حقیقت یہاں بھی آشکارا ہو جاتی۔ چنانچہ آخری زمانہ میں جب سیدنا عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائیں گے تو ان کا تعلق آپ کی شریعت کے ساتھ وہی ہوگا جو تمام امت کا ہے، اور اسی لیے اس اتباع سے ان کی نبوت میں کوئی ادنیٰ شائبہ نقصان بھی لازم نہ آئے گا۔ اسی طرح اگر آپ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں تشریف لے آتے تو وہ بھی اپنی اپنی رسالت پر باقی رہتے

ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع ہی فرماتے، اور اس اتباع کی وجہ سے آپ کی رسالت میں بھی کوئی نقص لازم نہ آتا۔

رہا مختلف شریعتوں کا معاملہ تو جس طرح مختلف نبوتیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے ماتحت ہیں اسی طرح مختلف شریعتیں مختلف زمانوں اور امتوں کے لحاظ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی شریعتیں ہیں۔ پس یہود و نصاریٰ کے لحاظ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت تورات و انجیل تھی اور امت محمدیہ کے لحاظ سے آپ کی شریعت قرآن حکیم ہے۔ اگر زمانوں اور اشخاص کے اعتبار سے احکام مختلف ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مذکورہ بالا تحقیق سے دو حدیثوں کی مراد روشن ہو گئی:

(۱) بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کآفۃ یعنی میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ عام طور پر عموم بعثت کے معنی صرف یہ سمجھے جاتے ہیں کہ آپ قیامت تک تمام انسانوں کے لیے رسول ہیں، لیکن اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کی نبوت کا تعلق صرف مستقبل سے نہیں بلکہ ماضی اور مستقبل دونوں سے ہے۔ سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے ماتحت ہیں اگرچہ ماتحتی کی نوعیت بدلی ہوئی ہے۔

(۲) حدیث کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔ اس حدیث کی مراد صرف یہ سمجھی جاتی تھی کہ سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کو آپ کی نبوت کا علم حاصل تھا، مگر اس میں آپ کی کیا خصوصیت ہے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو اسی طرح حاصل تھا جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا۔ اس تحقیق کی بنا پر حدیث کا یہ مطلب ہو گیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیدنا آدم علیہ السلام میں نفخ روح سے پہلے نبوت سے نوازا جا چکا تھا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ قدرت کی طرف سے کسی کمال کے اضافہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی وہ عالم وجود میں آنے کے بعد کمال کا افاضہ کرتی ہے اور کبھی وجود سے پہلے عالم ارواح ہی میں اس کمال سے

نواز دیتی ہے جس کا ظہور قالب انسانی میں مقدر ہو چکا ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کمال کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو یکساں ہوتا ہے، ہاں مخلوق کو پہلی صورت کا علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ وہ کمال اس کے مشاہدہ میں آجائے۔ اور دوسرے کمال کے علم کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ کوئی مخبر صادق اس کو خبر دے دے۔ یہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد سے ہمیں اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ کمال نبوت آپ کو اس وقت حاصل ہو چکا تھا جب کہ سیدنا آدم علیہ السلام انسانی صورت پر استوار بھی نہ ہونے پائے تھے اور اسی وقت انبیاء علیہم السلام سے آپ کے لیے ایمان و نصرت کا عہد بھی لے لیا گیا تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی رسالت عامہ ان کو بھی شامل ہے۔ اس لحاظ سے سب سے پہلے نبی آپ ہوئے، مگر چونکہ جسد عنصری کے لحاظ سے آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا ہے، اس لیے آپ آخر الانبیاء بھی کہلائے، مگر اس معنی سے نہیں کہ آپ کو نبوت سب سے آخر میں ملی ہے بلکہ اس معنی سے کہ آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا ہے، ورنہ منصب نبوت کے لحاظ سے آپ کی ولادت سے قبل اور ولادت کے بعد، چالیس سال کی عمر سے قبل اور اس کے بعد کے زمانہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کو ایک مثال سے یوں ذہن نشین کریں کہ اگر ایک شخص اپنی لڑکی کی شادی کے لیے کسی کو وکیل بناتا ہے تو بلاشبہ یہ وکالت درست اور صحیح ہے، اور اسی وقت سے اس کو تصرف کرنے کا حق بھی حاصل ہے، لیکن اس تصرف کا ظہور اس پر موقوف ہے کہ پہلے کہیں سے کفو ملے تو وہ شادی کرے۔ بعض مرتبہ کئی سالوں تک کفو نہیں ملتا اور اس وکالت کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا، مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص وکالت سے موصوف نہیں یا اس کو اس سے پیشتر حق تصرف حاصل نہیں۔ اسی طرح آپ کی نبوت کا معاملہ سمجھنا چاہیے۔ یہاں جسم عنصری کی شرط صرف تصرفات نبوت کے ظہور کے لیے ہے نفس منصب نبوت کے لیے نہیں۔ اصل یہ ہے کہ کسی حکم کا کسی شرط سے تعلق دو طرح پر ہوتا ہے، کبھی فاعل متصرف کے اعتبار سے اور کبھی محل قابل کے لحاظ سے۔ یہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کے لیے جسم عنصری کی شرط فاعل متصرف کی طرف سے نہ تھی کیونکہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو منصب نبوت سے عالم ارواح ہی میں سرفراز کر دیا تھا، جسم ناسوتی کی شرط تھی تو صرف اس لیے

تھی کہ مبعوث الیہم میں جسم کے بغیر استفادہ کی قابلیت نہ تھی۔ تصرفات نبوت یعنی احکام الٰہیہ کی تبلیغ اس پر موقوف تھی کہ آپ جسم عنصری میں تشریف لا کران سے خطاب کریں، کلام الٰہی انہیں سنائیں اور سمجھائیں۔ اگر مخاطبین میں ان امور کی اس سے قبل صلاحیت ہوتی تو وہ کمال نبوت کا اس سے قبل بھی ادراک کر لیتے، اس لیے قالب انسانی کی شرط یہاں نفس نبوت کے لیے نہیں بلکہ قصور مخاطبین کے لحاظ سے تھی۔ (اس تفسیر کو امام سبکیؒ، حافظ ابونعیم اصفہانی، امام رازیؒ، ابن حجر ہیثمی، زرقانی اور شیخ محی الدین ابن عربی نے اپنی مختلف کتابوں میں اختیار کیا ہے۔)

علامہ خفاجیؒ نے بھی حافظ تقی الدین سبکیؒ کی اس بحث کو بلا کسی اختلاف کے تسلیم کیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منصب نبوت سب سے پہلے عالم ارواح میں مرحمت ہو چکا تھا، اوراس حدیث کا منشا صرف یہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا علم تھا۔ یہ ایک بدیہی اور غیر مفیدسی بات ہے۔ (۱)

اس بارے میں ایک اور حدیث امام ترمذیؒ نے سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے سرکاردو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا:

﴿یَا رَسُولَ اللّٰہِ! مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ؟ قَالَ: وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ﴾ (۲)

”یارسول اللہ! آپ کونبوت کے منصب سے کب نوازا گیا؟ فرمایا: جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام میں ابھی روح نہیں پھونکی گئی تھی۔“

ملاعلی قاریؒ اس حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں:

﴿اِنَّہٗ مَطْرُوْحٌ عَلَی الْاَرْضِ صُوْرَۃٌ بِلَا رُوْحٍ، وَالْمَعْنٰی قَبْلَ

۱۔ نسیم الریاض: ۱ / ۳۰۰، ترجمان السنہ، کتاب التوحید کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نبیاً وآدم بین الروح والجسد: ۱/ ۳۸۰

۲۔ ترمذی، رقم الحدیث: ۳۶۰۹، دلائل النبوۃ، بیہقی: ۲ / ۱۳۰

تَعَلُّقِ رُوحِہٖ بِجَسَدِہٖ﴾ (۱)

''یعنی جب آدم علیہ السلام اپنے جسم خاکی کے ساتھ زمین پر موجود تھے یعنی جب آدم علیہ السلام کے جسد خاکی اور روح کا تعلق ابھی قائم نہیں ہوا تھا۔''

اسی مضمون کی ایک اور حدیث سیدنا عرباض بن ساریہؓ سے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنِّي عِنْدَا للّٰهِ مَكْتُوبٌ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِيْنَتِهٖ﴾ (۲)

''میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت خاتم النبیین مقرر ہو چکا تھا جب آدم علیہ السلام ابھی گارے کی شکل ہی میں پڑے ہوئے تھے یعنی ان میں ابھی روح نہیں پھونکی گئی تھی۔''

مواہب میں ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ صحیح مسلم میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ كَتَبَ مَقَادِيْرَ الْخَلْقِ قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفِ سَنَةٍ وَ كَتَبَ فِي الذِّكْرِ اِنَّ مُحَمَّداً خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل اپنی ہر مخلوق کا اندازہ لکھ دیا تھا اور لوح محفوظ میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔''

یعنی جب عالم تکوین کی ہر معمولی سے معمولی چیز مقدر ہوئی اور جن کے وجود پر عالم تکوین کی آبادی کا دارومدار تھا ان کا خاتم النبیین ہونا تھا اسی وقت مقدر ہو چکا تھا۔ اس روایت کا آخری فقرہ اگرچہ صحیح مسلم کے موجودہ نسخوں میں نہیں ملتا لیکن جب منصف

۱۔ مرقاۃ، باب فضائل سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام، فصل ثانی: ۱۱ / ۵۸

۲۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ احمد فی مسندہ وابن حبان فی صحیحہ

۲۳ ۵ ۱۳

مواہب نے اس کو بحوالہ مسلم نقل کیا ہے تو ضرور ان کے نسخہ میں یہ فقرہ موجود ہوگا۔

واضح رہے کہ اس حدیث کا منشا بھی صرف تحریر و کتابت نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ خلعت ختم نبوت آپ ﷺ کو اس وقت پہنایا جا چکا تھا جب کہ ابوالبشر آدم علیہ السلام نے خلعت وجود بھی نہیں پہنا تھا۔ اسی کی طرف سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشارہ فرمایا ہے جو سیدنا ابن عباسؓ شفاعت کی طویل حدیث میں روایت کرتے ہیں (قیامت میں شفاعت کے لیے) آخر کار لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے آپ ہی ہمارے پروردگار سے سفارش کیجیے تاکہ ہمارا حساب لے لے۔ وہ فرمائیں گے میں یہ کام نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس سے شرمندہ ہوں کہ میرے امتیوں (یعنی نصاریٰ) نے مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لیا تھا، لیکن بتلاؤ اگر کسی برتن کو بند کر کے اس پر مہر لگا دی جائے، کیا اس برتن کی چیز اس وقت تک لے سکتے ہو جب تک اس کی مہر نہ توڑ دو۔ لوگ کہیں گے ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم (جو انبیاء علیہم السلام کے خاتمہ پر مہر ہیں) آج موجود ہیں۔ ان کی آئندہ اور گذشتہ سب لغزشیں معاف ہو چکی ہیں، ان کے پاس جاؤ۔"(۱)

﴿إِنَّ مُحَمَّداً خَاتَمُ النَّبِيِّينَ قَدْ حَضَرَ الْيَوْمَ﴾

"بے شک محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں اور وہ آج یہاں موجود ہیں۔"

ان الفاظ میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے صرف تقدیر کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اس نوازش الہیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو ازل میں خلعت ختم نبوت پہنا کر سرکار دو عالم ﷺ پر ہو چکی تھی، اس لیے شفاعت کا حق ان ہی کا ہے۔

سیدنا عرباض بن ساریہؓ کی اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عالم کی ہدایت کے وقت ہی اس کی نہایت آپ کے دور نبوت پر مقدر ہو چکی تھی۔ (۲)

اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ سرکار دو عالم ﷺ تخلیق آدم

۱۔ مسند ابی داؤد الطیالسی، الجزء الحادی العشر ابو نضرة عن ابن عباسؓ: ص ۳۵۳

۲۔ ترجمان السنة، مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱ / ۳۸۲

سے پہلے محض علم الٰہی میں نبی نہ تھے کیونکہ علم الٰہی میں تو تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں تھیں۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی امتیازی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ اور حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امتیازی خصوصیت کا بیان ہو رہا ہے۔ کائنات کی ہر شی تخلیق کائنات سے قبل علم الٰہی میں تھی۔ صحابہ کرامؓ کا جو سوال تھا وہ یہ تھا کہ ''یا رسول اللہ! آپ شرف نبوت سے کب نوازے گئے؟ مطلب یہ تھا کہ تخلیق تو آپ کی ساری کائنات سے پہلے ہو چکی تھی لیکن خلعت نبوتِ سے آپ کو کب سرفراز کیا گیا؟ اس کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیا کہ میں اس وقت سے نبی ہوں جب ابھی سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق جسم اور روح کے مرحلہ میں تھی، چنانچہ امام العصر رئیس المحدثین علامہ انور شاہ کاشمیری قدس سرہ فرماتے ہیں:

﴿كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا، وَجَرَتْ عَلَيْهِ اَحْكَامَ النُّبُوَّةِ مِنْ ذَالِكَ الْحِيْنِ بِخِلَافِ الْاَنْبِيَاءِ السَّابِقِيْنَ، فَإِنَّ الْاَحْكَامَ جَرَتْ عَلَيْهِمْ بَعْدَ الْبِعْثَةِ﴾ (۱)

''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے اور آپ پر احکام نبوت بھی جاری ہو چکے تھے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے برعکس، کیونکہ ان پر احکام نبوت کا اجراء بعثت کے بعد ہوتا ہے۔''

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث کتابوں میں موجود ہیں جن کو طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کیا جا رہا ہے۔ شوق رکھنے والے حضرات درج ذیل کتب کی طرف مراجعت کر سکتے ہیں۔ (۲)

۱۔ العرف الشذی، ابواب المناقب: ص ۵۴۰

۲۔ ملاحظہ ہو مسند احمد بن حنبل: ۴/ ۱۲۷، مستدرک حاکم، ذکر اخبار سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۲/ ۶۰۰، معجم کبیر، حدیث نمبر ۸۳۴ مطبوعہ قاہرہ، طبرانی: ۱۸/ ۲۵۲، حدیث نمبر ۶۳۰، ۶۳۱، ابن حبان: ۱۴/ ۳۱۳، مجمع الزوائد، ہیثمی: ۸/ ۲۲۳، المصنف لابن ابی شیبہ: ۷/ ۳۲۹، معجم کبیر طبرانی: ۲۰/ ۳۵۳، مستدرک حاکم: ۲/ ۲۲۵

علماء نے لکھا ہے کہ اصل اولیت یعنی باعتبار خلق واتصاف نبوت سرکار دو عالم ﷺ ہی کو حاصل ہے گو بلحاظ وجود عنصری سیدنا آدم علیہ السلام کی تشریف آوری سب سے اول ہوگئی ہے۔

بعض احادیث میں آپ کو فاتح نبوت اور خاتم نبوت دونوں قرار دیا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ازل میں آپ کی نبوت اور ختم نبوت دونوں صرف تقدیر کے معنی میں نہ تھے کیونکہ تقدیر تو سب کے لیے یکساں ہے بلکہ اس منصب سے سرفرازی کے لحاظ سے ہے۔ آپ کی آخیریت جس طرح خارج میں تھی اسی طرح آپ کی اولیت بھی سمجھنا چاہیے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں ہر نبی سے سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کی نصرت و تائید کا پختہ عہد لیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بھی تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت سب سے آخر میں ہوگی، اور جن انبیاء علیہم السلام سے پختہ عہد لیا جا رہا ہے ان میں سے کوئی نبی آپ ﷺ کے عہد نبوت کو نہیں پائے گا۔ پھر اس میثاق کے لینے کا کیا فائدہ؟

قرآن حکیم اور احادیث نبویہ کی رو سے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے آخری نبی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھایا اور وہ قرب قیامت میں آسمانوں سے زمین پر نزول فرمائیں گے، اور تمام انبیاء علیہم السلام کی نمائندگی کرتے ہوئے آپ پر اس عالم ارواح کے عہد کے مطابق ایمان لائیں گے اور آپ ﷺ کے دین اور آپ ﷺ کی امت کی نصرت کریں گے، دجال کو قتل کریں گے اور پھر ایک اسلامی حکومت قائم کر کے شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے کریں گے۔ یہ گویا اس عہد کی تکمیل ہو گی جو تمام انبیاء علیہم السلام سے عالم ارواح میں آپ ﷺ پر ایمان اور آپ کی نصرت و تائید کرنے کے لیے لیا گیا تھا۔ قرآن حکیم میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قبل سیدہ مریم صدیقہ سلام اللہ علیہا کو بشارت اور خوشخبری کے طور پر یہ خبر دی گئی کہ تمہارے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو:

﴿يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾

''کلام کرے گا لوگوں سے ماں کی گود میں بھی اور زمانہ کہولت میں بھی اور وہ صالحین میں سے ہوگا۔''

اس بات کو سورۃ المائدہ میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بطور احسان اور نعمت کے یاد دلائے گا کہ میں نے روح القدس کے ساتھ تجھے تائید بخشی، اور میرا یہ احسان بھی یاد رکھ جب بطور خارق عادت تو نے مہد میں اور زمانۂ کہولت میں لوگوں سے کلام کیا۔ (۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے من جملہ اور انعامات اور احسانات کے سیدنا مسیح علیہ السلام کے آغوش مادر میں اور زمانہ کہولت میں باتیں کرنے کا ذکر کیا ہے اور دونوں زمانوں میں باتیں کرنے کو بطور خارق عادت ذکر کیا۔ آغوش مادر میں باتیں کرنا تو اس لیے خارق عادت اور معجزہ ہے کہ نومولود لڑکا جو خود اپنے وجود سے غافل ہے اور اس کو اپنے اور پرائے میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، عقل وشعور ابھی اس میں پیدا نہیں ہوا، وہ آغوش، مادر میں کلام کرکے اپنی والدہ سے برائی کے الزام کو دفع کرے اور اپنے نبی اور صاحب کتاب ہونے کا دعویٰ کرے۔

اب رہا کہولت میں کلام کرنا سو بظاہر یہ کوئی خارق عادت نہیں کیونکہ کہولت یعنی ادھیڑ عمر میں کلام کرنا، تو ادھیڑ عمر میں تو سب لوگ کلام کرتے ہیں، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کو بطور خرق عادت بیان فرمارہے ہیں، اسی لیے اس کو کلام فی المہد کے ساتھ بیان کیا۔ قرآن وحدیث میں جو سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا آسمان پر جانا منقول ہے اور پھر قرب قیامت میں آکر توحید خداوندی کا پرچار کرنا مروی ہے، اس کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ آسمان پر جس عمر میں گئے تھے اسی عمر میں واپس لوٹیں گے، وجہ اس کی یہ ہے آسمانوں پر Time and Space نہیں ہے۔ اسی لیے حدیث میں ہے کہ جب وہ آسمان پر اٹھائے گئے اس وقت انہوں نے غسل فرمایا تھا اور پانی کے قطرے ان کے بالوں سے ٹپک رہے تھے، اور جب وہ قرب

۱۔ سورۃ المائدہ: ۱۱۰

قیامت میں نزول فرمائیں گے تو پانی کے وہ قطرے اسی طرح ان کے بالوں سے ٹپک رہے ہوں گے۔ دنیا میں جب وہ تشریف لائیں گے تو اس وقت وہ زمانۂ کہولت میں ہوں گے اور اسی زمانۂ کہولت میں وہ لوگوں سے نہایت ہوش مندی اور ذہانت سے باتیں کریں گے حالانکہ دنیوی لحاظ سے ان کی زندگی کئی ہزار سال کی ہوگی، اور آج تک کوئی ادھیڑ عمر کا انسان ایسا نہیں گزرا جس کی عمر دنیوی زندگی کے لحاظ سے کئی ہزار سال ہو اور دیکھنے میں وہ ادھیڑ عمر ہو اور پھر وہ لوگوں سے باتیں بھی کرے۔ دنیوی لحاظ سے اتنی لمبی عمر پانے کے بعد کہولت میں لوگوں سے باتیں کرنا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات میں سے آپ پر ایک انعام اور احسان ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم میں آپ کا زمانہ کہولت میں باتیں کرنے کا دو مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ ایک سورۃ آل عمران میں دوسرے سورۃ المائدہ میں۔ چنانچہ تفسیر ابن جریر میں ہے:

﴿قَدْ كَلَّمَهُمْ عِيسَىٰ فِي الْمَهْدِ وَسَيُكَلِّمُهُمْ إِذَا قَتَلَ الدَّجَّالَ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ كَهْلٌ﴾ (۱)

''سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے آغوش مادر میں باتیں کیں اور وہ جب زمانہ کہولت میں دجال کو قتل کریں گے اس وقت بھی وہ باتیں کریں گے۔''

ایسا ہی دوسرے کئی ایک مفسرین نے اپنی تفاسیر میں لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر کبیر، تفسیر فتح البیان اور تفسیر معالم التنزیل وغیرہ۔ اسی سلسلہ میں امام فخر الدین رازیؒ نے حسین بن فضل البجلی کا قول ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

﴿هُوَ قَوْلُ الْحُسَيْنِ بْنِ الْفَضْلِ الْبَجَلِيِّ أَنَّ الْمُرَادَ بِقَوْلِهِ وَكَهْلًا أَنْ يَكُونَ كَهْلًا بَعْدَ أَنْ يَنْزِلَ مِنَ السَّمَاءِ فِي آخِرِ الزَّمَانِ، وَيُكَلِّمُ النَّاسَ وَيَقْتُلَ الدَّجَّالَ، قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ فَضْلٍ وَفِي هٰذِهِ الْآيَةِ نَصٌّ فِي أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَيَنْزِلُ إِلَى الْأَرْضِ﴾ (۲)

۱۔ تفسیر ابن جریر: ۳/ ۱۵۹

۲۔ تفسیر کبیر: ۲/ ۴۵۶

''حسین بن فضل بجلی کا قول ہے کہ کھلاً سے مراد یہ ہے کہ آخری زمانہ میں آسمان سے نازل ہونے کے بعد جب وہ زمانہ کہولت میں ہوں گے تو لوگوں سے باتیں کریں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ حسین بن فضل کہتے ہیں کہ یہ بات ان کے زمین پر نزول کے لیے نص ہے۔''

مختصر یہ کہ ''یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَکَهْلًا'' کو اگر خارق عادت نہ مانا جائے تو یہ آیت بے معنی ہو کر رہ جائے گی کیونکہ کہولت اگر رفع الی السماء سے پہلے کی مراد لی جائے تو پھر تو ہر ایک شخص زمانہ کہولت میں باتیں کرتا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ کے احسان جتانے کا کیا مطلب ہوا؟ یہ احسان اسی وقت بنتا ہے جب اسے خارق عادت مانا جائے، اور خارق عادت تب ہی ہو سکتا ہے جب وہ دوبارے نزول کے بعد کہولت کے زمانہ میں کلام فرئیں۔

ایک اور اشکال:

یہاں پر ایک اور اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ یہ کہنا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد شریعت محمدیہ اور قرآن وسنت کے مطابق نظام حکومت چلائیں گے۔ کیا وہ پہلے قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کریں گے کیونکہ قرآن حکیم کا نزول اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت تو رفع عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئی؟ اس اشکال کا جواب بھی قرآن حکیم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے احسانات و انعامات میں سے ایک انعام قرآن میں یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ:

﴿اِذْ عَلَّمْتُکَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِیْلَ﴾ (١)

''(اے عیسیٰ! ہمارے اس احسان کو یاد کرو) جب میں نے تجھے قرآن سکھایا اور حکمت سکھائی اور تورات وانجیل کی تعلیم دی۔''

١۔ المائدہ: ١١٠

اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو احسان جتلاتے ہوئے یہ احسان بھی یاد دلائیں گے کہ میں نے تجھے قرآن حکیم اور سنت کی تعلیم دی اور اس کے ساتھ تورات و انجیل کا علم بھی سکھایا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ہی ان کی والدہ ماجدہ سیدہ مریم سلام اللہ علیہا کو بشارت کے طور پر یہ فرما دیا تھا کہ میں تیرے بیٹے کو قرآن و سنت اور تورات و انجیل کی تعلیم دوں گا۔ قرآن حکیم میں جہاں بھی ''کتاب وحکمت'' کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد کتاب و سنت ہے۔ یہاں بھی تورات و انجیل کی تعلیم کے ساتھ کتاب وحکمت کی تعلیم کا ذکر بھی ہے جس سے مراد کتاب و سنت ہی ہو سکتے ہیں، لہٰذا شریعت محمدیہ کا نظام چلانے اور کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کرنے میں انہیں خود کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی کیونکہ وہ پہلے ہی اس کی تعلیم حاصل کر چکے ہیں جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ انہیں کسی مولوی کے سامنے قرآن وحدیث پڑھنے کے لیے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی ضرورت نہ ہو گی بلکہ قرآن و سنت کا علم اللہ تعالیٰ انہیں سکھا کر بھیجیں گے جیسا کہ سورۃ آل عمران اور سورۃ المائدہ میں کہا گیا ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ اشکال مرزا غلام احمد قادیانی نے پیش کیا ہے۔ مرزا لکھتا ہے:

> ''چونکہ حضرت مسیح (اگر ان کا نزول فرض کیا جائے) ایسی حالت میں آئیں گے کہ ان کو شریعت محمدیہ سے جو غیر زبان میں ہے کچھ بھی خبر نہ ہو گی، اور وہ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ قرآنی تعلیم پر ان کو اطلاع ہو اور ان کی تفصیلات احکام دین پر بھی مطلع ہو جائیں جو احادیث کی رو سے معلوم ہوتے ہیں۔ غرض شریعت محمدیہ کے تمام اجزاء پر خواہ وہ از قبیل عقائد ہیں یا از قسم عبادات یا از انواع معاملات یا از قبیل قوانین قضاء و فصل مقدمات اطلاع پانا ان کے لیے ضروری ہو گا۔ اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ معمر ہونے کی حالت میں ایک عمر خرچ کر کے دوسروں کی شاگردی کریں۔''(۱)

۱۔ ازالۂ اوہام: ص ۵۸۳، روحانی خزائن: ۳ / ۴۱۵،

ان تمام روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ:

۱۔ آپ عالم ارواح میں منصب نبوت سے حقیقتاً سرفراز تھے۔

۲۔ اسی طرح صفت وجود میں بھی آپ کی ذات اقدس سب سے مقدم تھی۔

۳۔ اسی طرح صفت نبوت میں بھی آپ کا سب سے مقدم ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اس بارے میں امام العصر حضرت مولانا سید بدر عالم مدنیؒ فرماتے ہیں کہ:

''قدرت کی طرف سے کسی کمال (Perfection) کے افاضہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی وہ عالم وجود میں آنے کے بعد کمال کا اضافہ کرتی ہے اور کبھی وجود سے پہلے عالم ارواح ہی میں اس کمال سے نواز دیتی ہے' جس کا ظہور قالب انسانی میں مقدر ہو چکا ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کمال کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو یکساں ہوتا ہے۔ ہاں مخلوق کو پہلی صورت کا علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ وہ کمال اس کے مشاہدہ میں آجائے اور دوسرے کمال کے علم کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ کوئی مخبر صادق اس کی خبر دے۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے ہمیں اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ کمال نبوت آپ کو اس وقت حاصل ہو چکا تھا جب کہ آدم علیہ السلام انسانی صورت پر استوار بھی نہ ہونے پائے تھے' اور اسی وقت انبیاء علیھم السلام سے آپ کے لیے ایمان ونصرت کا عہد بھی لے لیا گیا تھا جس کا تذکرہ آئندہ صفحات میں ہوگا تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی رسالت عامہ ان کو بھی شامل ہے۔ اس لحاظ سے سب سے پہلے نبی آپ ہوئے' مگر جسد عنصری کے لحاظ سے آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا' اس لیے آپ آخر الانبیاء بھی کہلائے۔ مگر اس معنی میں نہیں کہ آپ کو نبوت سب سے آخر میں ملی ہے بلکہ اس معنی سے کہ آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا ہے''۔ (۱)

۱۔ ترجمان السنہ، کتاب التوحید: ۱ / ۳۸۰

علماء نے لکھا ہے کہ اصل اولیت یعنی باعتبار خلق و اتصاف نبوت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو حاصل ہے گو بلحاظ وجود عنصری سیدنا آدم علیہ السلام کی تشریف آوری سب سے اول ہوگئی ہے۔

بعض احادیث میں آپ کو فاتح نبوت اور خاتم نبوت دونوں قرار دیا گیا ہے۔ ان سے معلوم ہوا کہ ازل میں آپ کی نبوت اور ختم نبوت دونوں صرف تقدیر (Destiny) کے معنی میں نہ تھے کیونکہ تقدیر تو سب کے لیے یکساں ہے بلکہ اس منصب سے سرفرازی کے لحاظ سے ہے۔

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام انبیاء علیہم السلام سے ایمان ونصرت کا عہد

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے آپ کے بارے، میں عہد لیا جس کا ذکر سورہ آل عمران میں کیا گیا ہے۔

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾ (۱)

''اور وہ وقت یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا تھا کہ ہم جو تمہیں کتاب وحکمت دیں پھر خدا کا رسول تمہارے پاس آئے اور جو کتاب تمہارے پاس ہو اس کی تصدیق کرے تو ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔''

حافظ تقی الدین سبکیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے ''اَلتَّعْظِيمُ وَالْمِنَّةُ فِي مَعْنٰى قَوْلِهِ تَعَالٰى لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ''. اور یوسف بن اسماعیل نبہانیؒ نے جواہر البحار میں اس کو نقل کر دیا ہے۔ اس رسالہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے سرکار دو عالم ﷺ کے لیے اسی قسم کا عہد (Covenant) لیا تھا جیسا کہ امتوں سے نبیوں کے لیے اور رعایا سے خلفاء کے لیے اطاعت ونصرت کا عہد لیا جاتا ہے لہٰذا اور انبیاء تو صرف نبی ہیں اور سرکار دو عالم ﷺ نبی الانبیاء ہیں۔ اس حقیقت کا عالم ارواح میں جہاں

۱۔ آل عمران: ۸۱

بھی انبیاء علیہم السلام کا اجتماع ہوا' اظہار کیا گیا۔ پہلی بار یہ اجتماع شب معراج میں ہوا جب کہ تمام انبیاء علیہم السلام بیت المقدس میں صفیں باندھے بیٹھے تھے اور نماز کے لیے امام کی تلاش ہو رہی تھی۔ چنانچہ جبریل امین نے آپ کو ہاتھ سے پکڑ کر امامت کے مصلیٰ پر کھڑا کر دیا اور اس طرح آپ ہی کی ذات گرامی امامت کی مستحق ٹھہری۔ دوسرا اجتماع محشر کے روز ہوگا۔ وہاں بھی تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے جب کہ ہر امت اپنے اپنے نبی کے جھنڈے کے نیچے ہو گی۔ تیسری بار شفاعت (Intercession) کا مرحلہ ہوگا یہاں بھی سب کا خطیب اور امام آپ ہی کی ذات گرامی ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں اسے یوں سمجھئے کہ جو منصب نبوت آپ کو اس امت کے لیے حاصل ہے وہی منصب آپ کو بلحاظ انبیاء بھی حاصل ہے۔

اگر اس دنیا میں بھی کہیں انبیاء علیہم السلام کا آپ کے ساتھ اجتماع ہو جاتا تو یہاں بھی یہی حقیقت عیاں ہو جاتی۔ چنانچہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جب اس عالم میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو ان کا تعلق آپ کی شریعت کے ساتھ وہی ہوگا جو آپ کی تمام امت کا ہے۔

یہ میثاق حدیث کی روایات کے مطابق سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام سے عالم ارواح میں لیا گیا تھا کہ ہر نبی سرکار دو عالم ﷺ پر ایمان لائے گا اور آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرے گا اور تمام مہمات میں آپ ﷺ کی نصرت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لینے کے بعد اس کی تاکید کے لیے ان سے صراحتاً اقرار کرایا اور پھر اس کی مزید تاکید کے لیے فرمایا کہ تم اس پر گواہ رہنا اور میں بھی گواہوں میں سے ہوں۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ'' پھر اس کے بعد جو عہد سے پھرا وہی لوگ نافرمان ہیں۔'' بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ کلام انبیاء کی امتوں کی طرف متوجہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ' سے عہد کرنے کے بعد اس عہد سے پھرنا انبیاء علیہم السلام سے ممکن نہیں ہوسکتا، لیکن سید محمود آلوسی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ

بھی جائز ہے کہ یہ کلام انبیاء علیہم السلام کی طرف متوجہ ہو یعنی بفرض محال اگر نبیوں میں سے بھی کوئی اس عہد سے پھرا اور اس نے اس میثاق سے روگردانی کی تو وہ بھی فاسق ہو جائے گا، اور اس میں ان کی امتوں سے تعریضاً خطاب ہے یعنی صراحتاً انبیاء علیہم السلام کی طرف اسناد ہے اور کنایۃً ان کی امتوں کی طرف اسناد ہے۔ (۱)

یہاں بعض حضرات ایک شبہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں ان انبیاء علیہم السلام سے میثاق لینے کا ذکر ہے جن پر کتاب نازل کی گئی ہے، اور وہ صرف تین سو تیرہ رسول ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام انبیاء سے میثاق لیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جن نبیوں پر کتاب نازل نہیں کی گئی وہ بھی ان نبیوں کے حکم میں ہیں جن پر کتاب نازل کی گئی ہے کیونکہ ان کو نبوت اور حکمت دونوں عطا کی گئی ہیں۔ نیز جن انبیاء علیہم السلام کو کتاب نہیں دی گئی۔ ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ سابق نبی کی کتاب پر عمل کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آیت میں کتاب اور حکمت سے مراد دین ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہی ہے، البتہ شریعت ہر نبی کی مختلف ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمام انبیاء علاتی (Step Brothers) (علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کا والد ایک ہو اور والدہ مختلف ہو) بھائی ہیں، ان کی مائیں (شرائع) مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے۔'' (۲)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقدیراً امت ہیں اور ہم آپ کی تحقیقاً امت ہیں۔ اگر کوئی نبی آپ کی حیات میں مبعوث ہوتا تو آپ پر ایمان لانا اور آپ کی نصرت کرنا اس پر ضروری ہوتا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سیدنا جابرؓ سے روایت نقل فرماتے' ہیں کہ ''بے شک موسیٰ اگر تمہارے سامنے زندہ

۱۔ روح المعانی: ۲۱۲/۳ بیروت

۲۔ بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل واذکر فی الکتاب مریم اذا تبزت من اھلھا: ۴۹۰/۱

ہوتے تو میری اتباع کرنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔(۱)

اسی وجہ سے علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ:

''اس آیت کی تفسیر میں عارفین نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی مطلق، رسول حقیقی اور مستقل شارع ہیں اور آپ کے علاوہ دوسرے تمام انبیاء آپ کے تابع ہیں۔''(۲)

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ مسند احمد، الباب الاول فی صوم الفرض، الفصل الثانی فی فضل صوم شهر رمضان، مسند جابر بن عبداللہؓ: ۳/ ۳۳۸، بیروت

۲۔ روح المعانی: ۳/ ۲۱۰

محمد رسول اللہ ﷺ
کے ذکر کو تمام انبیاء سے مقدم رکھا

سرکار دو عالم ﷺ خاتم النبیین ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جہاں دوسرے انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کیا وہاں آپ کے ذکر کو مقدم رکھا جو بارگاہ خداوندی سے آپ کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ اِسْمَاعِیْلَ وَاِسْحَاقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ، وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَ هَارُوْنَ وَسُلَیْمَانَ، وَآتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ (۱)

”(اے رسول!) ہم نے آپ کی طرف اس طرح وحی بھیجی جس طرح ہم نے نوح کی طرف بھیجی اور (ان) نبیوں کی طرف جو نوح کے بعد آئے۔ (جس طرح ہم نے وحی بھیجی) ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔“

اسی طرح قرآن حکیم کے ایک اور مقام پر دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے ذکر کو مقدم رکھا جو آپ کے خصائص اور امتیازات میں سے ہے۔ ارشاد فرمایا:

۱۔ النساء: ۱۶۳

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ (١)

''اور (وہ وقت یاد کریں) جب ہم نے تمام پیغمبروں سے مستحکم اور مضبوط وعدہ لیا، اور آپ سے بھی، نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سب سے پختہ عہد لیا (کہ وہ اللہ کے احکام کی بجا آوری اور اس کی تبلیغ میں ہمیشہ ثابت قدم اور مستعد رہیں گے)۔''

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

١۔ الاحزاب: ۷

1

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا امام الانبیاء ہونا

معراج کی شب جب جبرئیل امین آپ کو مکہ معظّمہ سے براق پر بٹھا کر بیت المقدس لائے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شان سے بیت المقدس پہنچے۔ براق سے اترے اور براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا گیا جس سے انبیاء کرام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جبرئیل امین نے ایک پتھر میں اپنی انگلی سے سوراخ کر کے اس براق کو باندھ دیا۔ بعدازاں آپ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور تحیۃ المسجد ادا فرمائی۔ (۱)

کچھ دیر نہ گزری کہ بہت سے حضرات مسجد اقصیٰ میں جمع ہو گئے۔ پھر ایک مؤذن نے اذان دی پھر اقامت کہی۔ سب صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ ہر ایک اسی انتظار میں تھا کہ کون امامت کرے گا۔ جبرئیل نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا۔ میں نے سب کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبرئیل نے کہا: ''آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کن لوگوں کی امامت کی اور کن لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی؟'' میں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ جبرئیل نے کہا کہ جتنے انبیاء مبعوث ہوئے سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔'' (۲)

اس بارے میں سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں اور یہ وہ حدیث ہے جس میں

۱۔ زرقانی، حدیث انسؓ: ۶ / ۴۵

۲۔ زرقانی، المقصد فی تخصیصه علیه السلام بخصائص المعراج والاسرأ.........الخ
و حدیث ابن مسعودؓ: ۶ / ۴۴، خصائص کبریٰ، باب خصوصیته النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالاسرأ ومارأی من اٰیات ربه الکبریٰ، حدیث انسؓ: ۱ / ۱۵۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش مکہ کے اعتراضات کے جوابات دیئے۔ اس حدیث میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بیت المقدس میں میں نے انبیاء علیہم السلام کی جماعت کو دیکھا:

﴿فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ فَاَمَمْتُهُمْ، فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلٰوةِ قَالَ قَائِلٌ: يَا مُحَمَّدُ! هٰذَا مَالِكٌ صَاحِبُ النَّارِ، فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَالتَفَتُّ اِلَيْهِ، فَبَدَأَنِي بِالسَّلَامِ﴾

''پس نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان (تمام انبیاء) کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو ایک کہنے والے نے کہا: ''اے محمد! یہ جہنم پر مقرر کردہ فرشتہ مالک ہے، آپ اسے سلام کریں۔ میں جب اس کی جانب متوجہ ہوا تو اس نے مجھے سلام کیا۔'' (۱)

اسی طرح ایک اور روایت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میرے پاس ایک چوپائے کو لایا گیا جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔

﴿ثُمَّ دَخَلْتُ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَجُمِعَ لِيَ الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَقَدَّمَنِي جِبْرَئِيلُ حَتّٰى اَمَمْتُهُمْ﴾

''پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا، پس میرے لیے تمام انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا گیا۔ پھر جبرئیل نے مجھے آگے بڑھایا اور میں نے ان سب کی امامت کرائی۔''

زرقانی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کے بیت المقدس تشریف لانے پر ملائکہ بھی آسمان سے نازل ہوئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ دونوں کی امامت کرائی۔ (۲)

یا رب صل وسلم دائما ابدا — علی حبیبک خیر الخلق کلہم

۱۔ مسلم، فی کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۲۵۱

۲۔ زرقانی: ۶ / ۵۰

محمد رسول اللہ ﷺ

کا نبی الانبیاء ہونا

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبی الانبیاء بنایا یعنی اگر انبیاء آپ کو پالیں تو ان پر آپ کی اتباع واجب ہے۔ کیونکہ حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَوْ كَانَ مُوْسىٰ حَياً مَا وَسَعَهُ اِلَّااِتِّبَاعِي﴾ (۱)

''اگر موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔''

اس اتباع اور اقتداء (Following) کا ایک مظاہرہ شب معراج میں بیت المقدس میں ہوا جب تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور آپ ﷺ نے ان کی امامت فرمائی۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب آپ بیت المقدس میں تشریف لائے تو کچھ دیر نہ گذری کہ بہت سے حضرات بیت المقدس میں جمع ہو گئے۔ پھر ایک مؤذن نے اذان دی' پھر اقامت کہی۔ یہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام تھے۔ زرقانی میں ہے کہ آپ کے تشریف لانے سے قبل تمام انبیاء علیہم السلام پہلے ہی سے مسجد میں آپ کے انتظار میں موجود تھے جن میں سیدنا ابراہیم' سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے۔ (زرقانی، حدیث ام ہانی: ۶/ ۴۴ مطبوعہ بیروت) ہر ایک اسی انتظار میں تھا کہ کون امامت کرائے گا۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جبرئیلؑ نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا۔ میں نے سب کی امامت کرائی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبرئیل نے کہا: ''آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کن لوگوں کو نماز پڑھائی؟ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ جبرئیل نے

---

۱. المصنف لابن ابی شیبہ، کتاب الادب، باب من کرہ النظر فی کتب اہل الکتاب: ۹ /۴۷

کہا کہ جتنے انبیاء مبعوث ہوئے ہیں سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے'۔(۱)

زرقانی کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ کے تشریف لانے پر ملائکہ بھی آسمان سے نازل ہوئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات انبیاء علیھم السلام اور ملائکہ دونوں کی امامت فرمائی۔(۲)

یہ امامت گویا ایک اظہار تھا اس بات کا کہ آپ امام النبیین ہیں۔

یہ امامت تو اس عالم کی ہے۔ عالم آخرت میں بھی قیادت اور سیادت آپ کی ہو گی۔ چنانچہ سیدنا ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز میں نبیوں کا امام اور خطیب ہوں گا، اور میں ہی ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔'' (۳)

سیدنا ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے روز اولاد آدم کا سردار میں ہوں گا، اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا (لواء الحمد) ہوگا اور میں فخر نہیں کرتا اور آدم اور ان کے علاوہ جتنے نبی ہیں وہ سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اور جب زمین شق ہو گی تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا۔'' (٤)

حافظ ابن عساکر نے سیدنا عبادہ بن صامتؓ سے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں قیامت کے روز تمام لوگوں کا سردار ہوں گا اور میں اس پر فخر نہیں کرتا۔ اور قیامت کے دن ہر شخص میرے جھنڈے کے نیچے کشادگی کا انتظار کر رہا ہو

۱۔ زرقانی، حدیث ابوھریرۃؓ: ٦/ ٤٤، خصائص کبریٰ، باب خصوصیتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالاسرا.........الخ، حدیث انسؓ: ١ /١٥٤

۲۔ زرقانی، حدیث ابو سعیدن الخدریؓ: ٦ / ٥٠

۳۔ ترمذی، ابواب المناقب باب ماجآء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، لاھور: ص ٢٠١

٤۔ ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجآء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ٢٠١ رقم الحدیث: ٣٦١٥

گا۔ اور میرے ہی ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔ جب میں چلوں گا تو لوگ میرے ساتھ چلیں گے حتیٰ کہ میں جنت کے دروازے پر پہنچ کر اس کو کھلوا دوں گا۔ کہا جائے گا یہ کون ہے؟ میں کہوں گا! محمدؐ۔ اس وقت میں اپنے رب عزوجل کو دیکھ کر اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا اپنا سر اٹھایئے۔ آپ کہیے، آپ کی بات مانی جائے گی۔ آپ شفاعت کیجئے، آپؐ کی شفاعت قبول ہو گی پھر اللہ کی رحمت اور میری شفاعت سے دوزخ سے ایسے لوگ نکالے جائیں گے جو جل چکے ہوں گے۔'' (۱)

سیدنا انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قبروں سے اٹھنے والوں میں میں سب سے پہلا ہوں گا۔ جب لوگوں کے وفد آئیں گے تو میں خطیب ہوں گا۔ جب لوگ مایوس ہو جائیں گے تو میں انہیں بشارت دوں گا، اس روز حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اولاد آدم میں اپنے رب کے نزدیک میں سب سے زیادہ مکرم ہوں گا۔ لیکن فخر نہیں کرتا۔'' (۲)

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ مختصر تاریخ دمشق : ۲ / ۱۰۸

۲۔ ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ۲۰۱، رقم الحدیث: ۳۶۱۰، مطبوعه فاروقی کتب خانه، لاهور

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا افضل الانبیاء ہونا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح تخلیق میں اولین، نبوت میں اولین اور عالم ارواح میں ربوبیت الٰہی کا جواب دینے میں اولین اسی طرح انبیاء و رسل سمیت تمام مخلوق خداوندی میں افضل ہیں، اور حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو تمام اولاد آدم کی سرداری سے نوازا۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

﴿اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾

''میں قیامت کے روز تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔'' (۱)

حدیث میں آپ نے اپنی سیادت کے لیے قیامت کے روز کی قید لگائی حالانکہ آپ دنیا اور آخرت دونوں میں اولاد آدم کے سردار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے روز آپ کی سیادت ہر شخص پر بلا اختلاف ظاہر ہو جائے گی جب کہ اس دنیا میں کفار اور مشرکین اپنی اپنی سیادت و قیادت قائم کیے ہوئے ہیں۔ آپ کی تمام اولاد آدم پر یہ فضیلت کئی دلائل سے واضح ہوتی ہے جو کہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا صلی اللہ علیہ وسلم علی جمیع الخلائق، حدیث: رقم ۵۹۴۰، ترمذی، کتاب الدعوات، باب سلو اللہ لی الوسیلة: رقم ۳۶۱۵، ابوداؤد، کتاب السنة، باب فی التخییر بین الانبیاء علیهم الصلاة والسلام: ۴ / ۲۱۸، مسند احمد، کتاب الزکاة، باب الثانی فی السخا او الصدقة، فصل فی انواع الصدقة: ۲ / ۵۴۰، ۲ / ۲، مسند ابی یعلی موصلی، حدیث عبداللہ ابن سلام: ۶ / ۴۸۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کی پہلی دلیل:

تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عالم ارواح میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کا پختہ عہد لیا گیا تھا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ، ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ، لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ، قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ، قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا، قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ، فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ، فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾(۱)

''(اور اے محمد! آپ اس وقت کو یاد کیجئے) جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ پختہ عہد لیا کہ میں جب تم کو کتاب وحکمت دے دوں، پھر تم لوگوں کے پاس ایک عظیم رسول آئے جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہو تو تم اس پر ضرور بالضرور ایمان لانا اور ضرور بالضرور اس کی نصرت اور مدد کرنا۔ فرمایا: کیا تم نے اقرار کرلیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کرلیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اقرار کرلیا فرمایا: تم اس عہد پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پھر جو شخص اس کے بعد عہد سے پھر گیا وہ لوگ فاسق ہوں گے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف اس امت کے نبی ہیں بلکہ تمام نبیوں اور رسولوں کے بھی نبی ہیں۔ ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیقاً امت ہیں جب کہ تمام انبیاء ورسل آپ کی تقدیراً امت ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور ان کے بعد ہر نبی سے جس کو اس دنیا میں بھیجا گیا، اس سے یہ عہد لیا گیا کہ اگر اس کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو وہ ضرور اس پر ایمان لائے گا۔ اور سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

۱۔ آل عمران: ۸۱۔۸۲

فرمایا: ''خدا کی قسم! اگر آج تمہارے سامنے موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری پیروی کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اسی وجہ سے عرفاء نے یہ کہا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ ہی نبی مطلق، رسول حقیقی اور مستقل شارع ہیں اور آپ کے علاوہ باقی تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے تابع ہیں۔'' (۱)

رسول اللہ ﷺ کی افضلیت کی دوسری دلیل:

دوسری دلیل آپ ﷺ کے افضل النبیین ہونے کی یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفات کے جامع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (۲)

''یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے، پس آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔''

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمدؐ! ان نبیوں اور رسولوں نے جو عمل کیا ہے آپ اس کے مطابق عمل کریں اور ہماری دی ہوئی ہدایت اور توفیق کے مطابق جس طرح انہوں نے زندگی گزاری ہے آپ بھی اپنی زندگی اسی طرح گزاریں اور ان تمام انبیاء و رسل کے جس قدر محاسن اور خوبیاں ہیں آپ وہ سب اپنے اندر جمع کرلیں۔ اس آیت میں سرکار دو عالم ﷺ کی عظیم منقبت بیان کی گئی ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں میں جو کمالات اور خوبیاں الگ الگ طور پر پائی جاتی تھیں وہ سب کمالات اور خوبیاں آپ کی ذات میں جمع ہوگئی ہیں، جیسا کہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا۔

﴿بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ﴾

''میں صرف مکارم اخلاق کو پورا کرنے کے لیے مبعوث

۱۔ تفسیر روح المعانی: ۳/ ۲۰۹

۲۔ انعام: ۹۰

کیا گیا ہوں۔"(۱)

علمائے اسلام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں، اور اس کی تقریر یہ ہے کہ جو جو اوصاف و کمالات دوسرے تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے، وہ سارے کمالات آپ کی ذات ستودہ صفات میں جمع کر دیئے گئے

حسن یوسف، دم عیسٰی، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں مختلف انبیاء علیہم السلام کی صفات کمال ذکر کر کے لکھا کہ "ہر نبی میں شرف اور فضیلت کی کوئی نہ کوئی صفت غالب تھی۔ پھر حق تعالیٰ شانہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وہ ان تمام انبیاء کی اتباع کریں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا کہ عبودیت اور اطاعت کی کل صفات جو ان تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق پائی جاتی ہیں آپ تنہا ان صفات سے متصف ہو جائیں اور خصائل رفیعہ اور شمائل جمیلہ کو اپنی ذات میں جمع کر لیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا تو یہ محال ہے کہ آپ ان صفات کمال کے حصول میں کوئی کوتاہی کریں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ شرف اور فضیلت کی یہ تمام صفات آپ کی ذات میں جمع ہو گئیں اور جو کمالات تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں متفرق تھے وہ سب آپ کی ذات ستودہ صفات میں جمع ہو گئے۔ لہٰذا یہ کہنا واجب ہے کہ ہمارے نبی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں۔"(۲)

امام رازیؒ کی اس بات سے پتہ چلا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں جو

۱۔ شفاء: ۱/۲۰۷ و مؤطا: ص ۹۰۴، معجم اوسط، طبرانی، محمد بن عبداللہ بن عون النسائی عن جابر ابن عبداللہ: رقم ۶۸۹۱ (علامہ ہیثمی نے کہا کہ بزار کی سند صحیح ہے) مجمع الزوائد، باب فی حسن خلقه وحیاته و حسن معاشرته: ۹ / ۱۵

۲۔ تفسیر کبیر: ۵ / ۵۷

اوصاف اجتماعی طور پر پائے جاتے تھے وہ تمام اوصاف و کمالات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی میں انفرادی طور پر پائے جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات کو پھیلائیں تو ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں، اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کو سمیٹیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات قدسی صفات ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کی تیسری دلیل:

آپ کی افضلیت کی تیسری دلیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعت ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (۱)

''اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کیا۔''

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر وقت ہر مقام پر جہاں بھی اللہ کا نام بلند ہوتا ہے وہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بھی بلند کیا جا رہا ہے۔ کلمہ ہو، اذان ہو یا نماز ہر ایک چیز میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی سربلندی بھی ہو رہی ہے۔ اور جس طرح اذان میں، کلمہ شہادت میں، تشہد میں اور دوسرے کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام رکھا اور کسی پیغمبر کا نام نہیں رکھا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا گیا۔ آپ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو نساء: ۸۰، فتح: ۱۰) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کو اپنی عزت کے ساتھ مقرون کیا (منافقون: ۸) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کو اپنی رضا کے ساتھ ملایا اور مقرون فرمایا۔ (توبہ: ۶۲) آپ کی اجابت کو اپنی اجابت کے ساتھ مقرون فرمایا۔ (انفال: ۲۴) پھر آپ کے ذکر کی بلندی کا اندازہ اس سے بھی لگا لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عزت اور سربلندی کے مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ کیا۔ فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَ مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ (۲)

۱۔ انشراح: ۴

۲۔ احزاب: ۵۶

اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم پر صلوٰۃ پڑھتے (یعنی رحمت بھیجتے) رہتے ہیں گویا کوئی لحہ ایسا نہیں گزرتا جب آپ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے صلوٰۃ وسلام نہ پڑھتے رہتے ہوں۔ یہ کسی اور نبی کے بارے میں نہیں کہا گیا۔ سیدنا یحیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام پر یوم ولادت، یوم وفات اور یوم بعثت پر صرف تین بار اللہ نے سلام نازل کرنے کا قرآن حکیم میں ذکر کیا ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زمان ومکان کی کوئی قید نہ رکھی۔ ہر قسم کی قید کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ نازل کرنے کا ذکر فرمایا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

"یعنی پیغمبروں اور فرشتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بلند ہے۔ دنیا میں تمام سمجھ دار انسان نہایت عزت و وقعت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں۔ اذان، اقامت، خطبہ، کلمہ طیبہ اور التحیات وغیرہ میں اللہ کے نام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیا جاتا ہے اور خدا نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں ساتھ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمان برداری کی تاکید کی ہے۔"(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کی چوتھی دلیل:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل ہونے کی چوتھی دلیل اور وجہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (۲)

"اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

اس آیت کریمہ کی روشنی میں رحمت کے کئی درجات ہیں جو کائنات کی تخلیق اور اس کی نشو ونما میں کارفرما ہیں۔ کسی بھی شئے کے لیے سب سے پہلی رحمت یہ ہے کہ وہ عدم سے وجود میں لائی جائے۔ پھر جس طرح اس کا وجود میں آنا رحمت اسی طرح اس

۱۔ فوائد عثمانی: ص ۵۹۷

۲۔ انبیاء: ۱۰۷

کے وجود کا باقی رہنا اور بتدریج درجہ کمال تک پہنچنا بھی رحمت ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام کائنات اپنے وجود میں سرکار دو عالم ﷺ کی محتاج ہے کیونکہ یہ ایک فطری قانون ہے کہ محتاج شی محتاج الیہ کے بعد آتی ہے۔ جیسے ہماری زندگی ہوا اور پانی کی محتاج ہے، لہٰذا للہ تعالیٰ نے ہوا اور پانی کو انسان کی پیدائش سے پہلے پیدا کیا۔ مختصر یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنایا تو اس کا تقاضا ہے کہ آپ تمام جہانوں سے افضل وارفع ہوں کیونکہ ہر شخص کو حصول رحمت کے لیے آپ کی حاجت ہے۔

اس بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے فرمایا:

''یعنی آپ تو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اگر کوئی بدبخت اس رحمت عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے۔ آفتاب عالم تاب سے روشنی اور گرمی کا فیض ہر طرف پہنچتا ہے لیکن کوئی شخص اگر اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی، آفتاب کے عموم فیض میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ اور یہاں تو رحمۃ للعالمین کا حلقۂ فیض اس قدر وسیع ہے کہ جو محروم القسمت مستفید ہونا نہ چاہے اس کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں بے اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں علوم نبوت اور تہذیب و انسانیت کے اصول کی عام اشاعت سے ہر مسلم و کافر اپنے اپنے مذاق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے کہ پہلی امتوں کے بخلاف اس امت کے کافروں کو عام اور مستاصل عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کے عام اخلاق کے علاوہ جن کافروں پر آپ جہاد کرتے تھے وہ بھی مجموعہ عالم کے لیے سراپا رحمت تھا کیونکہ اس کے ذریعہ سے اس رحمت کبریٰ کی حفاظت ہوتی تھی جس کے لیے آپ حامل بن کر آئے تھے، اور بہت سے

اندھے جو آنکھیں بنوانے سے بھاگتے ہیں اس سلسلہ میں ان کی آنکھوں میں بھی خواہ مخواہ ایمان کی روشنی پہنچ جاتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

﴿وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَا قُتُلَنَّهُمْ، وَلَا صَلِبَنَّهُمْ، وَلَا هَدَيْنَهُمْ وَهُمْ كَارِهُوْنَ اِلٰى رَحْمَةٍ بَعَثَنِىَ اللّٰهُ، وَلَا يَتَوَفَّانِي حَتّٰى يُظْهِرَ اللّٰهُ دِيْنَهٗ﴾ (١)

ان الفاظ سے آپ کے ''رحمت للعالمین'' ہونے کا مطلب زیادہ وسعت کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔'' (٢)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کی پانچویں دلیل:

پانچویں دلیل اور وجہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل النبیین ہونے کی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت نہ صرف کسی خاص قوم، خاص ملک اور خاص وقت کے لیے بلکہ ہے ساری دنیا کے لوگوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (٣)

''اور ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام انسانوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِيَکُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ (٤)

''(وہ اللہ) بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندے

١۔ ابن کثیر

٢۔ فوائد عثمانی: ص ٤٤١

٣۔ سباء: ٢٨

٤۔ الفرقان: ١

پر (حق و باطل میں فرق اور) فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی
تا کہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو جائے۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی اپنے بارے میں فرمایا:

﴿أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً﴾ (۱)

''مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

مسلم ہی کی ایک اور روایت میں فرمایا کہ ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا۔

﴿وَبُعِثْتُ إِلَى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ﴾

''اور میں ہر سرخ و سیاہ یعنی تمام انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔'' (۲)

بخاری کی ایک روایت میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً﴾

''ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا جب کہ میں عامۃ

۱۔ مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، مطبوعہ بیروت لبنان: ۱ / ۳۷۱، مسند احمد، کتاب الحدود باب فی انوع الحدود، فصل فی الزنا ومایتعلق به: ۲ / ۴۱۲، ابن حبان: ۶ / ۸۷

۲۔ مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، مطبوعہ بیروت، لبنان: ۱ / ۳۷۱، مسند احمد، کتاب الاخلاق، باب الاخلاق والافعال، فصل ثانی: ۱ / ۲۵۰، سنن کبریٰ بیهقی، کتاب قسم الفیئ والغنیمة، باب بیان مصرف الغنیمة فی الامم الخالیه الی ان احلها الله تعالیٰ لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ولامته: ۶ / ۲۹۱، شعب الایمان بیهقی، باب فی حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فصل فی براته صلی اللہ علیہ وسلم فی النبوة: ۲ / ۱۷۷، فتح الباری، کتاب التیمم: ۱/ ۴۳۹، مسند بزار: ۹ / ۴۶۱، مجمع الزوائد، کتاب علامات النبوة، باب عموم بعثته: ۸/ ۲۵۹

الناس یعنی تمام انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا۔‘‘(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کی چھٹی دلیل:

چھٹی وجہ آپ کے تمام انبیاء سے افضل ہونے کی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو دین دیا گیا وہ تمام ادیان کا ناسخ ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾(۲)

’’اور جس شخص نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔‘‘

دین اسلام جو سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا اس کی تکمیل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کی گئی، اور دین اسلام کو اپنی نعمت تامہ قرار دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾(۳)

’’آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور اسلام کو بطور دین تمہارے لیے پسند کر لیا۔‘‘

حدیث میں ہے کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اب نبوت محمدی کا زمانہ ہے اور شریعت محمدی نے تمام سابقہ شریعتیں منسوخ کر دی ہیں اور حکم دیا:

۱۔ تمهيد شرح مؤطا امام مالک، حديث جابر ابو عبدالله: ۵/۲۲۲، مسند احمد، كتاب الصلاة، باب صلاة النوافل، فصل فى السنن والنوافل الراتبة الفرع فى قيام الليل وما يتعلق به: ۳/۳۰۴، سنن كبرىٰ بيهقى، كتاب الطهارة، باب التيمم بالصعيد الطيب: ۱/۲۱۲، سنن دارمى: ۱/۳۷۴، ابن حبان: ۱۴/۳۰۸

۲۔ آل عمران: ۸۵

۳۔ مائده: ۳

﴿وَآمِنُوا بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ﴾ (۱)

''اور (اس کتاب پر) ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی ہے اور یہ
تصدیق کرنے والی ہے (اس کی) جو تمہارے پاس ہے۔''

اور تصدیق وہی کرتا ہے جس کو پہلے اس شَے کا علم ہو۔ معلوم ہوا کہ جو کچھ پہلی کتابوں میں تھا اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ قرآن حکیم میں موجود ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو یہ حکم دیا کہ اب تمہاری شریعتوں کا زمانہ ختم ہو گیا، وہ ایک خاص وقت کے لیے تھیں۔ اب زمانہ شریعت محمدی اور قرآن حکیم کا ہے۔ یہی اب قیامت تک کے لیے پوری انسانیت کی راہ نمائی کرے گا، لہٰذا اس پر ایمان لاؤ۔ گویا بقول اقبالؒ ؎

نوع انساں را پیام آخریں
حامل او رحمۃ للعالمین

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا دین سب ادیان سے افضل ہے اسی لیے اس نے دوسرے تمام ادیان اور شرائع کو منسوخ کر دیا ہے کیونکہ افضل کی موجودگی میں مفضول کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ جب آپ کا دین دوسرے تمام ادیان سے افضل ہے تو آپ بھی تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کی ساتویں دلیل:

آپ کے افضل النبیین ہونے کی ساتویں وجہ یہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں، کیونکہ آخر میں وہی آتا ہے جو سب سے افضل و ارفع ہوتا ہے، اس مسئلہ کو ایک عام فہم مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ ایک آم کا درخت لگاتے ہیں۔ اس کے لیے سب سے پہلے ایک آم کو زمین میں دبایا جاتا ہے۔ زمین کی حرارت اور نمی سے اس گٹھلی سے کونپل پھوٹتی ہے اور وہ سینہ زمین کو چیرتی ہوئی باہر نکلتی ہے اور پھر بڑھتی بڑھتی ایک پورے درخت کا روپ دھار لیتی ہے۔ جب وہ درخت اپنے شباب پر پہنچتا ہے تو پھر اس

۱۔ بقرہ: ۴۱

پر وہی آم لگتا ہے جو سب سے پہلے زمین میں دبایا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ جو سب سے پہلے ہوتا ہے وہی سب سے آخر بھی ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے ختم نبوت کے عنوان کے تحت دی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کی آٹھویں دلیل:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل النبیین ہونے کی آٹھویں وجہ آپ کا مقام محمود پر فائز ہونا ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کے روز مقام محمود پر فائز فرمائیں گے۔ حق تعالیٰ نے اس کا آپ سے وعدہ فرمایا ہے۔

﴿عَسیٰ اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (۱)

''عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔''

مقام محمود وہ مقام شفاعت عظمیٰ ہے جہاں تمام انبیاء و رسل اور اولین و آخرین آپ کی طرف رجوع کریں گے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز لوگ مارے مارے پھر رہے ہوں گے اور اس روز ہر امتی کو اپنے نبی کی تلاش ہوگی۔ وہ یہ کہہ رہے ہوں گے: اے فلاں! ہماری شفاعت کیجیے، اے فلاں! ہماری شفاعت کیجیے۔

﴿حَتّٰی تَنْتَهِي الشَّفَاعَةُ اِلَی النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَذَالِکَ یَوْمٌ یَبْعَثُهُ اللّٰهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ﴾

''حتی کہ شفاعت کی انتہاء پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوگی، پس وہ دن ہے جس دن حق تعالیٰ شانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام محمود پر فائز فرمائیں گے۔'' (۲)

۱۔ اسراء: ۷۹

۲۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله تعالیٰ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً: رقم الحدیث: ۴۷۱۸، نسائی، کتاب التفسیر، باب نمبر ۲۱۳، قوله تعالیٰ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً: ۶ / ۳۸۱، تفسیر ابن کثیر: ۳ / ۵۶

اس سلسلہ میں سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. وَسُئِلَ عَنْهَا، قَالَ: هِيَ الشَّفَاعَةُ﴾

''عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ وہ مقام محمود کیا ہے؟) فرمایا یہ (مقام) شفاعت ہے۔'' (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کی نویں دلیل:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب انبیاء علیہم السلام سے افضل ہونے کی نویں وجہ آپ کا مقام رضا جوئی ہے۔ جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ (۲)

''اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔''

اس رضا جوئی کے بارے میں اور بھی کئی آیات ہیں۔ (۳)

انبیاء اور رسل میں سے یہ مقام صرف اور صرف آپ کو حاصل ہوا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ دنیا اور آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کا طالب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کی دسویں دلیل:

دسویں وجہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام انبیاء و رسل سے افضل وارفع ہونے کی یہ

۱۔ ترمذی، ابواب تفسیر القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ومن سورة بنى اسرائيل (التحفة ۱۸): رقم الحديث: ۳۱۳۷، مسند احمد، كتاب الحدود، باب فى احكام الحدود وآدابها ومحظوراتها، الفصل فى محظورات الحدود: ۲ / ۴۴۴

۲۔ ضحیٰ: ۵

۳۔ ملاحظہ ہو بقرہ: ۱۴۴، طٰہٰ: ۱۳۰

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزات کی کثرت عطا فرمائی۔ صرف ایک قرآن حکیم کو لے لیں جو آپ کا ایک علمی معجزہ ہے۔ اس طرح کا علمی معجزہ کسی اور نبی کو نہیں ملا۔ پھر قرآن حکیم کی چھ ہزار سے زائد آیات ہیں اور ہر آیت اپنی جگہ پر ایک مستقل معجزہ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب صحابہ کرامؓ تھے اور ہر صحابی اپنی جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ تھا۔ اس کے علاوہ بے شمار عملی معجزات آپ کو عطا فرمائے گئے جن کا ذکر احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

امام بیہقیؒ اور امام سیوطیؒ نے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات پر کتابیں لکھی ہیں جن کا نام ''دلائل النبوت'' ہے۔ امام سیوطیؒ اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

﴿اِنَّهُ اَكْثَرُ الْاَنْبِيَاءِ مُعْجِزَاتٌ، فَقَدْ قِيلَ اَنّهَا تَبْلُغُ اَلْفًا وَقِيلَ ثَلَاثَةُ آلَافٍ﴾ (۱)

''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات سے زیادہ ہیں۔ ایک قول کے مطابق ایک ہزار اور دوسرے قول کے مطابق تین ہزار ہیں۔''

امام بیہقیؒ نے بعض علماء کے حوالہ سے ان معجزات کی تعداد ایک ہزار بتائی ہے۔ (۲)

امام سیوطیؒ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کی جامعیت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات میں تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کے معجزات اور فضائل کو یک جا کر دیا گیا ہے، اور یہ خصوصیت کسی اور نبی کو نہیں دی گئی بلکہ ہر نبی کو مخصوص قسم کے معجزات عطا فرمائے ہیں۔ اور ابن عبدالسلام نے پتھروں کا سلام کرنا، کھجور کے تنے کا رونا جیسے معجزات کو آپ کے خصائص میں سے شمار کیا ہے،

۱۔ خصائص کبریٰ، باب اختص بان معجزاته مستمرةً الی یوم القیامیه......الخ: ۲ / ۱۸۶

۲۔ دلائل النبوة: ۱ / ۱۰

اور اسی طرح آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے کا پھوٹنا، اور چاند کے دو ٹکڑے ہونا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے شمار کیا گیا ہے، اور دوسرے علماء نے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔'' (۱)

حق تعالیٰ شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے بلند و عالی مرتبہ پر فائز کیا اور تمام انسانوں میں منتخب اور اپنا محبوب بنایا۔ آپ تمام مخلوق کے امام اور ان کے سردار تھے۔ ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء واثلہ بن الاسقعؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا:

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل میں سے کنانہ اور کنانہ میں سے قریش اور قریش میں سے بنو ہاشم اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔ (۲)

مطلب بن ابی وداعہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جب تمام مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ مجھے ان میں سے بہتر گروہ میں رکھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جب انسانوں کو قبائل میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہتر قبیلہ میں رکھا۔''

﴿ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوتاً فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ بَيْتاً وَخَيْرِهِمْ نَفْساً﴾ (۳)

''پھر انہیں جب خاندانوں میں تقسیم فرمایا تو مجھے ان میں سے بہترین خاندان میں رکھا۔''

سیدنا ابوبکر صدیقؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ خصائص کبریٰ، سیوطی: ۲/ ۱۸۷

۲۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتسلیم الحجر علیه قبل النبوة، رقم الحديث: ۵۹۳۸

۳۔ ترمذی، ابواب المناقب، ۲/ ۶۷۹

﴿اَیْ رَبِّ خَلَقْتَنِي سَيِّدَ وَلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ﴾(۱)

آپ اولاد آدم کے سردار اور مخلوق میں سب سے افضل وارفع ہیں۔ اولین و آخرین آپ کی حمد وتعریف کریں گے۔ قیامت کے روز سیدنا آدم اور دوسری تمام مخلوق آپ کے جھنڈے تلے ہو گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل تو اس قدر ہیں جنہیں شمار کرنا کسی کے بس کی بات نہیں، ہم نے چند بطور مثال ذکر کیے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّهُ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

۱۔ رواہ احمد و ابو یعلی والبزار ورجالہ ثقات، مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۵

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی نبوت کا قیامت تک کے لیے ہونا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کا ہر نبی کسی خاص قوم، قبیلے اور شہر و ملک کے لیے مبعوث ہوا لیکن آپ تمام انس و جن کے لیے اور قیامت تک کے لیے مبعوث ہوئے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّةً﴾ (١)

''میں سب لوگوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔''

جس طرح آپ تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے اسی طرح آپ کی شریعت بھی تمام انسانوں کے لیے ہے خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں بستے ہوں یا کسی قومیت سے ان کا تعلق ہو۔ اور نہ صرف انسانوں کے لیے آپ کی شریعت ہے بلکہ جنات بھی اس بات کے مکلّف (Bound) ہیں کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی شریعت پر عمل کریں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ جب جنات نے قرآن حکیم کو سنا تو کہا:

﴿یَاقَوْمَنَا! اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ آمِنُوْا بِهٖ﴾ (٢)

''اے ہماری قوم! اللہ کے داعی کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔''

جس طرح آپ کی شریعت سب کے لیے عام ہے اسی طرح آپ کی رحمت بھی سب کے لیے عام ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

١۔ مشکواۃ، کتاب الرؤیا، باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، ص ٥١٢، مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب فضائل سید المرسلین، ١/ ١٩٩

٢۔ الاحقاف: ٣١

﴿وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ﴾(۱)

''اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔''

لہٰذا جو شخص آپ کی رحمت سے مستفید نہیں ہوتا اس میں آپ کی رحمت کا کوئی قصور نہیں بلکہ جہت قابل کا قصور ہے جیسے نور کی روشنی کی شعائیں تو ہر ایک تک پہنچتی ہیں لیکن اگر دیکھنے والے میں قوت بینائی ہی نہیں تو اس کے نہ دیکھنے میں اس کا اپنا قصور ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

﴿کَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلیٰ قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَ بُعِثْتُ اِلیٰ کُلِّ اَحْمَرَ وَ اَسْوَدَ﴾

''ہر نبی خاص اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوا لیکن میں ہر گورے اور کالے کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔''

بعض محدثین نے گورے سے مراد عجمی یا انسان اور کالے سے عرب یا جن مراد لیے ہیں۔(۲)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

۱۔ الانبیاء: ۱۰۷

۲۔ زرقانی: ۷/ ۲۲۴

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو پورے قرآن میں ''یا محمد'' نہیں کہا گیا

قرآن حکیم میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نام لے کر بلایا گیا جیسے آدم علیہ السلام کو ''یا آدم'' نوح علیہ السلام کو ''یا نوح'' ابراہیم علیہ السلام کو ''یا ابراہیم'' موسیٰ علیہ السلام کو ''یا موسیٰ'' اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ''یا عیسیٰ'' کہہ کر پکارا گیا' لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پورے قرآن حکیم میں ''یَامُحَمَّدُ'' کہہ کر نہیں پکارا گیا بلکہ ''یَاَیُّھَا النَّبِیُّ'' اور ''یَاَیُّھَا الرَّسُوْلُ'' کے الفاظ سے یاد کیا گیا۔ پھر کہیں نبی اور رسول کے بجائے ''یاایھا المزمل'' اور ''یَاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ'' وغیرہ صفات سے آپ کو پکارا گیا۔

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلھم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو جبرئیل کا تین بار دبوچنا

آپ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے جو کسی اور نبی اور رسول کو حاصل نہیں کہ آپ کو ابتداء وحی میں جبرئیل امین نے تین دفعہ دبایا۔ علامہ زرقانیؒ نے حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ چیز کسی اور نبی کے بارے میں منقول نہیں ہے۔ (۱)

چنانچہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ہے کہ حسب معمول آپ ایک روز غار حراء میں تشریف فرما تھے کہ دفعتاً ایک فرشتہ غار کے اندر آیا اور آپ کو سلام کہا۔ (۲)

اور پھر کہا اقراء یعنی پڑھیے۔ آپ نے فرمایا: مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ یعنی میں پڑھ نہیں سکتا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس پر فرشتہ نے پکڑ کر مجھے اس شدت سے دبایا کہ میری مشقت کی کوئی انتہاء نہ رہی اور اس کے بعد اس نے چھوڑ دیا اور پھر کہا اقرأ۔ میں نے پھر وہی جواب دیا یعنی مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ ۔ فرشتہ نے پھر مجھ کو اس شدت کے ساتھ دبایا اور پھر چھوڑ دیا' اور کہا اقرأ میں نے پھر وہی جواب دیا۔ فرشتہ نے پھر تیسری بار مجھ کو پکڑا اور اسی شدت کے ساتھ دبایا اور پھر کہا کہ اقراء پڑھو۔ (۳)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ما انا بقاری کے بظاہر معنی یہ ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں یعنی امی ہوں' لیکن زبان سے پڑھنا (قرأت) امیت کے منافی نہیں۔ ایک

۱۔ زرقانی شرح مواہب : ۱۹۱۱/۸

۲۔ زرقانی: ۲۱۱/۱

۳۔ زرقانی : ۲۰۷/۱، عیون الاثر : ۱/، بخاری، کتاب التفسیر، باب ماودعک ربک وماقلیٰ، باب بدء الوحی وغیرہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہوتے۔ اس صورت میں اس فقرے کے یہ معنی ہوں گے کہ میں وحی کی ہیبت اور دہشت کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتا۔ رویت ملک Sight of Angel اور مشاہدہ نور ربانی کی وجہ سے قلب پر اس قدر دہشت و ہیبت طاری ہے کہ زبان ساتھ نہیں دیتی میں کس طرح پڑھوں۔ چنانچہ ایک روایت میں مروی ہے کہ "کیف اقرأ" (۲)

حافظ سہیلی نے الروض الانف میں محمد بن اسحاق کی روایت میں "ما انا بقارئ" کی جگہ "ما اقرأ" کا لفظ وارد ہے۔ اس "ما" میں دو احتمال ہیں۔ ایک "استفہام" کا کہ "کیا پڑھوں" اور دوسرا "نفی" کا یعنی "میں پڑھ نہیں سکتا" (۳)

۱۔ زرقانی: ۱/۲۱۸

۲۔ تیسیر القاری: ۱/۸

۳۔ الروض الانف: ۱/۵۵

جبریل علیہ السلام کے دبانے کی حکمتیں:

یہ جو جبرئیل امین نے آپ کو تین دفعہ دبایا، علماء نے اس کی کئی حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ:

۱۔ ایک حکمت یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ دنیا کے خیالات سے یک قلم خالی ہو جائیں۔ ادھر سے آپ کا قلب پھر جائے۔(۱)

۲۔ دوسری حکمت یہ معلوم کرنا تھا کہ آیا دبانے کے بعد آپ اپنی طرف سے کچھ پڑھتے ہیں یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں پڑھ سکتے، تو آپ لائق اعتماد ہیں۔ اگرچہ ہر بات عند اللہ معلوم تھی، لیکن سرکار دو عالم ﷺ کو دبا کر خود آپ کو دکھا دیا گیا کہ آپ قابل اعتماد ہیں، اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔(۲)

۳۔ ایک حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ کو اس بات پر تنبیہ کرنا تھی کہ آپ اگر خود قرأت کرنا چاہیں تو یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ اللہ ہی کے کرم اور فضل سے قرأت پر آپ کو قدرت ہو سکتی ہے۔(۳)

۴۔ علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری جلد ا ص ۶۳ میں لکھا ہے کہ پہلی مرتبہ دبانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا خیال تمام امور دنیویہ سے منقطع اور فارغ ہو جائے، اور وہ وحی جو آپ کی طرف القاء کی جا رہی ہے اس کی طرف آپ کو توجہ تام ہو جائے دوسری اور تیسری دفعہ دبانے میں اسی کی تاکید اور مبالغہ مقصود تھا۔

۵۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ذہانت وفراست سے پہلے ہی روز یہ سمجھ گئے تھے کہ میرے اوپر کتنی بڑی ذمہ داری ڈالی جا رہی ہے، اس لیے آپ نے "ما انا بقاری" فرمایا یعنی اس ذمہ داری کو سنبھالنا مجھ جیسے

۱۔ کتاب التفسیر، باب اقراء وربک الاکرم: ۸/ ۷۱۸

۲۔ نفس المصدر

۳۔ فتح الباری، کتاب التفسیر، باب اقراء باسم ربک الذی خلق، ۸/ ۷۱۸

کمزور انسان کے لیے نہایت مشکل ہے تو جبرئیل نے آپ کو دبایا۔ ایک مرتبہ، پھر دوسری مرتبہ اور پھر تیسری مرتبہ آپ کو دبایا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر اس بوجھ کو برداشت کرنے اور اسے اٹھانے کی پوری پوری صلاحیت رکھی ہے۔ چنانچہ جبرئیل امین کے تین دفعہ دبانے کے بعد آپ کو احساس ہوا اور آپ نے وہ آیات تلاوت کر لیں جو کہلوائی جا رہی تھیں۔ (۱)

۶۔ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی اس بارے میں ایسا ہی کہا ہے، لیکن انہوں نے اس پر کچھ یوں اضافہ فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں عبدیت اعلیٰ درجہ کی تھی اور فنائیت کے اعلیٰ ترین درجہ پر آپ فائز تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صلاحیت ولیاقت اور کمالات کی طرف بالکل التفات نہیں تھا۔ سیدنا جبرئیل نے آپ کو بار بار دبا کر آپ کے خیالات کو مجتمع کر کے اس مقام عبدیت سے آگے لے جانے کی کوشش کی ہے تا کہ آپ کو اپنی صلاحیت اور قابلیت کا اندازہ ہو اور ذمہ داری کو باحسن طریق اٹھا سکیں۔ (۲)

۷۔ بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ جبرئیل نے پہلی مرتبہ اس لیے دبایا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناسوت (Physical Universe) سے نکل جائیں، اور دوسری مرتبہ اس لیے دبایا تا کہ آپؐ عالم ملکوت (World of Angels) میں داخل ہو جائیں اور آپ میں ملکوتی صفات پیدا ہو جائیں اور تیسری مرتبہ اس لیے دبایا تا کہ آپ کو ذات وصفات تک حضوری حاصل ہو جائے، اور نسبت حضوری اور معیت مع اللہ ہمیشہ کے لیے حاصل ہو جائے۔

۸۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ نے لکھا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ توجہ کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ ایضاً، البخاری، کتاب التفسیر، باب ما ودعک ربک وما قلیٰ ۲/ ۷۳۹

۲۔ نفس المصدر

۱- توجہ انعکاسی (Reflective Attention): پہلی قسم توجہ انعکاسی ہے جو سب سے کمزور اور ضعیف ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شیخ کے پاس بیٹھنے سے شیخ کا عکس مرید کے قلب پر پڑتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کے اندر اشیاء منعکس ہونے لگتی ہیں اور اس کے دل کے اندر اثر پڑتا ہے۔ یہ نسبت سب سے ادنیٰ اور کمزور ہے کیونکہ یہ صرف اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک مرید شیخ کی مجلس میں رہے۔ اور جب وہ شیخ کے سامنے سے چلا جائے گا تو یہ نسبت بھی ختم ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ یہ نسبت پختہ نہیں ہوتی۔ اس نسبت کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے کوئی کسی عطر فروش کے پاس رہتا ہو تو جب تک وہ اس کے پاس رہے اس کا دماغ عطر سے معطر ہوتا رہے گا اور جب وہاں سے اٹھے گا تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوگا۔

۲- توجہ القائی (Inspiratory Attention): اس توجہ میں شیخ اپنی نسبت کو مرید کی طرف القا کرتا ہے اور اپنے انوار باطنیہ اور قوت روحانیہ سے یہ معلوم کر لیتا ہے کہ اب مرید میں کچھ صلاحیت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ توجہ انعکاسی سے قوی ہے، لیکن پھر بھی کمزور اور ضعیف ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے چراغ کہ جب تک اس میں تیل رہے گا اور سخت ہوا سے محفوظ رہے گا، جلتا رہے گا ورنہ بجھ جائے گا۔ اسی طرح شیخ اپنے قلب سے انوار کا تیل اس کے قلب کے چراغ میں ڈالتا ہے اور اپنی قوت نورانیہ سے اس کو روشن کر دیتا ہے۔ اب یہ مرید کا کام ہے کہ اس کی حفاظت کرے اور معاصی کی ہوا سے اس کی حفاظت کرے۔

۳- توجہ اصلاحی (Reformatory attention): تیسری قسم توجہ اصلاحی یا نسبت اصلاحی کہلاتی ہے۔ یہ توجہ پہلی دونوں نسبتوں سے قوی تر ہے۔ اس میں مرید اپنے قلب کو مجاہدات اور ریاضات کے ذریعے بالکل صاف کر دیتا ہے اور شیخ کی توجہ ڈالنے پر اس کے انوار پوری طرح قبول کر لیتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص نہایت محنت کے بعد نہر کھودے اور اس کو بالکل صاف کرے اور پھر اس کا دہانہ کسی دریا سے ملا دے جس کی وجہ سے اس کی نہر میں بھی پانی آ جائے۔ اور اگر اس نہر میں خس و خاشاک اور مٹی وغیرہ آئے گی تو پانی کے دباؤ سے خود بخود بہتی چلی جائے گی۔

۴- توجہ اتحادی (Unifying Attention): چوتھی توجہ اتحادی یا نسبت اتحادی ہے کہ شیخ کے ساتھ نسبت اتنی متحد ہو جائے کہ جو اس کے قلب میں آئے وہی مرید کے قلب میں بھی آئے۔ اس کی مثال میں شاہ صاحبؒ نے حضرت خواجہ باقی باللہ اور ایک باورچی کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت باقی باللہ کے ہاں کچھ مہمان آئے ۔حضرت خواجہ صاحبؒ کے ہاں تو فاقہ تھا لہٰذا ان کو مہمانوں کی مہمان نوازی کی فکر ہوئی۔ اس باورچی کو جب خواجہ صاحبؒ کے ہاں ان مہمانوں کی آمد کا علم ہوا تو وہ ایک بڑا سا خوان کھانے کا لایا۔ اس خوان کو دیکھ کر خواجہ صاحبؒ بہت خوش ہوئے اور باورچی سے فرمایا: ''مانگ کیا مانگتا ہے؟'' اس نے کہا: ''مجھے اپنے جیسا بنا دیں۔'' حضرت ایک دم ٹھٹک گئے اور فرمایا: ''کچھ اور مانگ لے۔'' لیکن وہ نہ مانا۔ حضرتؒ نے دوبارہ اصرار کیا لیکن وہ پھر بھی نہ مانا۔ جب اس کا اصرار بڑھ گیا تو حضرت اس کو اپنے حجرے میں لے گئے۔ اب حضرتؒ نے اس کو حجرے میں لے جا کر شاید دبوچا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دونوں حضرات باہر نکلے تو ان دونوں کی صورت تک ایک ہو چکی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت کے تو ہوش وحواس قائم تھے لیکن وہ مدہوش تھا اور تین روز بعد انتقال کر گیا۔

بہر حال شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل نے جو تین مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھینچا تھا وہ اسی نسبت اتحادی کے پیدا کرنے کے لیے کیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ جبرئیل امین نے جو تین دفعہ آپ کو اپنے سینہ کے ساتھ لگا کر دبایا' یہ دبانا بھی صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ سے قبل جتنے بھی انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں' ان کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے کثرت معجزات

آپ ﷺ کو دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ معجزات دیے گئے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن حکیم کے سوا وہ معجزات تین ہزار تھے۔ اور خود قرآن حکیم میں قریباً ساٹھ ہزار معجزات ہیں۔ (۱)

قاضی عیاضؒ نے شفا میں لکھا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو کثرت معجزات کی وجہ سے بھی دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت (Excellence) حاصل ہے کیونکہ جس قدر آپ کو معجزات عطا فرمائے گئے اتنے معجزات کسی اور نبی کو نہیں دیے گئے۔ خود قرآن حکیم کا ایک ایک حرف معجزہ ہے۔ آپ کا ایک ایک صحابی اپنے اندر معجزانہ شان لیے ہوئے ہے۔ اور وہ دنیا میں آپ کا ایک معجزہ ہے۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں بتایا گیا ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کلام الٰہی لینے کے لیے کوہ طور پر جانا پڑا، اس کے برعکس سرکار دو عالم ﷺ کو قرآن حکیم لینے کے لیے کہیں نہیں جانا پڑا بلکہ آپ جہاں ہوتے کلام الٰہی وہیں نازل ہو جاتا تھا حتیٰ کے بعض مرتبہ سیدہ عائشہؓ کے بستر پر نازل ہوا۔ پھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ انہوں نے زمین پر لاٹھی ماری تو پانی نکل آیا لیکن پانی زمین ہی سے نکلتا ہے، اس کے برعکس سرکار دو عالم ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے جب کہ جسم انسانی سے تو پانی نہیں نکلتا۔

سیدنا داؤد علیہ السلام سے قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

۱۔ زرقانی : ۷ / ۲۳۳

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى﴾ (١)

''اور آپ خواہش کی پیروی نہ کریں''

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾ (٢)

''اور وہ (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے۔''

سیدنا داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا گیا تھا اور وہ اس سے زرہیں بناتے تھے۔ لوہا تو نرم ہو ہی جاتا ہے اگرچہ آگ سے نرم ہو، لیکن سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تو پتھر نرم ہو گئے جن کا عادتاً نرم ہونا ممکن نہیں۔ چنانچہ حافظ ابو نعیمؒ نے روایت نقل کی ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غار میں تشریف لے گئے اور آپ نے اس میں اپنا سر مبارک داخل کیا تو وہ نرم ہوتا چلا گیا۔ اور بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

﴿عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَنَساً اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ﴾

''احد ایک پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' (٣)

پتھر وہ جنس ہے جس میں محبت نہیں پیدا ہو سکتی، چنانچہ وہ شخص جس کے دل میں محبت کے جذبات و احساسات سے محروم ہو اس کو ''سنگ دل'' کہتے ہیں۔ لیکن یہ اعجاز نبوی ہے کہ پہاڑ کے دل میں محبت کے جذبات پیدا کر دیئے۔ علاوہ ازیں سنگ ریزوں نے آپ کے ہاتھوں میں حق تعالیٰ شانہٗ کی تسبیح و تقدیس (Praise and Sanctification) بیان فرمائی۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام سے پرندوں نے گفتگو کی اور جنات اور ہوا کو آپ

١۔ ص: ٢٦

٢۔ النجم: ٣

٣۔ بخاری، کتاب المغازی، باب احد یحبنا: ٢ / ٥٨٥

کے لیے مسخر کر دیا گیا، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بکری کے گوشت کے ٹکڑے نے کلام کیا کہ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔ ہرنی اور اونٹ نے آپ سے اپنی شکایات بیان کیں، پتھروں نے آپ کو سلام کیا، درختوں نے آپ کی اطاعت کی۔ پرندوں سے گفتگو کرنے کی نسبت یہ زیادہ عجیب وغریب واقعات ہیں۔ پھر سیدنا سلیمان علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھ کر ہوا میں اڑتے اور اُن کی صبح کی رفتار ایک مہینہ کی راہ تھی اور شام کی رفتار بھی ایک مہینہ کی راہ تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو براق پر بیٹھا کر نہ صرف بیت المقدس لے جایا گیا بلکہ آسمانوں کی سیر بھی کرائی گئی اور یہ سارا واقعہ مہینوں میں نہیں بلکہ رات کے ایک تھوڑے سے حصہ میں ہوا۔ معراج سے واپسی پر جب قریش نے آپ سے بیت المقدس کے بارے میں سوال کیے تو بیت المقدس کو آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا۔(۱)

اور نہ صرف بیت المقدس کو آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا بلکہ تمام روئے زمین کو آپ کے لیے سمیٹ دیا گیا اور آپ نے مشارق ومغارب کو دیکھ لیا۔(۲)

انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا اختلاف:

آپ کے کثرت معجزات کی اس بحث کے بعد ایک بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو مختلف معجزات عطا کیے گئے۔ ایسا کیوں نہیں کیا گیا کہ سب کو ایک ہی طرح کے معجزات دے دیئے جاتے، چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا کے معجزات عطا فرمائے گئے۔ یہی معجزات دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی دے دیئے جاتے لیکن انبیاء علیہم السلام کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ایسا نہیں کیا گیا بلکہ ہر نبی کو علیحدہ علیحدہ معجزات دیئے گئے۔ یہ سوال معجزات کی حقیقت سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ لوگوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا کہ "لولا اوتی مثل مااوتی موسیٰ" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جو موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے۔ لوگوں نے ایک نبی کے معجزات کا دوسرے نبی کے معجزات سے مقابلہ

۱۔ مشکوٰۃ، کتاب الرؤیا، باب فی المعجزات صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۵۳۰

۲۔ مسلم، کتاب الفتن وشرائط الساعۃ: ۲/ ۳۹۰

کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکالا کہ جس نبی کے معجزات بڑے ہیں وہ نبی بھی بڑا ہے اور جس کے معجزات چھوٹے ہیں وہ نبی بھی چھوٹا ہے حالانکہ حقیقت ایسی نہیں، اور یہ مغالطہ معجزات کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے لگا ہے۔

معجزات کی قسمیں:

انبیاء علیہم السلام کے معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) ایک وہ معجزات جو بغرض تحدی عطا کیے جاتے ہیں یعنی اس غرض کے لیے کہ نبی جن لوگوں کی طرف مبعوث کیا جاتا ہے ان معجزات کو ان کے مقابلہ میں پیش کر کے ان کو عاجز کر دے تاکہ اس کی صداقت ان لوگوں پر واضح ہو جائے۔

(۲) دوسری قسم کے وہ معجزات ہیں جو بغرض تحدی نہیں دیئے جاتے یعنی نبی کی صداقت کے اظہار کے لیے اور مقابلہ کی غرض سے نہیں ہوتے اگرچہ ان سے نبی کی صداقت کی بھی تائید ہوتی ہے۔

قسم اول کے معجزات:

قسم اول کے معجزات کی تشریح و تفصیل کچھ یوں ہے کہ معجزہ اگرچہ حقیقت نبوت سے خارج ہوتا ہے کیونکہ نبوت اظہار معجزہ پر موقوف نہیں، لیکن اظہار صداقت کے لیے نبی کو معجزہ کی ضرورت پڑتی ہے، اس وجہ سے انبیاء علیہم السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے اپنے زمانے میں ضرورت کے مطابق خاص خاص معجزات عطا ہوتے ہیں تاکہ وہ قوم کے سامنے صداقت کا اظہار کر سکیں، خصوصی طور پر وہ انبیاء علیہم السلام جو نئی شریعت لے کر دنیا میں تشریف لاتے ہیں، ان کو معجزات کی ضرورت دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے کیونکہ وہ دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اس زمانہ کے لوگوں کے دلوں میں چونکہ پہلی شریعت کی محبت و عظمت اس قدر ہوتی ہے کہ وہ اس کو چھوڑ کر دوسری شریعت کو قبول کرنا ہرگز گوارا نہیں کرتے، اس وجہ سے وہ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت زیادہ شدت اور زور سے کرتے ہیں، لہٰذا ان

حضرات کو اس بات کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور ان کو ایسے زبردست معجزات دیئے جاتے ہیں کہ لوگ ان سے متاثر ہو کر اور ان کے مقابلہ سے عاجز ہو کر سر تسلیم خم کر دیں۔ اگر وہ نہیں تو متوازن اور منصف مزاج لوگ تو ضروری تسلیم کر لیں۔

اس سوال کا جواب کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو ایک ہی قسم کے معجزات کیوں عطا نہیں کیے گئے، اس کو سمجھنے کے لیے یہ قاعدہ کلیہ ذہن میں رکھیں کہ جو معجزات تحدی اور مقابلہ کے لیے انبیاء علیہم السلام کو دیئے جاتے ہیں ان کے بارے میں عادت خداوندی یہ ہے کہ وہ معجزات اس فن کے بارے میں دیئے جاتے ہیں جس فن میں اس قوم کو جس سے مقابلہ اور تحدی ہے، اعلیٰ درجہ کی مہارت ہو بلکہ اس فن میں اس قوم کا پوری دنیا میں خوئی ثانی اور مثل نہ ہو، اس لیے کہ اس کے بغیر قوم کو معجزہ کا معجزہ ہونا سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اور معجزہ اس قوم ہی کو سمجھانا مقصود ہوتا ہے جس کی طرف وہ نبی مبعوث ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی فن شعر میں ید طولیٰ رکھتا ہو اور وہ ایسی قوم کے پاس جا کر دعویٰ نبوت کر دے جو فن شعر سے تو بالکل نا آشنا ہو البتہ فن پہلوانی میں بے مثل ہو، اور معجزہ یہ پیش کرے کہ تم میرے ساتھ شاعری میں مقابلہ کر کے دیکھ لو، اگر میں غالب آ جاؤں تو سمجھ لینا کہ میں سچا ہوں۔ تو کیا وہ قوم اس شخص کے فن شعر میں غالب آنے کو معجزہ تسلیم کرے گی؟ بالکل تسلیم نہیں کرے گی۔ وجہ یہ ہے کہ ماہر فن کا فن کے نہ جاننے والوں پر غالب آنا نہ تو کوئی کمال کی بات ہے اور نہ خلاف عادت ہے، بلکہ مقتضائے عادت یہ ہے کہ ماہر فن ناواقف پر غالب آئے۔ اور معجزہ ہمیشہ خلاف عادت ہوتا ہے یعنی کسی کے ہاتھ سے ایسے فعل کا ظاہر ہونا جو عادتاً انسانی طاقت سے باہر ہو، البتہ اگر وہ شاعر شخص یہ کہے کہ میں تو فن پہلوانی سے بالکل نا آشنا ہوں، اور تم لوگ فن پہلوانی میں یکتائے روزگار ہو، لیکن باوجود اس فن سے ناواقف ہونے کے میں تم لوگوں کو فن پہلوانی میں ہرا دوں گا، تو بے شک یہ بات معجزہ ہو گی، اور وہ قوم بھی اس کو معجزہ سمجھے گی کیونکہ ناواقف و نا آشنا کا ماہر فن پر غالب آنا یک قلم خلاف عادت ہے۔ چنانچہ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ یہ شخص انسانی طاقت سے غالب نہیں آیا بلکہ آسمانی طاقت سے غالب آیا ہے، لہٰذا اپنے دعویٰ نبوت میں صادق ہے۔

مختصر یہ کہ تحدی کے لیے معجزہ کا اسی فن میں ہونا ضروری ہے جس فن میں قوم کو کمال حاصل ہو ورنہ معجزہ قوم کے نزدیک معجزہ نہیں ہو سکتا۔

اس قاعدہ کو سمجھ لینے کے بعد نہایت آسانی سے یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معجزات تحدی مختلف کیوں دیئے گئے اور اختلاف معجزات کی موجودہ صورت کیوں اختیار کی گئی؟ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فن جادو اور شعبدہ بازی کو ید طولیٰ حاصل تھا، اس لیے انہیں ان کے مقابلہ کے لیے عصائے موسیٰ اور ید بیضاء کا معجزہ دیا گیا۔ اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کو فن طب میں کمال حاصل تھا۔ اس فن میں دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ چنانچہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو وہ معجزات عطا فرمائے گئے جو شکل وصورت کے لحاظ سے ویسے تھے، چنانچہ ان کو مردوں کو زندہ کرنے، مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے اور کوڑھی اور برص والوں کو اچھا کرنے اور مٹی سے جانور بنا کر اڑانے کے معجزات عطا فرمائے گئے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے باوجود علم طب نہ جاننے کے اپنی روحانی طب سے یہ کام انجام دیئے اور تمام اطباء کو عاجز کر دیا۔ مولانا رومؒ نے اسی کے بارے میں فرمایا ہے ؎

صد ہزاراں طب جالینوس بود
پیش عیسیٰ و دمش افسوس بود

اسی طرح سرکار دو عالم ﷺ جس قوم میں مبعوث ہوئے اس قوم کا مابہ الافتخار سرمایہ فصاحت و بلاغت تھا۔ اس میدان میں کوئی ان سے گوئے سبق نہیں لے جا سکتا تھا، لہٰذا قاعدہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو وہ معجزہ عطا کیا جاتا جو فصاحت و بلاغت میں ان سب کو مات دے دیتا۔ چنانچہ آپ کو قرآن حکیم کا معجزہ دیا گیا جس کی فصاحت و بلاغت کے آگے سارے عرب کے فصحاء اور بلغاء بے بس اور لاچار تھے اور تھے ؎

تیرے آگے سب ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زبان نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

جب قرآن حکیم کو نازل کیا گیا تو پوری تحدی کے ساتھ یہ کہا گیا:

"قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ، لَايَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ، وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا." (۱)

"یعنی اگر سب جن اور انسان اکٹھے ہو جائیں اور اس قرآن کا مثل لانا چاہیں تو اس کا مثل نہیں لا سکتے اگرچہ ان کے بعض بعض کے معاون و مددگار بن جائیں۔ پہلے تو پورا قرآن بنانے کا چیلنج کیا گیا کہ اس قرآن کا مثل لاؤ۔"

پھر تنزل کر کے فرمایا:

"فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ" (۲)

"ایک ہی سورت اس جیسی بنا لاؤ۔"

سورۃ میں یہ قید بھی نہیں لگائی کہ سورۃ بقرہ جیسی اڑھائی پارے کی ہی سورت لاؤ بلکہ اگر تم سورۃ الکوثر جیسی چھوٹی سی سورت ہی بنا لاؤ تو پھر بھی قابل قبول ہے۔

اندازہ فرمائیں کہ ایک امی جس نے کسی استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، اس قوم کو چیلنج دے رہا ہے، جو خود ساری دنیا کو فصاحت و بلاغت میں چیلنج دیتی تھی، لیکن وہ قوم اس معجزہ کی نظیر پیش نہ کر سکی۔ چنانچہ اس نے سمجھ لیا کہ یہ بشر اور مخلوق کا کلام نہیں ہے کیونکہ بشر اور مخلوق کی طاقت سے باہر ہے بلکہ اس قدر فصاحت و بلاغت سے کلام کا بھرا ہوا ہونا اعجاز خداوندی ہے۔

دوسری قسم کے معجزات:

دوسری قسم کے وہ معجزات ہیں جو کسی نبی کی تحدی اور مقابلہ کی غرض سے نہیں دیئے جاتے بلکہ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دیئے جاتے ہیں جو تحدی کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق پیش آتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی موقع پر پانی کی

۱۔ بنی اسرآئیل: ۸۸

۲۔ البقرۃ: ۲۳

ضرورت ہے مگر ظاہری اسباب کے لحاظ سے یہ ضرورت پوری نہیں ہو سکتی تو اللہ تعالیٰ اس ضرورت کو باطنی اسباب سے بصورت معجزہ پورا فرما دیتے ہیں۔ مقصود بالذات اس وقت اظہار معجزہ نہیں ہوتا بلکہ ایک ضرورت کو پورا کرنا ہوتا ہے لیکن بوجہ نہ ہونے ظاہری اسباب کے صورت معجزہ پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پانی نہ ہونے کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک پیالہ میں تھوڑا سا پانی لے کر اپنا دست مبارک اس میں ڈال دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی پانچوں انگلیوں سے پانی جاری ہو گیا اور اس قدر پانی نکلا کہ تمام لشکر سیراب ہو گیا اور جس قدر ضرورت تھی پوری ہو گئی۔

تو ان دونوں قسموں کے معجزات کی آپ کے ہاں دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں کثرت ہے، بلکہ جو معجزات ان انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوئے تھے، وہ بھی اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے معجزات آپ کو عطا کیے گئے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر لحاظ اور ہر نوعیت کے معجزات کی کثرت کے حامل ہیں۔ اگر کوئی معجزہ آپ کا نہ ہوتا معراج اور قرآن حکیم کے دو معجزات ہی سب پر بھاری تھے۔

مختصر یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات نہ صرف تعداد میں دوسرے نبیوں سے زیادہ تھے بلکہ اپنی کیفیات اور حیثیات میں بھی دوسروں سے بلند و بالا تھے۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو اسراء اور معراج سے نوازا جانا

تمام انبیاء و رسل میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم واحد پیغمبر ہیں جن کو اسراء اور معراج سے نوازا گیا۔ گویا یہ آپ کے عظیم الشان خصائص اور امتیازات میں سے ہے۔ اسراء اور معراج کا واقعہ بعض روایات کے مطابق ہجرت سے تین سال پہلے اور قاضی عیاضؒ کے قول کے مطابق ہجرت سے پانچ سال پہلے پیش آیا۔ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی روایت ہے کہ سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا نماز پنجگانہ کی فرضیت سے قبل وفات پا چکی تھیں، اور نماز بالاتفاق معراج میں فرض ہوئی۔ پھر بخاری ہی میں سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی روایت ہے کہ سیدہ خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال قبل وفات پائی تو اس حساب سے معراج ہجرت سے پہلے تین سال سے کم عرصہ میں ہوئی۔ ہمارے نزدیک راویوں کی ایک کثیر تعداد کی رو سے یہ واقعہ ہجرت سے ایک سے ڈیڑھ سال پہلے کا ہے اور غالباً مہینہ رجب المرجب کا تھا۔

یہ ایک نہایت اہم واقعہ ہے کیونکہ جس طرح اس واقعہ کا تعلق اس دنیا سے ہے اسی طرح اس دنیا سے بھی ہے جو ماوراء عقل ہے، اس لیے اس واقعہ کو صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد نے روایت کیا ہے جن کی تعداد علامہ زرقانی کے مطابق ۴۵ ہے۔ (۱)

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اس واقعہ کو سیدنا مالک بن صعصعہؓ، سیدنا ابوذر غفاریؓ، سیدنا انس بن مالکؓ، سیدنا ابوہریرہؓ، سیدنا جابر بن عبداللہؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ جیسے اکابر صحابہ کرامؓ سے روایت کیا ہے، لیکن اس بارے میں مفصل روایات سیدنا مالک بن صعصعہؓ، سیدنا ابوذرؓ اور سیدنا انس بن مالکؓ سے ہیں۔ ان تمام روایات سے جو

۱۔ زرقانی شرح المواهب: ۱/ ۳۵۵

کچھ ثابت ہوتا ہے وہ کچھ یوں ہے:

''سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا کہ تین فرشتے آئے۔ انہوں نے مجھے جگایا۔ پھر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا۔ اس میں سے میرا دل نکال کر سونے کے طشت میں رکھا اور اس کو زمزم کے پانی سے دھویا اور پھر ایمان وحکمت بھر کر اس کو سی دیا۔ پھر خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا ایک جانور لائے جس کو براق کہتے ہیں۔ یہ جانور میری سواری کے لیے پیش کیا گیا۔ وہ جانور تیز رفتاری میں اتنا تیز تھا کہ حد نگاہ تک اس کا ایک قدم جاتا تھا۔ اس پر مجھے سوار کر کے بیت المقدس لایا گیا۔ میں وہاں سواری سے نیچے اترا۔ جبرئیل امین نے اس سواری کو اس حلقہ کے ساتھ باندھ دیا جہاں دوسرے انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ میں سواری سے اتر کر مسجد میں داخل ہوا جہاں تمام انبیاء کو اللہ نے میرے لیے جمع کر دیا تھا۔ جبرئیل علیہ السلام کے کہنے کے مطابق میں نے وہاں تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کرائی اور ان کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر وہاں سے جبرئیل مجھے پہلے آسمان پر لے گئے۔ جبرئیل نے آسمان کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ دربان نے پوچھا کون ہے؟ کہا جبرئیل ہے۔ دربان نے کہا: ''تمہارے ساتھ کون ہے؟'' جواب دیا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔'' پوچھا گیا: ''کیا وہ بلائے گئے ہیں؟'' جبرئیل نے کہا: ''ہاں۔'' چنانچہ جب دروازہ کھولا گیا اور آپ آسمان اول میں داخل ہوئے تو وہاں سیدنا آدم علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے علیک سلیک کے بعد نبی صالح اور نیک بیٹے کے الفاظ سے آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا۔ سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں بہت سی

پرچھائیاں تھیں۔ وہ جب دائیں جانب دیکھتے تو تبسم فرماتے اور جب ان کی نگاہیں بائیں جانب جاتیں تو گریہ طاری ہو جاتا۔ سیدنا جبرئیل سے جب میں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ ان کے دائیں بائیں جو پرچھائیاں ہیں وہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ دائیں جانب والے جنتی اور بائیں جانب والے جہنمی ہیں۔ اس لیے جب وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو خوش ہو کر تبسم فرماتے ہیں اور جب بائیں جانب نگاہ ڈالتے ہیں تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ یہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے تو اسی قسم کا سوال و جواب ہوا۔ وہاں سیدنا عیسیٰ اور سیدنا یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے نبی صالح اور برادر صالح کے الفاظ سے خطاب کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش آمدید کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سلام کیا۔ پھر تیسرے آسمان کے دروازہ کو بھی اسی طرح اجازت لے کر کھلوایا گیا اور آپ تیسرے آسمان میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ کی ملاقات سیدنا یوسف علیہ السلام سے ہوئی۔ انہوں نے بھی نبی صالح اور برادر صالح کے الفاظ سے آپ کا استقبال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی سلام کیا۔ پھر چوتھے آسمان میں اسی طرح اجازت طلب کر کے داخل ہوئے۔ وہاں آپ کی ملاقات سیدنا ادریس علیہ السلام سے ہوئی۔ انہوں نے بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ کو خوش آمدید کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی سلام کیا۔ پھر وہاں سے آپ پانچویں آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں سیدنا ہارون علیہ السلام نے آپ کو خوش آمدید کہا اور آپ نے انہیں بھی سلام کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھٹے پر تشریف لے گئے وہاں سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کیا۔ آپ نے انہیں بھی

سلام کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ جب ہم ان سے رخصت ہو کر ساتویں آسمان پر جانے لگے تو ان کے رونے کی آواز آئی۔ پوچھا: ''اے موسیٰ! کیوں روتے ہو؟'' کہا یہ نوجوان نبی میرے بعد دنیا میں آیا اور اس کی امت میری امت سے کہیں زیادہ جنت میں داخل ہو گی۔ پھر آپ ساتویں آسمان میں داخل ہوئے وہاں آپ کی ملاقات سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ انہوں نے نبی صالح اور فرزند صالح کے الفاظ سے آپ کو خوش آمدید کہا۔ جبرئیل نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ ابراہیمؑ ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بیت معمور (فرشتوں کا کعبہ) کی دیوار سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے۔ اس بیت معمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت کے لیے داخل ہوتے ہیں۔ جو فرشتہ ایک دفعہ داخل ہو گیا پھر پوری عمر اس کو دوبارہ وہاں جانے کا موقع نہیں ملتا۔ پھر ساتویں آسمان سے آپ سدرۃ المنتہیٰ پہنچے۔ یہ ایک بیری کا درخت تھا۔ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے اور اس کا پھل قبیلہ ہجر کے مٹکوں کی طرح تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے احکام نیچے زمین پر اترتے ہیں اور عبادات و اعمال اوپر چڑھ کر پہنچتے ہیں۔ وہاں سونے کے پروانوں نے اس کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ اس درخت پر شان ربانی کا پرتو تھا۔ یہاں پہنچ کر جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی شکل میں آپ کے سامنے ظاہر اور نمودار ہوئے۔ پھر شاہد مستور ازل نے رخ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیام ادا ہوئے کہ الفاظ ان کی لطافت و نزاکت کا تحمل نہیں کر سکتے فَاَوْحیٰۤ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحیٰ

بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ کو تین پیالے پیش کیے گئے۔ ایک دودھ کا، دوسرا شراب کا اور تیسرا شہد کا۔ آپ نے ان میں سے دودھ کا پیالہ لے لیا۔

ارشاد ہوا کہ آپ ﷺ نے حسن انتخاب میں کمال کر دیا اور آپ نے فطرت کو پسند کیا۔ اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ ﷺ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ پیالے آپ ﷺ کو مسجد اقصیٰ میں جبرئیل نے پیش کئے۔

یہاں پر بارگاہ رب العزت میں آپ کو تین عطیے مرحمت فرمائے گئے۔

(۱) سورۃ البقرہ کی آخری آیات جن میں عقائد وایمان کی تکمیل وغیرہ کا ذکر ہے۔

(۲) رحمت خاص کی طرف سے یہ مژدۂ جانفزا سنایا گیا کہ آپ کی امت میں سے جو شخص شرک نہیں کرے گا اس پر ابر مغفرت برسے گا اور حق تعالیٰ شانہ کا دامن عفو اس کو ڈھانپ لے گا۔

(۳) اور پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

یہ تین تحفے لے کر سرکار دو عالم ﷺ نہایت فرحت و شادمانی کے ساتھ واپس تشریف لائے۔ جب راستہ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے استفسار کیا کہ بارگاہ الوہیت سے کیا عطیہ ملا؟ فرمایا: امت پر پچاس وقت کی نمازیں۔ انہوں نے کہا: ''میں بنی اسرائیل پر خوب تجربہ کر چکا ہوں۔ آپ کی کمزور امت سے یہ بارگراں نہیں اٹھایا جا سکے گا، لہٰذا بارگاہ الٰہی میں تخفیف کا مطالبہ کریں۔ آپ ﷺ نے رجعت فرمائی اور بارگاہ الوہیت میں عرض پرداز ہوئے کہ یا الٰہی! میری امت نہایت کمزور ہے اور اس کے قویٰ نہایت ضعیف ہیں۔ اس درخواست پر دس نمازیں معاف ہو گئیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''ابھی بھی زیادہ ہیں اور کمی کی درخواست کریں۔'' چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ پھر واپس تشریف لے گئے اور بارگاہ الٰہی میں تخفیف کی درخواست کی اور دس نمازیں پھر معاف ہو گئیں۔ اسی طرح بار بار آنے جانے سے شب و روز میں صرف پانچ نمازیں باقی رہ گئیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ یہ پانچ بھی زیادہ ہیں مزید تخفیف کی درخواست کریں، لیکن آپ نے فرمایا: ''اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے۔'' آواز آئی: ''اے محمد! میرے حکم میں تبدیلی نہیں، نمازیں پانچ ہوں گی لیکن ہر نیکی کا بدلہ دس گناہ عطا فرماؤں گا، لہٰذا اب یہ پانچ بھی پچاس ہوں گی۔ میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دی اور اپنا فیصلہ نافذ کر دیا۔ ان تمام

مقامات سے ہوکر آپ واپس تشریف لائے اور صبح مسجد الحرام میں بیدار ہوئے۔(۱)

صبح اٹھنے کے بعد مسجد حرام میں آپ نے اپنے رات کے اس واقعہ کو لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ رؤسائے مکہ نے آپ کے اس واقعہ کو جھٹلایا۔ پھر مختلف سوالات آپ ﷺ سے کیے۔ ان میں اکثر لوگ شام آیا جایا کرتے تھے۔ انہوں نے بیت المقدس کو بارہا دیکھا تھا اور انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اس سے قبل بیت المقدس کو نہیں دیکھا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بیت المقدس کی شکل وصورت کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسی ہے؟ سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں بیت المقدس کا نقشہ نہ تھا، لہٰذا کچھ پریشانی لاحق ہوئی۔

چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

﴿فَجَلَّى اللّٰهُ لِي بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ﴾(۲)

۱۔ بخاری، کتاب المناقب، باب حدیث الاسراء ﷺ، ۱/ ۵۰، ۵۴۸، ۵۵۰، کتاب الرعدو علی الجهته وغیرهم والتوحید، ۲/ ۱۱۲۰، مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء النبی ﷺ، ۱/ ۹۲، ۹۳، ۹۶، ۹۷، ترمذی، ابواب التفسیر: ص ۶۱۵، مستدرک حاکم: ۲/ ۱۲۰، ابن ماجه: ص ۱۶۵، مسند ابی عوانه: ۱/ ۱۱۶، ۱۶۶، ۱۶۸، مسند ابی داؤد الطیالسی: ص ۲۷۴

۲۔ کتاب ترجمان السنة، باب سوال قریش بعد القفول من سفره: ۴/ ۱۶۲، بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله اسریٰ بعبده لیلا من المسجد الحرام، رقم الحدیث: ۴۷۱۰، مسلم، کتاب الایمان، باب هل رای النبی ﷺ ربه لیلة الاسراء: ۱/ ۹۸، مشکوٰة، کتاب الرؤیا، باب فی المعراج النبی ﷺ: ص ۵۳۰، ترمذی، ابواب التفسیر: ۲/ ۱۱۵، مسند احمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۱۵۹۹۰، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۷۱۹، ابن حبان: رقم الحدیث: ۵۵،

''حق تعالیٰ شانہ نے میرے اور بیت المقدس کے درمیان حائل سب پردے اٹھا دیئے اور اس کو میرے سامنے کر دیا اور میں اس کو دیکھ دیکھ کر اس کے ایک ایک نشان کے بارے میں انہیں بتا تا رہا۔''

اس واقعہ کے بارے میں محدث العصر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم قدس سرہ فرماتے ہیں:

''خالق کون و مکاں نے دنیا کی عمر میں یہ محفل ایک ہی بار ایک ہی شخصیت کے لیے سجائی اور کیا خوب سجائی جس کو سن کر بے ساختہ زبان سے سبحان اللہ نکلتا ہے، لیکن اس نے اس کی ابتداء کا تذکرہ ''سبحان الذی اسریٰ بعبدہ'' کہہ کر اس شان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا، اور اللہ اکبر کہ اس سیر عظیم کی غایت خود ہی بیان فرما دی یعنی ''لنریہ من آیاتنا'' تاکہ ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ وہ سیر صرف آپ کو عجائبات قدرت کا مشاہدہ کرانے کی تھی۔ کاش کہ کوئی اہل علم ہوتا جو یہاں گن گن کر ان آیات کو شمار کراتا تاکہ دیکھنے والے دیکھ لیتے کہ تنہا سیر معراج ایک معجزہ نہیں بلکہ نہ معلوم قرآنی زبان میں اپنے دامن میں آیات کبریٰ کے کتنے لعل و جواہر لیے ہوئے ہے جن میں سے کچھ احادیث متفرقہ میں مل سکے اور کچھ علم پروردگار میں باقی رہ گئے۔ '' فَاَوْحیٰٓ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَا اَوْحیٰ.'' اب وہ کیا تھے اس کی خبر کس کو لگ سکتی ہے۔''(۱)

معراج جسمانی تھی یا روحانی؟

آج کل کے ذہنوں میں ایک سوال اکثر و بیشتر اٹھکیلیاں لیتا رہتا ہے کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ مرزا غلام احمد قادیانی، سرسید احمد خان اور دوسرے کئی ایک

۱۔ ترجمان السنہ، باب سوال قریش بعد القفول من سفرہ: ۴/ ۱۶۲، بخاری، کتاب بداء الخلق، باب فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ: ۱/۴۵۸

متنور اور ملحدانہ ذہن رکھنے والے لوگ اس واقعہ کو روحانی کہہ کر اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ معراج کا واقعہ بقول حضرت مولانا بدر عالمؒ دنیا کی پوری عمر میں صرف ایک ہی شخصیت کے لیے رونما ہوا، اور وہ شخصیت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت تھی۔ علمائے سلف میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ چنانچہ شارحین بخاری علامہ بدرالدین عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اسراء اور معراج ایک ہی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیداری کی حالت میں ہوئی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت و رسالت کے منصب سے سرفراز ہو چکے تھے۔ یہی جمہور محدثین، فقہاء اور متکلمین کا مذہب ہے، اور اس عقیدہ کے ثبوت میں متعدد صحیح اور ظاہر المعنی احادیث نبویہ موجود ہیں۔ (۱)

روحانی معراج کے قائلین کا استدلال اور اس کا جواب:

جو لوگ واقعۂ اسراء و معراج کو جسمانی کے بجائے روحانی قرار دیتے ہیں وہ قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ (۲)

''اور ہم نے جو رؤیا (خواب) تجھ کو دکھایا تاکہ لوگوں کی آزمائش کی جا سکے۔''

جب خود قرآن حکیم نے تصریح کر دی کہ یہ خواب تھا تو پھر اس کا انکار کیسے کیا جا سکے۔

اس بات کے جواب میں یہ عرض ہے کہ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق واقعہ معراج سے ہے ہی نہیں بلکہ کسی دوسرے خواب سے ہے۔ اور اگر کسی کو اس پر ہی اصرار ہو کہ اس آیت کریمہ میں معراج کا ذکر ہے تو پھر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی تصریح کے بعد کوئی التباس نہیں رہتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ رؤیا خواب نہیں تھا بلکہ

۱۔ عمدۃ القاری: ۸ / ۷۹، فتح الباری، کتاب المناقب، باب المعراج: ۷ / ۲۰۱، علامہ ابن کثیرؒ اور دیگر مفسرین نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ البدایہ والنہایہ: ۳ / ۱۱۲

۲۔ بنی اسرائیل: ۶۰

آنکھ کا دیکھنا تھا جو معراج میں رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا (هِیَ رُؤْیَا عَیْنٍ اُرِیْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ معراج روحانی نہ تھی نہ ایک خواب تھا بلکہ جسمانی اور بیداری میں تھی۔ (۱)

علامہ ابن عربیؒ نے احکام القرآن میں سیدنا ابن عباسؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

﴿وَلَوْ کَانَتْ رُؤْیَا مَنَامٍ مَا افْتُتِنَ بِهَا اَحَدٌ وَلَا اَنْکَرَهَا فَاِنَّه لَا یَسْتَبْعَدُ عَلٰی اَحَدٍ اَنْ یَّرٰی نَفْسَهٗ یَخْتَرِقُ السَّمَاوَاتِ وَ یَجْلِسُ عَلَی الْکُرْسِیِّ وَیُکَلِّمُهُ الرَّبُّ﴾ (۲)

''یعنی اگر واقعہ معراج عالم خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی شخص اس سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوتا اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا کیونکہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ آسمان کو چیرتا ہوا اوپر جا رہا ہے یہاں تک کہ وہ کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے گفتگو فرمائی تو ایسے خواب کو کبھی مستبعد اور خلاف عقل قرار دے کر اس کا انکار نہیں کیا جاتا۔''

واقعہ معراج کے جسمانی ہونے کے دلائل:

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل وجوہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ معراج واسراء کا یہ واقعہ روحانی نہیں بلکہ جسمانی ہے۔

(۱) قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو جس انداز میں پیش کیا ہے اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ روحانی نہیں بلکہ جسمانی ہے اور نیند میں نہیں بلکہ حالت بیداری میں ہوا، کیونکہ اس واقعہ کو لفظ ''سبحان'' سے شروع فرمایا جو اس وقت بولا جاتا ہے جب خارق عادت چیزیں دیکھنے میں آتی

۱۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب وما جعلنا الرویا التی فتنة للناس: ۲ / ۶۸۶،
ترمذی، ابواب التفسیر: ۲/۶۱۵

۲۔ احکام القرآن: ۲ /۱۷۸

ہوں۔ یہ لفظ اس بات کی بین دلیل ہے کہ معراج حالت بیداری میں ہوئی کیونکہ اگر خواب میں ہوتی تو یہ لفظ استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

(۲) دوسرا اس آیت میں ''اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور ''عبد'' کہتے ہیں روح اور جسم کے مجموعہ کو، لہٰذا بتایا یہ کہ روح اور جسم دونوں کو سیر کرائی گئی صرف روح کو نہیں کرائی گئی۔

(۳) تیسری بات اس آیت میں یہ فرمائی گئی کہ اس آیت کی غایت بیان کی گئی کہ یہ سیر کہاں سے کہاں تک کرائی گئی۔ ''مِنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصٰی'' یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ اگر یہ سیر روحانی ہوتی تو اس میں سیر کی حد بیان نہ کی جاتی کیونکہ روح کے لیے کوئی حد نہیں ہوتی۔

(۴) حدیث کی روایات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ معراج جسمانی تھی روحانی نہیں تھی، بیداری میں تھی خواب میں نہیں تھی۔ چنانچہ بخاری اور مسلم وغیرہ میں مرقوم ہے کہ معراج کا واقعہ سن کر مشرکین مکہ ہر طرف سے اُمڈ آئے اور ان میں سے جو کچھ بیت المقدس سے واقف کار تھے انہوں نے مجھ سے اس کی علامات پوچھنا شروع کر دیں۔ مجھے وہ نشانیاں یاد نہ تھیں، لہٰذا اس وقت مجھے کچھ پریشانی لاحق ہوئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے اور بیت المقدس کے مابین تمام حائل پردے اٹھا لیے اور بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا اور جو نشانی وہ مجھ سے پوچھتے میں دیکھ کر جواب دیتا۔

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم قدس سرہ نے اس بارے میں بڑے پتہ کی بات فرمائی ہے کہ:

> ''جب یہ واقعہ دنیا میں رونما ہوا تو اس نے دنیا میں ایک ہل چل مچا دی۔ ابوبکرؓ اسی واقعہ کی بدولت صدیق اکبرؓ ٹھیرے۔ کفار نے لایعنی سوالات کا ایک ڈھیر لگا دیا اور اس واقعہ کو اپنے عقول خام کے خلاف ہونے کی وجہ سے ایک سوال یہ بھی کھڑا کر دیا کہ ایک ہی رات میں بیت المقدس جا کر واپس آنا یہ (اس زمانے میں)

کیسے ممکن ہے؟ اور آپ سے بیت المقدس کے متعلق بے معنی سوالات شروع کر دیئے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مقام پر مدعو ہو کر جاتا ہے تو کیا وہ نظریں اٹھا اٹھا کر ادھر ادھر دیکھتا بھی ہے یا اس کو خفیف حرکت شمار کرتا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو سیر آیات کبریٰ کے نظارہ کے لیے ہو، اس کو چھتوں کی کڑیاں اور ستون گننے سے کیا غرض، مگر جہل و عناد کا علاج کیا۔ مقصد اصل آپ کی تکذیب تھی خواہ معقول طریقے سے ہو یا نامعقول طریقے سے۔ یہ صورت حال دیکھ کر پریشانی کا جو عالم ہوگا، اس کا اندازہ ایک صادق القول نبی کے سوا دوسرا نہیں کر سکتا۔ ''أَفَتُمَارُوْنَهُ عَلٰی مَایَرٰی.''(۱)

ان پریشانیوں کے ازالہ کے لیے حق تعالیٰ شانہ نے بیت المقدس ہی کو آپ کے سامنے کر دیا۔ چنانچہ مخالفین جو کچھ پوچھتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ کر وہ چیزیں بتلاتے جاتے۔ (۲)

اگر یہ واقعہ بیداری میں نہ تھا تو مخالفین نے اعتراضات کیوں کیے اور اگر کیے بھی تھے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیوں پریشانی لاحق ہوئی؟ آپ صاف صاف فرما دیتے کہ یہ تو خواب کا واقعہ ہے اور خواب کا کیا اعتبار۔

(۵) سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ کفار سیدنا ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''ابوبکرؓ کیا اب بھی تم اپنے دوست محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصدیق کرو گے کیونکہ اب تو وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں رات کے کچھ حصہ میں بیت المقدس جا کر واپس بھی آ گیا ہوں۔ سیدنا ابوبکرؓ نے یہ سن کر حیرانگی سے پوچھا: ''کیا واقعی انہوں نے ایسا کہا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا: ''ہاں، انہوں نے ایسا

۱۔ ترجمان السنه ،باب رفع بین الحجابات بینه و بیت المقدس: ۴/۱۶۱۔ ۱۶۲

۲۔ بخاری، کتاب بداء الخلق، باب فاوحیٰ الی عبده ما اوحیٰ: ۱/ ۴۵۸، مسلم ، کتاب الایمان، باب الاسراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ۱/ ۹۲۔ ۹۷

ہی کہا ہے۔'' یہ سن کر سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا: ''میں ان کی بات کی پوری پوری تصدیق کرتا ہوں اور دل و جان سے اس پر ایمان لاتا ہوں کہ یہ واقعی رات کے کچھ حصہ میں بیت المقدس جا کر واپس تشریف لے آئے۔ میں تو بیت المقدس سے بھی دور کی باتوں میں ان کی تصدیق کرتا ہوں، کیونکہ وہ صبح و شام مجھے آسمان کی خبریں بتاتے رہتے ہیں۔ اگر میں ان کو درست اور صحیح مانتا ہوں اور ان پر ایمان لاتا ہوں تو اس خبر میں مجھے کیا اشکال ہو سکتا ہے۔'' ام المؤمنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ اسی وجہ سے سیدنا ابوبکرؓ کا نام ''صدیق'' رکھا گیا۔(۱)

امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں سیدنا ابوسعید خدریؓ سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس کو آخر میں سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ معراج کی صبح کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ کو ان باتوں کی خبر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں گذشتہ رات بیت المقدس گیا اور مجھے آسمانوں کی معراج کرائی گئی اور میں نے فلاں فلاں چیز دیکھی۔ ابوجہل بن ہشام نے کہا: کیا تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی باتوں پر تعجب نہیں ہوتا؟ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ گذشتہ رات بیت المقدس گئے اور صبح کو یہاں ہمارے ساتھ ہیں حالانکہ ہم میں سے ایک شخص ایک ماہ کی مسافت طے کر کے بیت المقدس پہنچتا ہے اور پھر ایک ماہ کی مسافت طے کر کے وہاں سے یہاں واپس پہنچتا ہے۔ تو یہ آنا اور جانا دو ماہ میں طے ہوتا ہے، اور یہ ایک رات میں جا کر واپس آ گئے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قریش کے قافلہ کی خبر دی اور فرمایا کہ میں جب جا رہا تھا اس وقت اس قافلہ کو فلاں فلاں جگہ دیکھا تھا اور جب واپس لوٹا تو میں نے اس قافلہ کو فلاں گھاٹی کے پاس دیکھا۔ پھر آپ نے قافلہ میں جانے والے ہر شخص اور اس کے اونٹ کی خبر دی کہ وہ اونٹ اس طرح کا تھا اور اس پر یہ یہ سامان لدا ہوا تھا۔ ابوجہل نے کہا: ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں کئی چیزوں کی خبر دی ہے۔ پھر مشرکین میں سے ایک شخص نے یہ کہا کہ میں بیت المقدس کی عمارت، اس کی ہیئت اور اس کی کیفیت سے بخوبی آشنا ہوں۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچ کہہ رہے ہیں

۱۔ مستدرک حاکم: ۳/ ٦٣، زرقانی: ٨/ ٢٦٧، تفسیر ابن کثیر: ۳/ ٩٠٨

تو اس کا بھی ابھی پتہ چل جاتا ہے۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''مجھے بیت المقدس کے بارے میں بخوبی علم ہے۔ آپ مجھے بتائیے کہ اس کی عمارت کیسی ہے اور پہاڑ سے وہ کتنی قریب ہے؟ تب حق تعالیٰ شانہ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے ظاہر کر دیا اور آپ اس کو دیکھ رہے تھے۔ آپ نے اس عمارت کی پوری کیفیت بیان فرما دی اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ پہاڑ سے اتنی قریب ہے۔ اس شخص نے آپ کے اس بیان کی تصدیق کی۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا کہ محمد (ﷺ) اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ (۱)

امام بیہقیؒ نے ایک روایت یہ بھی بیان کی ہے کہ

''جب سرکار دو عالم ﷺ کو معراج کرائی گئی اور آپ نے لوگوں کو قافلہ کی علامتوں اور نشانیوں سے آگاہ کیا تو انہوں نے پوچھا: ''یہ قافلہ کب آئے گا؟'' آپ نے فرمایا: ''یہ قافلہ بدھ کو آئے گا۔'' پھر بدھ کے روز قریش مکہ صبح سے قافلہ کے انتظار میں بیٹھے رہے حتیٰ کہ سورج غروب ہونے لگا اور قافلہ مکہ میں داخل نہ ہوا۔ تب سرکار دو عالم ﷺ نے دعا فرمائی تو دن کو لمبا کر دیا گیا ور سورج کو روک دیا گیا یعنی زمین کی گردش روک دی گئی۔ آفتاب کو صرف اس روز رسول اللہ ﷺ کے لیے روکا گیا تھا۔ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے جب جمعہ کے دن انہوں نے جبارین سے جہاد کیا تھا اور ان کے فارغ ہونے سے قبل آفتاب غروب ہونے لگا تو انہوں نے بارگاہِ الوہیت میں دعا کی تھی کہ سورج کو روک دیا جائے کیونکہ ہفتہ کے روز ان کے لیے جنگ کرنا جائز نہ تھا۔ (۲)

۱۔ دلائل النبوة، الدليل على ان النبى ﷺ عرج به السماء فرأى جبريل عليه السلام فى صورة: ۲/ ۳۹۵

۲۔ دلائل النبوة ، باب الدليل على ان النبى ﷺ عروج به الى السماء فرأى جبريل عليه السلام فى صورة: ۲/ ۴۰۴

حافظ ابن کثیرؒ نے بھی لکھا ہے کہ محمد بن اسحاقؒ نے اپنی سند کے ساتھ سیدہ ام ہانیؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے واقعہ معراج کی خبر لوگوں کو بتائی تو جبیر بن مطعم نے کہا: ''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ نے فلاں فلاں جگہ ہمارے اونٹوں کو دیکھا تھا؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، بخدا! میں نے دیکھا، ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا اور وہ اس کو تلاش کر رہے تھے۔'' اس نے کہا: ''کیا آپ بنو فلاں کے اونٹوں کے پاس سے گزرے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، میں نے ان کو فلاں فلاں جگہ دیکھا تھا اور ان کی سرخ رنگ کی اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ ان کے پاس پیالے میں پانی تھا جس کو میں نے پی لیا۔'' اس نے کہا: ''اچھا بتایئے ان کی اونٹنیاں کتنی تھیں اور ان کے چرواہے کون کون تھے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے اس وقت ان کی گنتی کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ آپ نے ان کے کچھ مزید سوالوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ''صبح یہ اونٹ وادی ثنیہ میں پہنچ جائیں گے۔ وہ لوگ صبح وادی ثنیہ پہنچ گئے کہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا ہے یا نہیں؟ سو وہ اونٹ آ گئے، ان لوگوں نے اونٹ والوں سے پوچھا! ''کیا تمہارا کوئی اونٹ گم ہو گیا تھا؟'' انہوں نے کہا: ''ہاں۔'' پھر انہوں نے پوچھا: ''کیا تمہارے پاس پیالہ تھا۔ ایک چرواہے نے کہا: ''بخدا! میں نے وہ پیالہ رکھا تھا اس سے کسی نے پانی پیا تھا۔ کسی نے اس پانی کو زمین پر گرایا تھا اور وہ پانی ختم ہو گیا تھا۔'' سیدنا ابو بکرؓ نے کہا کہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں پھر اسی دن سے سیدنا ابو بکرؓ کا لقب صدیق ہو گیا۔'' (۱)

حافظ ابن کثیرؒ ہی نے اس سلسلہ میں ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو معراج کی خبریں سنائیں تو اگرچہ یہ باتیں عام عقل میں آنے والی نہ تھیں لیکن سیدنا ابو بکرؓ نے کہا: ''اگر واقعی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور میں تو اس سے زیادہ بعید باتوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرتا ہوں۔ آپ آسمان کی خبریں بیان کرتے ہیں اور میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ کے دعویٰ پر کیا دلیل

۱۔ تفسیر ابن کثیر : ۲۵/۳

ہے؟ آپ نے فرمایا: میں فلاں فلاں جگہ پر قریش کے قافلہ کے پاس سے گزرا تھا۔ مجھے دیکھ کر ایک اونٹ بدک کر بھاگا اور چکر لگانے لگا۔ اور اس قافلہ میں ایک اونٹ تھا جس پر سیاہ اور سفید رنگ کی دو بوریاں لدی ہوئی تھیں، وہ گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔

جب قافلہ واپس آیا تو انہوں نے قافلہ والوں سے پوچھا تو انہوں نے من وعن آپ ﷺ کے بیان کی تصدیق کی۔ اسی روز سے سیدنا ابوبکرؓ کا نام صدیق پڑ گیا۔ (۱)

اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا جیسا کہ بعض ملحدین کہتے ہیں تو کفار مکہ کے یہ طوفان اٹھانے کی کیا وجہ تھی؟ اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پاس جانے اور ان کو یہ سب کچھ کہنے کا کیا جواز تھا؟

(۲) ایک روایت میں یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے ایک قافلہ تجارت کی غرض سے شام گیا ہوا تھا۔ وہ قافلہ اب واپس آ رہا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ براق پر جاتے ہوئے جب ان کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام کیا۔ قافلہ والوں نے آپ کی آواز سنی بھی اور پہچانی بھی۔ اور جب وہ واپس مکہ آئے تو اس بات کی گواہی بھی دی۔ دوسرے جب آپ ﷺ معراج سے واپس تشریف لائے اور اہل مکہ نے آپ کی اس بات کو جھٹلایا تو آپ نے قافلہ کی ایک ایک نشانی لوگوں کو بتائی۔ چنانچہ جب قافلہ مکہ پہنچا تو انہوں نے آپ کی باتوں کی تائید و تصدیق کی۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ صبح کے وقت سیدنا ابوبکرؓ میرے پاس آئے اور کہا: ''یا رسول اللہ! آپ رات کہاں تھے؟ میں نے آپ کو آپ کے مکان پر بہت تلاش کیا۔'' (۲)

ان دلائل کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ

۱۔ تفسیر ابن کثیر : ۳/ ۹

۲۔ تفسیر ابن کثیر : ۵/ ۱۲۶، خصائص کبریٰ : ۱/ ۱۵۸، شفا قاضی عیاض : ص ۸۷

واقعہ جسمانی ہے روحانی نہیں۔ بیداری کا ہے خواب کا نہیں، بلکہ قرآن و حدیث کی آیات و روایات کا ایک ایک لفظ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ معراج آپ کو جسمانی ہوئی روحانی نہیں ہوئی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس بارے میں ایک بڑے پتے کی بات فرمائی اور یہ اس بارے میں ایک ایسی دلیل ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ سید صاحبؒ فرماتے ہیں:

> ''اس (جسمانی معراج) کے ثبوت کا صاف اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ کلام کا فطری قاعدہ یہ ہے کہ جب تک متکلم اپنے کلام میں ظاہر نہ کر دے کہ یہ خواب تھا تو طبعاً یہی سمجھا جائے گا کہ یہ واقعہ بحالت بیداری پیش آیا۔ قرآن پاک کے ان الفاظ میں ''سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا '' (پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو ایک رات لے گیا) میں کسی خواب کی تصریح نہیں، اس لیے بے شبہ یہ بیداری ہی کا واقعہ سمجھا جائے گا اور یہی جمہور امت کا عقیدہ ہے اور وہ بھی بجسم۔'' (۱)

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب المعراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۳/ ۳۹۵

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے لیے سفر اسراء و معراج میں براق کا لایا جانا

سفر اسراء و معراج (Ascension) میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے براق لایا گیا۔ براق ایک سواری تھی جو گدھے سے بڑی اور خچر سے چھوٹی تھی اور اپنی رفتار کی سرعت اور تیزی کے لحاظ سے برق (بجلی) سے زیادہ تیز تھی۔ بعض روایات میں اس کا رنگ سفید تھا اور بعض میں سفید اور سیاہ دو رنگ آئے ہیں۔ براق کاٹھی اور لگام وغیرہ سے مرصع اور مزین تھی۔ امام زرقانیؒ نے لکھا ہے کہ براق پر سوار ہو کر آپ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے۔ جبرئیل امین آپ کے ساتھ تھے۔ مسجد اقصیٰ پہنچ کر جبرئیل نے اس کھونٹے کے ساتھ براق کو باندھ دیا جس کے ساتھ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے۔ اور آپ نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ (۱)

حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں صحیح روایت کے مطابق اس جسد عنصری کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر فرمایا جو کہ براق پر تھا، اور وہاں مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی اور براق کو مسجد کے حلقہ سے باندھا۔ (۲)

بعض روایات میں ہے کہ براق ایک جنتی جانور ہے جو خچر سے کچھ چھوٹا اور

۱۔ زرقانی: ۷/ ۲۰۳ – ۲۰۴

۲۔ زاد المعاد، باب الاسراء والمعراج: ۳/ ۳۴، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۱/ ۱۷۲، مسند احمد، کتاب الاخلاق، الباب الثانی فی الاخلاق والافعال المذمونہ: ۱/ ۲۵۷

گدھے سے کچھ بڑا، سفید رنگ اور برق رفتار تھا جس کا ایک قدم منتہائے نگاہ پر پڑتا تھا۔ جب سرکار دو عالم ﷺ اس پر سوار ہوئے تو وہ شوخی کرنے لگا۔ جبرئیل امین نے کہا: ''اے براق یہ کیسی شوخی ہے؟ ''تیری پشت پر آج تک سرکار مدینہ ﷺ سے زیادہ کوئی مکرم و محترم انسان سوار نہیں ہوا۔ براق عرق ندامت سے شرابور ہو گیا اور سرورکائنات ﷺ کو لے کر روانہ ہوا۔ سیدنا جبریل اور سیدنا میکائیل آپ کے ہم رکاب تھے اور اس شان سے سرکار دو عالم ﷺ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جبرئیل امین آپ ﷺ کے ردیف بنے یعنی آپ کے پیچھے براق پر سوار ہوئے۔ (۱)

یارب صل وسلم دائما ابدا　　علی حبیبک خیر الخلق کلھم

۱۔ ملاحظہ ہو زرقانی و خصائص کبریٰ وغیرہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو شق القمر کا معجزہ عطا کیا جانا

ویسے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر معجزہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر فوقیت رکھتا ہے لیکن معجزہ شق القمر آپ کے خصائص میں سے ایک خصوصی اور امتیازی شان کا حامل ہے۔ نبی اور رسول چونکہ اللہ تعالیٰ کا اس دنیا میں ایک نمائندہ ہوتا ہے اس وجہ سے اس کی صداقت کی گواہی کائنات کا ذرہ ذرہ دیتا ہے۔ نہ صرف اس کرۂ ارض کی چیزیں اس کی صداقت کا ثبوت فراہم کرتی ہیں بلکہ زمین و آسمان، چاند اور سورج اور کائنات سفلی اور کائنات علوی کی ہر شی اس کی صداقت کا راگ الاپتی ہے۔ اسی وجہ سے بخاری اور مسلم کی روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نبی جہاد کے لیے گیا اور عصر کے وقت یا اس کے قریب اس بستی کے پاس وہ اپنے لشکر کو لے کر پہنچا جہاں اس نے جہاد کرنا تھا۔ اس پیغمبر نے آفتاب سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''تجھے غروب ہونے کا حکم ہے اور مجھے جہاد کرنے کا۔ اے اللہ! تھوڑی دیر کے لیے تو اس کو غروب ہونے سے روک دے۔'' چنانچہ سورج ٹھیر گیا یا آج کے نظریہ حرکت زمین کے تحت زمین کی گردش ہی رک گئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو جہاد میں فتح عطا فرما دی۔ بعض روایات کے مطابق یہ پیغمبر سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام تھے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر شق قمر کا معجزہ وقوع پذیر ہوا جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ، وَاِنْ يَّرَوْا آيَةً يُّعْرِضُوْا

وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ، وَّكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا اَهْوَاءَ هُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ﴾ (۱)

''قیامت نزدیک آ گئی اور چاند شق ہو گیا، اگر کافر کوئی سا بھی نشان دیکھیں تو اس سے اعراض ہی کریں کہ یہ تو جادو ہے، اور انہوں نے (خدا کے رسول کو) جھٹلایا اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور ہر کام کا ایک انجام ہے۔''

بعض حضرات قرب قیامت کی مناسبت سے اس کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ قیامت کا واقعہ ہے۔ اگر یہ قیامت کا واقعہ ہوتا تو اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ یہ کیوں فرماتے کہ ''یہ کافر اگر کوئی نشان دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور یہ کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہوتا آیا ہے۔'' قیامت سامنے آ جانے کے بعد کافر کے انکار کے کیا معنی؟ اور اس کو ''سحر مستمر'' کہنا کیونکر درست اور صحیح ہو سکتا ہے؟

اس بارے میں سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وہ انہیں اپنی نبوت و رسالت پر دلالت کرنے والی کوئی نشانی دکھائیں۔

﴿فَاَرَاهُمُ انْشَاقَّ الْقَمَرِ مَرَّتَيْنِ﴾ (۲)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چاند کا دو ٹکڑے ہونا دو مرتبہ دکھایا۔''

بخاری کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

﴿فَاَرَاهُمُ الْقَمَرَ شِقَّتَيْنِ حَتّٰى رَاَوْا حِرَاءَ بَيْنَهُمَا﴾ (۳)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چاند دو حصوں میں بٹا ہوا دکھایا اس طرح کہ انہوں نے جبل حراء کو دونوں حصوں کے درمیان دیکھا۔''

۱۔ القمر: ۱۔۳

۲۔ مسلم، کتاب صفة المنافقين و احكامهم، باب انشقاق القمر، رقم الحديث: ۶۹۴۹، بخاری، کتاب المناقب، باب انشقاق القمر

۳۔ بخاری:

اس سلسلہ میں ایک اور حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

﴿بَیْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِنیٰ اِذَا انْفَلَقَ الْقَمَرُ فِلْقَتَیْنِ، فَکَانَتْ فِلْقَةٌ وَرَآءَ الْجَبَلِ وَفِلْقَةٌ دُوْنَهٗ، فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اشْهَدُوْا﴾(۱)

''ہم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا پھٹ کر پہاڑ کے پیچھے چلا گیا اور دوسرا دوسری طرف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا: ''گواہ رہو۔''

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

﴿اِنَّ الْقَمَرَ انْشَقَّ عَلیٰ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ﴾(۲)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں چاند پھٹ گیا۔''

اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

﴿اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلیٰ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِشِقَّتَیْنِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اشْهَدُوْا﴾(۳)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں چاند پھٹ گیا۔ اس پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گواہ رہو۔''

مسند امام احمد بن حنبلؒ میں ایک روایت سیدنا جبیر بن مطعمؓ سے مروی ہے جس میں کچھ تفصیل ان الفاظ میں ہے کہ:

۱۔ مسلم، کتاب صفة المنافقین، باب انشقاق القمر، رقم الحدیث ۶۹۴۵

۲۔ مسلم، کتاب صفة المنافقین، باب انشقاق القمر، رقم الحدیث: ۶۹۵۲

۳۔ مسلم، کتاب صفة المنافقین، باب انشقاق القمر، رقم الحدیث: ۶۹۴۷

﴿انشق القمر علیٰ عھد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم حتی صار فرقتین، علی ھذا الجبل وعلیٰ ھذا الجبل، فقالوا سحرنا محمد (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) فقال بعضھم، لئن کان سحرنا ما یستطیع ان یسحرنا الناس کلھم﴾(۱)

''سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ میں چاند کے دوٹکڑے ہو گئے۔ چاند کا ایک حصہ اس پہاڑ پر تھا اور دوسرا حصہ دوسرے پہاڑ پر تھا۔ اس پر قریش مکہ نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا ہے (العیاذ باللہ) اس پر بعض قریش مکہ نے کہا کہ کوئی تمام لوگوں پر جادو کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔''

امام زرینؒ نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے:

﴿فکانوا یتلقون الرکبان فیخبرونھم انھم قد رأوہ فیکذبوھم﴾(۲)

''سوار قریش مکہ سے ملتے تھے تو انہوں نے بھی بتایا کہ انہوں نے چاند کو دوٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ اس پر قریش مکہ ان کی تکذیب کرتے اور انہیں جھٹلاتے تھے۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی وہ روایت جس کو امام ابوداؤد الطیالسیؒ نے روایت کیا ہے، اس میں کچھ اسی قسم کے الفاظ ہیں۔ (۳)

علامہ سید محمود آلوسیؒ مفتی بغداد فرماتے ہیں:

''ابونعیم نے سند ضعیف کے ساتھ دلائل النبوۃ میں سیدنا ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ میں مشرکین

۱۔ مسند احمد، کتاب الثالث من حرف العین، فصل الثانی فی احکام العتق، الباب الثالث فی انواع العلوم المذمومہ والمحمودہ: ۴/ ۸۲

۲۔ جامع الاصول: ۱۱/ ۲۹۸

۳۔ منحۃ المعبود: ۲/ ۱۲۳

مکہ اکٹھے ہوئے، ان میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبد یغوث، اسد بن عبدالمطلب، ربیعہ بن اسود اور نضر بن حارث تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارے لیے چاند کے دو ٹکڑے کر دیں جس کا نصف جبل ابوقبیس پر ہو اور نصف قینقاع پر ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اگر میں نے ایسا کیا تو تم ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا ضرور۔ وہ چودھویں کے چاند کی رات تھی۔ پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہ الوہیت میں دست بدعا ہوئے کہ ان کا یہ مطالبہ پورا ہو جائے۔ پھر اس رات چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اس کا نصف ٹکڑا جبل بوقبیس پر تھا اور نصف ٹکڑا قینقاع پر، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے: ''اے ابوسلمہ بن عبدالاسد! اے ارقم بن ارقم! گواہ رہو۔ شق القمر کے بارے میں اس کے علاوہ اور کثرت سے احادیث صحیحہ وارد ہیں، اور ان کے متواتر ہونے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ غیر متواتر ہیں۔ میر سید شریف نے شرح مواقف کی بھی یہی رائے ہے۔ امام تاج الدین سبکی نے ابن حاجب کی ''المختصر'' کی شرح میں لکھا ہے:

﴿اَلصَّحِیْحُ عِنْدِیْ اَنَّ اِنْشِقَاقَ الْقَمَرِ مُتَوَاتِرٌ مَنْصُوْصٌ عَلَیْهِ فِی الْقُرْآنِ مَرْوِیٌّ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَغَیْرِهِمَا مِنْ طُرُقٍ شَتّٰی بِحَیْثُ لَا یَمْتَرٰی فِیْ تَوَاتُرِهٖ﴾

''میرے نزدیک انشقاق قمر کی احادیث متواتر ہیں اور قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے۔''

اور صحیحین اور دوسری کتابوں میں روایات ہیں لہٰذا ان کے متواتر ہونے میں کوئی شک نہیں۔

''سیدنا انس بن مالکؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا حذیفہؓ، سیدنا جبیر بن مطعمؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ وغیرہم سے اس سلسلہ میں بکثرت احادیث مروی ہیں، البتہ ان میں سے بعض صحابہ کرامؓ اس موقع پر حاضر نہ تھے جیسے سیدنا ابن عباسؓ، یہ اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے، اور جیسے سیدنا انسؓ یہ اس وقت مدینہ منورہ میں تھے اور ان کی عمر چار پانچ سال تھی۔ ان کی روایات مراسیل صحابہ ہیں لیکن اس سے ان احادیث کی صحت میں کوئی اثر نہیں پڑتا۔ صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ چاند اس وقت دو ٹکڑے ہوا جب ہم سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے۔ اور سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ یہ معجزہ اس وقت ہوا جب آپ مکہ میں تھے۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ان سے مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس معجزہ کا ظہور ہجرت سے پہلے مکہ میں ہوا تھا۔''(۱)

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض احادیث میں کہ انشقاق قمر دو بار ہوا۔ کیا یہ ایک بار ہوا یا دو بار؟ اس پر علماء نے بہت کچھ لکھا ہے، لیکن علامہ محمود آلوسیؒ نے اس بات کے بارے میں بڑی تفصیل دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ

''حافظ ابوالفضل عراقی نے لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ دو مرتبہ شق القمر ہوا کیونکہ عبد بن حمید نے، حاکم نے اپنی تصحیح کے ساتھ، ابن مردویہ نے اور امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی ہجرت مدینہ سے قبل میں نے مکہ میں دو مرتبہ چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے، لیکن حافظ ابوالفضل عراقی کا اس مسئلہ پر اجماع کا دعویٰ

۱۔ روح المعانی: ۲۷/۷۴

کرنا نا قابل تسلیم ہے کیونکہ المواہب میں حافظ ابن حجرؒ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ چاند کے ایک مرتبہ شق ہونے پر تو اجماع ہے لیکن اس کے دوبارہ شق ہونے پر اجماع نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ علمائے حدیث میں سے کسی نے اس پر اعتماد نہیں کیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں دو مرتبہ چاند شق ہوا، اور جن احادیث میں دوبار کا لفظ موجود ہے اس سے مراد دو ٹکڑے ہونا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجرؒ کی یہ تاویل درست اور صحیح نہیں ہے کیونکہ روایت میں یہ موجود ہے کہ میں نے دوبار چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ میرے نزدیک اس کی صحیح تاویل یہ ہے کہ دوبار کا تعلق دیکھنے سے ہے ٹکڑے ہونے سے نہیں۔ یعنی اس ایک واقعہ کو انہوں نے اپنی آنکھیں مل مل کر دوبار دیکھا، یہ مطلب نہیں کہ یہ واقعہ دوبار دیکھا۔ چنانچہ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابو نعیم نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اہل مکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت آئے اور کہا کہ کیا آپ کے پاس کوئی نشانی ہے جس سے ہمیں یہ پتہ چلے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ اس وقت جبرئیل نے حاضر ہو کر کہا: ''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! اہل مکہ سے کہیں کہ وہ اس رات اکٹھے ہو جائیں اور وہ ایک نشانی دیکھ لیں گے۔ جبرئیل امین کے کہنے کے مطابق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ سے اسی طرح فرما دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے کے مطابق یہ لوگ اس رات اکٹھے ہوئے۔ وہ چاند کی چودھویں رات تھی۔ سب لوگوں نے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ نصف صفا پر اور نصف مروہ پر۔ یہ منظر دیکھ کر انہیں اپنی آنکھوں پر دھوکہ ہونے لگا۔ وہ بار بار اپنی آنکھیں مل مل کر یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہتا کہ اس

نے تین بار چاند کو شق ہوتے دیکھا تھا کہ یہ بھی بلا شبہ صحیح ہوتا اور اس سے لازم نہ آتا کہ واقع میں چاند تین بار دو ٹکڑے ہوا ہے۔ اس لیے سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے کلام کو اسی طرز پر محمول کرنا چاہیے تاکہ مختلف احادیث میں تعارض نہ ہو۔'' (۱)

اب ایک سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ شق القمر ہوا تو باقی دنیا نے اس کو کیوں نہ دیکھا۔ اس کے بارے میں علامہ نوویؒ نے لکھا ہے:

''قاضی عیاضؒ نے کہا ہے کہ شق القمر سرکار دو عالم ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے اس کو بہت سے صحابہ کرامؓ نے روایت کیا ہے، علاوہ ازیں قرآن حکیم میں بھی اس کا ذکر ہے۔ عقلی طور پر اس میں انکار کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ چاند اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے اور جس قسم کا چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے، بعض ملحدین نے یہ اعتراض کیا ہے اگر یہ معجزہ وجود میں آیا ہوتا تو یہ تواتر کے ساتھ منقول ہوتا اور تمام روئے زمین کے لوگوں کو اس کا علم ہوتا اور یہ صرف اہل مکہ کے علم میں نہ ہوتا۔ علماء نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ شق القمر کا واقعہ رات کو رونما ہوا تھا، اور اس وقت لوگ سوئے ہوئے تھے اور اس کا پہلے سے باقاعدہ پوری دنیا میں اعلان نہیں کیا گیا تھا کہ لوگ جاگ کر اس کا انتظار کر رہے ہوتے۔ پھر یہ معجزہ ایک لمحہ میں رونما ہوا تھا، اور باقی آدھی سے زیادہ دنیا میں اس وقت دن تھا۔'' (۲)

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنی کتاب خطبات مدراس میں لکھا ہے کہ حال ہی میں ایک پرانی کتاب ملی ہے جس میں لکھا ہے کہ مالابار کے راجہ نے اپنی آنکھوں سے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب شمائل رسول پر لکھا ہے۔

۱۔ روح المعانی لسید محمود آلوسی : ۲۷ / ۷۵

۲۔ نووی شرح مسلم : ۲ / ۳۷۳

﴿وَذَكَرَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْمُسَافِرِيْنَ اَنَّهُمْ شَاهَدُوْا هَيْكَلاً بِالْهِنْدِ مَكْتُوْبًا عَلَيْهِ اَنَّهُ بَنٰى فِي اللَّيْلَةِ الَّتِيْ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ فِيْهَا﴾ (۱)

''بہت سے آنے والے مسافروں نے بتایا ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں ایک مندر دیکھا ہے جس کے اوپر لکھا ہوا ہے کہ اس مندر کی بنیاد اس رات کو رکھی گئی جس رات کو چاند شق ہوا تھا۔''

اس بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ:

''ہجرت سے پیشتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''منیٰ'' میں تشریف فرما تھے۔ کفار کا مجمع تھا انہوں نے آپ سے کوئی نشانی طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''آسمان کی طرف دیکھو۔'' ناگاہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ان میں سے مغرب کی اور دوسرا مشرق کی طرف چلا گیا۔ بیچ میں پہاڑ حائل تھا۔ جب سب نے خوب اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا تو دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ کفار کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاند پر یا ہم پر جادو کر دیا ہے۔ اس معجزہ کو ''شق القمر'' کہتے ہیں۔ اور یہ ایک نمونہ اور نشانی تھی قیامت کی کہ آگے سب کچھ یوں ہی پھٹے گا۔ طحاویؒ اور ابن کثیرؒ وغیرہ نے اس واقعہ کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور کسی دلیل عقلی سے آج تک اس طرح کے واقعات کا محال ہونا ثابت نہیں کیا جا سکا، اور محض استبعاد کی بناء پر ایسی قطعی الثبوت چیزوں کو رد نہیں کیا جا سکتا، بلکہ استبعاد تو اعجاز کے لیے لازم ہے۔ روزمرہ کے معمولی واقعات کو ''معجزہ'' کون کہے گا۔ باقی رہا یہ کہنا کہ ''شق القمر'' اگر واقع ہوا ہوتا تو تاریخوں میں اس کا وجود کیوں نہیں؟ تو یاد رہے کہ یہ قصہ رات کا ہے۔ بعض ملکوں میں تو اختلاف مطالع کی وجہ سے

۱۔ شمائل الرسول: ص ۱۴۴

اس وقت دن ہوگا، اور بعض جگہ آدھی رات ہوگی۔ لوگ عموماً سوتے ہوں گے، اور جہاں بیدار ہوں گے اور کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہوں گے تو عادةً یہ ضروری نہیں کہ سب آسمان کی طرف تک رہے ہوں۔ زمین پر جو چاندنی پھیلی ہوگی بشرطیکہ مطلع صاف ہو، اس میں دوٹکڑے ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر یہ تھوڑی دیر کا قصہ تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بارہا چاند گرہن ہوتا ہے اور خاصہ ممتد رہتا ہے لیکن لاکھوں انسانوں کو خبر بھی نہیں ہوتی، اور اس زمانہ میں آج کل کی طرح رصد وغیرہ کے اتنے وسیع و مکمل انتظامات اور تقاویم (جنتریوں) کی اس قدر اشاعت بھی نہ تھی۔ بہرحال تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس کی تکذیب نہیں ہوسکتی۔ بایں ہمہ ''تاریخ فرشتہ'' وغیرہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ہندوستان میں مہاراجہ ''مالیبار'' کے اسلام کا سبب اسی واقعہ کو لکھتے ہیں۔ (۱)

یہ معجزہ قدیم زمانہ ہی سے فلاسفہ قدیم اور علمائے متکلمین کے نزدیک معرکۃ الآراء رہا ہے فلاسفہ قدیم کا اعتقاد یہ ہے کہ اجرام فلکی میں خرق والتیام محال ہے، اس لیے شق قمر ناممکن ہے۔ لیکن جدید طبیعات اور سائنس نے پرانے فلسفہ کے ہر اصول کو ختم کر کے رکھ دیا ہے اور ہماری معلومات کے زمین و آسمانوں کو بدل کر رکھ دیا ہے، لہٰذا اس زمانہ میں یہ ساری فلسفیانہ موشگافیاں بیکار ہیں۔ ہمارا اس بارے میں سیدھا سادھا یہی ایک جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منکرین نبوت کو ان کی خواہش کے مطابق ایک نشانی دکھائی۔ وہ قادر مطلق ہے۔ وہ چاند تو کیا سورج کو بھی روک سکتا ہے۔ اس کو ہر قسم کی قدرت حاصل ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ.

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ نے سرکار دو عالم ﷺ کے معجزہ شق القمر کے بارے میں ایک بڑے پتہ کی بات فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ تفسیر عثمانی: ص ۷۰۱

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ شق القمر (سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام کے حبس شمس کے معجزہ سے بڑھ کر معجزہ ہے، کیونکہ کسی جسم کا ساکن ہو جانا اتنا عجیب نہیں جتنا کہ ایک مضبوط جسم کے دو ٹکڑے ہو جانا عجیب ہے۔'' (۱)

بعض حضرات اس معجزہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کسی تاریخ میں نہیں لکھا ہوا ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہوا تھا، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اگر ایسے وقائع کا ذکر تاریخوں میں لکھا جانا ضروری ہے تو اس اندھیری کا کون سی تاریخ میں ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی دینے کے دن واقع ہوئی تھی، اور اس ستارہ کا کون سی کتاب میں ذکر ہے جو سیدنا عیسیٰ کے تولد کے دنوں میں نمایاں ہوا تھا، اور آفتاب کے ساکن رہنے کا کہاں کہاں چرچا ہے اور کون کون سی کتاب میں ذکر ہے۔ علی ہذا القیاس اور وقائع کو خیال فرما لیجیے۔ علاوہ بریں دن کے واقعات اور رات کے حوادث میں عالم اطلاع کے لحاظ سے زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے، خاص کر اندھیری رات ہو جانا (یعنی دن میں) کہ اس کی اطلاع تو ہر کس و ناکس کو ضرور ہونی چاہیے۔ انشاق القمر کی اطلاع تو سوائے ان صاحبوں کے ضروری نہیں جو اس وقت بیدار ہوں اور پھر نگاہ بھی ان کی چاند ہی کی طرف لگ رہی ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ بات رات کے وقت بہت کم اتفاق میں آتی ہے کہ انسان بیدار بھی ہو اور اس کی نگاہ بھی چاند کی طرف ہو۔ اور اگر فرض کیجیے کہ موسم سرما ہو تو یہ بات اور بھی مستبعد ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں طلوع قمر کے تھوڑی دیر بعد یہ واقع ہوا تھا، اس لیے جبل حراء کے دونوں ٹکڑوں کے بیچ

۱۔ حجة الاسلام: ص ۳۳

میں حائل ہو جانے کا ذکر آتا ہے۔ اس صورت میں ممالک مغرب
میں تو اس وقت عجب نہیں کہ طلوع بھی نہ ہوا ہو۔ اور بعض بعض
مواقع میں عجب نہیں ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کی آڑ میں آ گیا ہو،
اور اس لیے انشقاق قمر اس جگہ محسوس نہ ہوا ہو۔ ہاں ہندوستان میں
اس جگہ ارتفاع قمر البتہ زیادہ ہو گا، اور اس لیے وہاں اور جگہ کی
نسبت اس کی اطلاع کا زیادہ احتمال ہے، اس وقت ہندوستان میں
ارتفاع قمر زیادہ ہو گا ویسے ہی اس وقت رات بھی آدھی ہو گی، اور
ظاہر ہے کہ اس وقت کون جاگتا ہوتا ہے۔ سوائے اس کے
ہندوستانیوں کو قدیم سے اس طرف توجہ ہی نہیں کہ تاریخ لکھا
کریں۔ بایں ہمہ تاریخوں میں موجود ہے کہ یہاں پر ایک راجہ
نے اس رات میں واقعہ بچشم خود دیکھا ہے۔" (۱)

بعض مستند علماء نے جن میں شاہ ولی اللہؒ اور امام غزالیؒ وغیرہ بھی شامل ہیں، یہ لکھا ہے کہ "درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں کو چاند دو ٹکڑے نظر آیا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں ہی ایسا تصرف کر دیا تھا کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا۔"

حضرت مولانا سید بدر عالم قدس سرہ اس بات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ معجزہ اور سحر میں فرق یہی
ہے کہ سحر میں صرف نظر بندی ہوتی ہے اور معجزہ میں انقلاب حقیقت
ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن میں "انشق القمر" (چاند
پھٹ گیا) اس کی دلیل ہے کہ اس واقعہ میں جو تصرف کیا گیا تھا وہ
چاند میں تھا، اس لیے اس کو قیامت کی دلیل قرار دیا گیا۔ (۲)

بہرحال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور آپ سے پہلے کسی نبی کو ایسا معجزہ عطا نہیں ہوا جس کا تعلق اجرام فلکی سے ہو۔

۱۔ حجۃ الاسلام: ۴۸، ۴۹

۲۔ ترجمان السنۃ: ۴/ ۱۶۷

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے لیے فرشتوں کی معیت اور قتال

فرشتوں کی معیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک انمول خصوصیت ہے، جہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جاتے فرشتے آپ کے پیچھے چلتے اور بدر وحنین میں فرشتوں نے آپ کی معیت (Company) میں قتال بھی کیا۔ چنانچہ ابن سعد نے سیدنا جابرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: میرے آگے چلا کرو اور میری پشت کو فرشتوں کے لیے خالی چھوڑ دیا کرو۔ (اِمْشُوْا اَمَامِیْ وَ خَلُّوْا ظَهْرِیْ لِلْمَلَائِکَةِ)۔(۱)

مختلف روایات میں ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی امداد کے لیے فرشتے آئے ہوئے تھے۔ اور کافروں کی مدد کے لیے شیطان اپنے لاؤلشکر کو لے کر آیا ہوا تھا۔ حافظ ابن قیمؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ ابلیس لعین غزوہ بدر میں سراقہ بن مالک مدلجی جو بنو کنانہ کے اشراف میں سے تھا، کی شکل میں آیا ہوا تھا' لیکن جب اس نے فرشتوں کو دیکھا تو الٹے پاؤں بھاگنے لگا' لیکن حارث ابن ہشام نے اسے پکڑ لیا کیونکہ وہ اسے واقعی سراقہ سمجھ رہا تھا۔ ابلیس نے حارث بن ہشام کے سینے پر ایک ایسی دوہتڑ ماری کہ وہ گر گیا اور ابلیس بھاگ نکلا۔ اس کا بھاگنا دیکھ کر مشرکین نے کہا: سراقہ تم کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ تم تو ہمارے مددگاروں میں سے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہے۔ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے' اور اللہ تعالیٰ بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔ اور اس کے بعد بھاگ کر وہ سمندر میں جا رہا۔ اس نے اپنے ہم جنسوں اور ہم نواؤں کو اطمینان دلایا تھا کہ

۱۔ زرقانی: ۷/ ۲۰۵

﴿لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ﴾ (١)

''ان لوگوں میں سے کوئی بھی آج تم پر غالب نہ آ سکے گا اور میں
تمہارا مددگار اور پشت پناہ ہوں۔'' (٢)

علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ چونکہ اس غزوہ میں ابلیس بھی اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ مشرکین کی مدد کے لیے آیا ہوا تھا' اور ملائکہ کے سامنے شیطانی طاقتیں ہرگز نہیں ٹھہر سکتیں' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی امداد کے لیے جبرئیل' میکائیل اور اسرافیل کی قیادت میں آسمان سے فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا۔ ابلیس کے آدمی بنی مدلج کی شکل میں تھے اس وجہ سے اللہ نے فرشتوں کو بھی انسانوں کی شکل میں بھیجا۔ (٣)

فرشتوں کا نزول اس جنگ میں نہ صرف مسلمانوں نے دیکھا تھا بلکہ کافروں کو بھی اس کا احساس ہو گیا تھا۔ چنانچہ غزوہ بدر سے شکست کھا کر جب قریش کے آدمی واپس مکہ پہنچے تو کچھ لوگوں نے ابولہب سے روداد جنگ بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ ہم نے دیکھا کہ بہت سے گورے چٹے آدمی جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے' زمین سے لے کر آسمان تک فضا میں چھائے ہوئے تھے۔ اس کے برعکس جب مسلمانوں کے فاتح اور کامیاب لشکر کو مدینہ طیبہ کے لوگ مبارک باد دے رہے تھے تو سیدنا سلمہ بن سلامہؓ نے فرمایا: مبارک باد کی کیا بات ہے؟ واللہ' جو ہمارے مقابلہ پر تھے' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بوڑھی عورتیں ہیں یا پابستہ (Encumbered) اونٹنیاں۔ یہ سب فرشتوں کے نزول کی برکت تھی۔

قرآن حکیم میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرشتوں سے فرمایا:

''میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اہل ایمان کے قدم جماؤ۔ میں
کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دوں گا''۔ (٤)

١۔ انفال: ٤٨

٢۔ زاد المعاد، فصل ظهور ابليس في صورة سُراقه: ٣ / ١٨١، ابن هشام: ١ / ٦٢٣، ابن كثير: ٢ / ٤٣٢

٣۔ زرقاني: ١ / ٤٢٣، روض الانف: ٢ / ٨٨، خصائص: ١ / ٦٣٣

٤۔ الانفال: ١٢

پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی فرمائی:

''اس وقت کو یاد کرو جب تم اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے تھے۔ پس اللہ نے تمہاری دعا قبول کر لی کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا جو پے در پے آنے والے ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو تمہاری بشارت بنایا تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ مدد درحقیقت اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے' بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے''۔ (۱)

چنانچہ ملائکہ کا نزول ہوا اور نصرت خداوندی آئی اور دشمن کے حوصلے پست ہوئے اور صحابہ کرامؓ کی ہمتیں بلند ہوئیں۔ کوئی صحابی کسی دشمن پر تلوار اٹھاتا تو اس کے تلوار مارنے سے پہلے دشمن کا سر کٹ جاتا۔ ابن سعد کی روایت میں ہے اور روایت کرنے والے عکرمہؓ ہیں کہ اس روز دشمن کا سر کٹ کر گرتا لیکن یہ پتہ نہ چلتا کہ اسے کس نے مارا ہے؟ اور دشمن کا ہاتھ کٹ کر گرتا اور یہ پتہ نہ چلتا کہ کس نے کاٹا ہے۔ (۲)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک اس مشرک کے اوپر کوڑا پڑنے کی آواز آئی اور ایک شہ سوار کی آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا ''حیزوم آگے بڑھ''۔ مسلمان نے مشرک کو اپنے آگے دیکھا کہ وہ چت گرا۔ مسلمان نے اسے دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ کا نشان تھا۔ چہرہ پھٹا ہوا تھا جیسے وہ کوڑے سے مارا گیا ہو۔ اس انصاری نے بارگاہ رسالت پناہ میں آ کر یہ واقعہ بیان کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو یہ تیسرے آسمان کی مدد تھی۔ (۳)

۱۔ ۸:۹، زرقانی: ۱/ ۴۲۱، فتح الباری: ۷/ ۲۷۵

۲۔ طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۵ - ۲۶، عیون الاثر: ۱/ ۳۹۶

۳۔ مسلم، کتاب الجهاد، باب امداد بالملئكة: ۲/ ۹۳، زاد المعاد، فصل ظهور ابليس في صورة سراقه: ۳/ ۱۸۳

امام زرقانی نے لکھا ہے کہ حیزوم حضرت جبریل کے گھوڑے کا نام ہے۔(۱)

ابوداوٗد المازنی فرماتے ہیں کہ میں ایک مشرک کو مارنے کے لیے اس کا پیچھا کر رہا تھا لیکن میری تلوار اس تک پہنچنے کے قبل ہی اس کا سر کٹ کر جدا ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ اس کو کسی اور نے قتل کیا ہے۔(۲)

ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے اختتام کے بعد میں نے تین آدمیوں کے سر، سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لا کر رکھے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ان دو کو تو میں نے قتل کیا ہے اور اس تیسرے کو ایک لمبے قد والے سفید رنگ کے آدمی نے قتل کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ فرشتہ تھا۔(۳)

فرشتوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ:

﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾(٤)

''ان کی گردنوں کو مار دو اور ہاتھ پاؤں کی ایک ایک پور پر مارو۔''

اسی وجہ سے سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فرشتوں نے بھی قتال میں حصہ لیا۔ بدر کے علاوہ دوسرے غزوات میں بھی فرشتے مدد کرتے رہے۔ ان کی آمد سے مجاہدین اسلام کے حوصلے بلند ہوئے اور ان کی ہمتیں بڑھیں۔(٥)

سیدنا عباسؓ بھی اس جنگ میں مشرکین مکہ کی طرف سے شریک تھے۔ یہ نہایت بھاری بھرکم تھے۔ دراز قد اور جسم گتھا ہوا۔ ایک لاغر اور خستہ و پستہ اندام انصاری

۱۔ زرقانی: ۱ / ۴۲۶

۲۔ زاد المعاد، فصل ظهور ابليس في صورة سُراقه: ۳ / ۱۸۳، سيرة ابن هشام: ۱ / ۶۳۳، مسند احمد، كتاب الفتن والاهواء والاختلاف، باب الرابع في فتن الصحابه: ۵/ ۴۵۰ و سنده حسن

۳۔ خصائص كبرىٰ: ۱ / ۲۰۱

٤۔ انفال: ۱۲

٥۔ خصائص كبرىٰ بيهقي: ۱/ ۲۰۱، عيون الاثر: ۱ / ۴۰۱

ابوالیسر کعب بن عمرؓ نے انہیں پکڑ کر ان کی مشکیں کس دیں۔ کوئی شخص باور نہیں کر سکتا تھا کہ کعب بن عمرؓ جیسا نحیف و نزار شخص انہیں گرفتار کر سکتا ہے۔ خود سیدنا عباسؓ بھی فرماتے تھے کہ بخدا اس شخص (ابوالیسرؓ) نے مجھے گرفتار نہیں کیا بلکہ مجھے گرفتار کرنے والا ایک نہایت خوبصورت اور گورا چٹا انسان تھا' وہ ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار تھا۔ میں نے اس کو لشکر میں دیکھا ہی نہیں تھا۔ (۱)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالیسرؓ سے پوچھا کہ تم نے عباسؓ کو کیسے گرفتار کیا؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک شخص نے میری مدد کی۔ وہ شخص بالکل اجنبی تھا کہ میں نے اسے اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ بعد میں وہ کبھی نظر آیا۔ آپؐ نے فرمایا: وہ فرشتہ تھا۔ (۲)

حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اس انصاری نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! عباسؓ کو میں نے گرفتار کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خاموش رہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کی معرفت ان کی گرفتاری میں تیری مدد کی۔ (فَقَدْ اَیَّدَکَ اللّٰہُ بِمَلَکٍ کَرِیْمٍ) (۳)

اس طرح کے اور کئی واقعات کتابوں میں آتے ہیں جن کے نقل کرنے کا یہ موقع نہیں لیکن اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ فرشتے آپ کے لیے میدان جنگ میں آپ کے دشمنوں سے برسر پیکار ہوئے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

۱۔ زاد المعاد، فصل ظهور ابليس فى صورة سراقه: ۳/ ۱۸۳

۲۔ البدايه و النهايه : ۳/ ۳۷۸

۳۔ زاد المعاد : ۳/ ۱۸۳

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پر نازل کردہ کتاب قرآن حکیم، ایک علمی اعجاز

حق تعالیٰ شانہ اپنے نبیوں اور رسولوں کو کچھ نشانیاں دے کر بھیجتا ہے جن سے ایک عام آدمی انہیں پہچانتا ہے کہ یہ لوگ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں ان نشانیوں کو ''آیات''، ''بینات'' اور ''براہین'' کہتے ہیں۔ مطلب ان تینوں الفاظ کا قریباً ایک ہی ہے کیونکہ معجزہ نبوت کی نشانی، علامت اور دلیل ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۱)

''بے شک ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور میزان تاکہ لوگ سیدھے رہیں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿فَذَانِکَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَّبِّکَ﴾ (۲)

''یہ دونوں تیرے رب کی طرف سے دلیلیں ہیں۔''

قبل اس کے کہ ہم قرآن حکیم کے اعجاز پر کوئی بحث کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے معجزہ کی عام فہم تعریف کر دی جائے تاکہ معجزہ کا صحیح مفہوم ذہن میں آسکے۔

۱۔ الحدید: ۲۵

۲۔ القصص: ۳۲

معجزہ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہر شی کو ایک ماہیت پر پیدا فرمایا ہے۔ اس ماہیت کو بدل دینا کسی شخص کی قدرت میں نہیں ہے، لہٰذا اس شی کی ماہیت کو بدل دینا شریعت کی اصطلاح میں معجزہ کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدہا بن گیا اور سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی پہاڑ سے پیدا ہوئی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی انگشت شہادت سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا، یہ سب معجزات ہیں کیونکہ ان سب میں ماہیت کا بدلنا ہے۔

بعض علماء نے معجزہ کی تعریف یہ کی ہے کہ جو امر بلا اسباب عادیہ خلاف عادت نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ معجزہ کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک آدمی کا کھانا ایک آدمی کو سیر کر دے تو یہ معجزہ نہیں ہے کیونکہ معمول اور عادت یہ ہے کہ ایک آدمی کے کھانے سے ایک آدمی سیر ہو جاتا، لیکن اگر ایک آدمی کا کھانا کئی سو آدمیوں کو سیر کر دے تو یہ معجزہ کہلائے گا کیونکہ ایسا ہونا خلاف عادت ہے۔

امام قرطبیؒ نے اپنے تفسیر کے مقدمہ میں معجزہ کی تعریف یہ کی:

﴿سُمِّيَتْ مُعْجِزَةً لِاَنَّ الْبَشَرَ يُعْجِزُوْنَ عَنِ الْاِتْيَانِ بِمِثْلِهَا﴾ (۱)

''معجزہ کو اس لیے معجزہ کہتے ہیں کہ انسان اس کی مثل لانے سے عاجز ہے۔''

امام قرطبیؒ نے اس کی پانچ شرائط ذکر کی ہیں جو ان کی تفسیر میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ (۲)

حافظ ابن حجرؒ نے معجزہ کی تعریف یوں کی ہے:

''معجزہ کو اس لیے معجزہ کہا جاتا ہے کہ جن کے سامنے وہ پیش کیا جاتا ہے وہ

۱۔ تفسیر قرطبی: ۱/ ۶۹

۲۔ قرطبی: ۱/ ۶۹۔ ۷۱

اس کے معارضہ سے عاجز آجاتے ہیں۔ اور معجزہ میں حرف تا مبالغہ کے لیے ہے، یا لفظ معجزہ صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے۔ (۱)

ایسا ہی قاضی عیاضؒ نے شفا جلد ۱ ص ۱۲۲، امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے الیواقیت والجواہر: جلد ۱ ص ۱۵۸، علامہ کمال الدین ابن ابی شریعہ نے المسامرہ جلد ۲ ص ۸۹ پر ذکر کیا ہے۔ علامہ تفتازانیؒ نے شرح المقاصد جلد ۲ ص ۱۵۷۔ ۱۷۹ پر بھی اس پر کافی بحث کی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے معجزہ کی جو تعریف فرمائی ہے اس میں وہ سب کچھ بیان فرما دیا ہے جو بیسیوں کتابوں کا مطالعہ کر کے بھی شاید معلوم نہ ہو سکے۔

آپ فرماتے ہیں:

> ''معجزہ صرف یہ ہے کہ ان کے صدور میں اسباب طبعیہ کو اصلاً دخل نہیں ہوتا، نہ جلیہ کو نہ خفیہ کو، نہ صاحب معجزہ کی کسی قوت کو، نہ خارجی قوت کو، وہ براہ راست حق تعالیٰ کی مشیت سے بلا توسط اسباب عادیہ کے واقع ہوتا ہے جیسا کہ صادر اول بلا کسی واسطہ کے صادر ہوا، پھر قیامت تک بھی کوئی شخص اس میں سبب طبعی نہیں بتلا سکتا کیونکہ معدوم کو موجود کون ثابت کر سکتا ہے، ورنہ اگر معجزہ سے کسی زمانہ خاص میں صاحب معجزہ کی تائید ہو جاتی تو دوسرے زمانہ میں اس کے سبب خفی بتلانے سے اس کی تکذیب ہو جاتی تو کسی نبی کی نبوت پر یقین موید نہ ہو سکتا۔ وہکذا کما تری۔ یہی سبب ہے کہ معجزہ پر اس کے جنس کے ماہرین نے کوئی سبب خفی بتلا کر باقاعدہ شبہ نہیں کیا، نہ اس کی مثل کو ظاہر کر کے مقاومت کر سکے بالخصوص اگر نبی کی قوت اس کا سبب ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اپنے معجزہ سے خود نہ ڈر جاتے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعض فرمائشی

۱۔ فتح الباری: ۶ / ۶۲۴

معجزات کی تمنا پر نہ فرمایا جاتا:

﴿فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ﴾

''اور استناد الی الاسباب الخفیہ کے احتمال پر معجزہ و دیگر عجائب طبعیہ میں کوئی فرق واقعی نہ رہتا۔''(۱)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ معجزہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لفظ معجزہ اعجاز سے مشتق ہے جس کے معنی عاجز کر دینے کے ہیں۔ جو فعل نبی کے ہاتھ سے ایسا ظاہر ہو کہ قدرت بشری اس کام کے کرنے سے عاجز ہو جس کے دیکھتے ہی لوگ سمجھ جائیں کہ یہ قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے۔ بشری اور انسانی قدرت سے کہیں بالا تر اور برتر ہے کیونکہ جو کام قدرت بشری سے خارج ہوگا لامحالہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہوگا۔ فعل خداوندی اور فعل انسانی میں امتیاز کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ معلوم ہوا کہ معجزہ کا ظہور اگرچہ نبی کے ہاتھ پر ہوتا ہے مگر وہ نبی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے ''وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى'' اور اسی وجہ سے قرآن حکیم نے جابجا معجزات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے دریا کو پھاڑا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ بردو سلام بنی۔ معلوم ہوا کہ معجزہ کسی سبب اور علت کا نتیجہ نہیں بلکہ براہ راست ہوتا ہے۔ نصاریٰ نے حضرۃ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو حضرۃ عیسیٰ کا ذاتی فعل سمجھا اس لیے ان کو خدا بنالیا۔(۲)

۱۔ بوادر النوادر: ۲/ ۳۸۲

۲۔ اصول اسلام: / ۳۴۔ ۳۵

معجزہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے:

معجزہ دلیل نبوت ہوتا ہے دنیا میں انبیاء علیہم السلام نے جتنے معجزات بھی پیش کیے ان کو صرف دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) اخبار بالغیب (۲) تصرف فی الکائنات

اخبار بالغیب سے ان کے علمی کمالات کا اظہار ہوتا ہے جب کہ تصرف فی الکائنات سے ان کی عملی قوت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ان دونوں اشیاء کا نبوت کے ساتھ ربط ہے۔

حکیم الاسلام حضرۃ مولانا قاری محمد طیب قاسمی قدس سرہ نے معجزہ کے دلیل نبوت ہونے پر بڑی عمدہ بحث فرمائی ہے۔ ان کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے تاکہ بات زیادہ واضح ہو جائے۔ حضرت حکیم الاسلامؒ فرماتے ہیں:

''نبوت ایک دعویٰ ہے کہ میں اللہ کی طرف سے آیا ہوں، میں قانون لے کر آیا ہوں، اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کہ جو میں کہوں گا وہی حق ہوگا، اس کے سوا اور کوئی چیز حق نہیں ہو سکتی، اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کہ جو میں کہوں گا وہ قطعی ہوگا اس میں تذبذب کی بھی گنجائش نہیں، اس پر ایمان لانا پڑے گا اور اس درجہ کا ایمان کہ اس میں شک کی گنجائش ہے نہ تذبذب کی۔ تو اتنا عظیم دعویٰ کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں، خدا کی طرف سے کتاب لایا ہوں، خدا کی طرف سے دعویٰ لے کر آیا ہوں۔ ان دعوؤں کے دلائل میں انبیاء کو وہ عجیب چیزیں دی جاتی ہیں کہ دنیا میں تمام مخلوق انہیں کر کے نہیں دکھلا سکتی، وہ چیزیں نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہیں۔ نبی گویا تصرف کرتے ہیں آسمانی چیزوں میں بھی اور زمینی چیزوں میں بھی، علویات میں بھی ان کے اثرات پہنچتے ہیں اور سفلیات میں بھی ان کے اثرات پہنچتے ہیں۔''

''اسی کو معجزہ کہتے ہیں کہ خرق عادت کے طور پر وہ باتیں دکھلانا کہ دنیا ان کی مثال پیش کرنے اور ان جیسا کام کرنے سے عاجز رہ جائے۔ یہ اس کی دلیل ہوتی ہے کہ بے شک یہ خدا کی طرف سے آیا ہے۔ خدا نے اس کے ہاتھ پر وہ قوتیں ظاہر کی ہیں کہ جن قوتوں کے ہوتے ہوئے یہی کہا جائے گا کہ یہ فرستادہ خداوندی ہے۔ ذاتی طور پر کوئی دعویٰ لے کر نہیں آیا، خدا کی طرف سے آیا ہے، یہ بطور سند کے چیزیں پیش کی جارہی ہیں۔''

''تو انبیاء کو معجزات دیئے جاتے ہیں۔ معجزہ خرق عادت ہوتا ہے۔ عادت کے طور پر جو افعال ہوتے ہیں ان سے بالاتر ہوتا ہے، اسی لیے کہ معجزہ درحقیقت خدا کا فعل ہوتا ہے، اس واسطے بشر کو ماننا پڑتا ہے کہ یہ خدائی چیزیں ہیں اور یہ بھی خدا کا فرستادہ ہے۔ خدا نے اپنے افعال اس کے ساتھ کیے ہیں تو یقیناً خدا کے اقوال بھی اس کے ساتھ ہیں۔ جب افعال سے مدد کی جارہی ہے تو اقوال بھی یہ ضرور خدا ہی کی طرف سے نقل کر رہا ہے۔ تو حق تعالیٰ اقوال دیتے ہیں اور نبی کے ساتھ اپنے افعال کرتے ہیں۔ تاکہ وہ قول وفعل کی حقانیت اور صداقت کی دلیل بن جائے۔ وہ نبی کی صداقت کے لیے ہوتے ہیں، اس لیے معجزہ دلیل نبوت ہوتا ہے۔''

''ابراہیم علیہ السلام کی نار کو گلزار بنا دیا گیا۔ عادتاً یہ چیز مستبعد ہے اور ممکن نہیں ہے کہ آگ ٹھنڈک کا کام دے اور بردوسلام بن جائے۔ یہ یقیناً خرق عادت ہے جب یہ معجزہ ایک ذات اقدس پر ظاہر ہوا۔ یقیناً سمجھنے والوں نے یہ سمجھا کہ یہ خدا کی طرف سے ہے، بندوں کے ہاتھ میں یہ قوت نہیں۔

''حضرت صالح علیہ السلام نے پتھر میں سے اونٹنی نکالی۔ وہ چرتی بھی تھی اور کھاتی بھی تھی۔ اس کے بچہ بھی ہوا۔ یقیناً عادتاً یہ چیز

مستبعد ہے کہ پتھر کے اندر سے جاندار پیدا ہو اور جاندار بھی غیر معمولی کہ قد و قامت بھی اتنا طویل و عریض کہ عام اونٹنیوں کا قد و قامت اتنا نہیں ہوتا۔ کھانا بھی اس کا ایسا عجیب و غریب کہ چرنے پہ آئی تو ایک دم سارے کھیت چر گئی۔ پینے پہ آئی تو تالاب خشک کر دیئے۔''

''یہ ساری چیزیں خوارق تھیں۔ عادت کے مطابق نہیں تھیں۔ ان افعال کو دیکھ کر دلوں نے یقین کر لیا کہ یہ بے شک فرستادۂ خدا ہے۔ کسی نے مانا اگر دل میں تسلیم و رضا آ گئی۔ کسی نے نہ مانا اور عناد اور جحود کا جذبہ پیدا ہو گیا، مگر یہ تسلیم ضرور کیا کہ یقیناً یہ کوئی غیر معمولی چیز ہے جو خدا کی طرف سے ہے۔''

''تو نارِ خلیل ایک معجزہ ہے۔ ناقۂ صالح ایک معجزہ ہے، ید بیضاء بھی ایک معجزہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ہاتھ گریبان میں ڈالتے ہیں اور جب نکالتے ہیں تو سورج کی طرح روشنی پڑ رہی ہے۔''

''عادتاً یہ چیز بعید ہے کہ کوئی شخص گریبان میں ہاتھ ڈالے اور نکلے تو وہ سورج بن جائے۔ عصائے موسیٰ یقیناً معجزہ ہے کہ اس کو پتھر پر مارتے ہیں تو بارہ چشمے بہ پڑتے ہیں، بہتے ہوئے پانی پر مارتے ہیں تو وہ پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے اور بارہ راستے بن جاتے ہیں۔ تو جامد کو سیال بنا دیا اور سیال کو جامد یعنی انقلاب ماہیت پیدا کر دینا یقیناً خرق عادت ہے۔ عادتاً یہ چیز مستبعد ہے کہ دریا کا پانی خود بخود رک جائے، راستے بن جائیں یا ایک لاٹھی مارنے سے پتھر سے چشمے بہ پڑیں۔ خود لاٹھی معجزہ ہے کہ ہاتھ میں اسے رکھو لاٹھی ہے اور کسی چیز پر مارو یا پھینکو تو اژدہا بن کر لہرائے یا پھنانے لگے۔ یہ یقیناً معجزہ ہے۔ عادتاً یہ چیز نہیں ہوتی کہ لاٹھی ہاتھ میں لو تو لاٹھی اور پھینکو تو اژدہا بن جائے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کواحیائے موتی اور ابرائے اکمہ اور برص یہ معجزات دیئے گئے۔''

''تو تمام انبیاء کو کچھ سندیں ایسی دی گئیں کہ جن سندوں کے ذریعے سے لوگ باور کرسکیں کہ یہ اللہ کا بھیجا ہوا ہے اور جو کچھ یہ قول کہہ رہا ہے جب کہ یہ فعل اس کے ساتھ ہیں تو یقیناً یہ قول بھی خدا ہی کا ہے جس کو یہ نقل کر رہا ہے۔''

''تو جیسے افعال کے حق میں وہ مظہر ہے کہ کارفرمائیاں قدرت کی ظاہر ہو رہی ہیں اور جائے ظہور بنا ہوا ہے نبی کا بدن، اسی طرح سے یقیناً جو یہ کلام کر رہا ہے اس میں زبان اگرچہ اس کی ہے مگر قول خدا کا ہے۔

﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ (۱)

''یہ نبی کا قول نبی کی ذات کا قول نہیں ہے خدا کا قول ہے جو اس کی زبان سے ظاہر ہو رہا ہے۔''

''تو چاہے ہاتھ پر معجزہ ظاہر ہو یا زبان پر کلام ظاہر ہو، نبوت کی حقانیت کے لیے معجزہ دلیل ہوتا ہے، تو نبوت درحقیقت ایک دعویٰ ہے اور معجزات اس کے لیے بمنزلہ دلیل کے۔'' (۲)

مختصر یہ کہ معجزہ دلیل ہوتی ہے نبی کے حق ہونے کی، اور نبی کی ذات دلیل ہوتی ہے احکام کے حق ہونے کی، اس لیے احکام کو ذات کی حقانیت سے پہچانا جائے گا اور ذات کی حقانیت معجزات سے پہچانی جائے گی۔

معجزات کی اقسام:

معجزات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) علمی معجزات (۲) عملی معجزات

۱۔ النجم: ۳،۴

۲۔ معجزہ کیا ہے؟ ص ۳۶۔۴۱

جس طرح عملی معجزات دلیل نبوت ہیں اسی طرح علمی معجزات بھی دلیل نبوت ہیں۔ دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے صرف عملی معجزات عطا فرمائے کوئی علمی معجزہ انہیں عطا نہیں فرمایا لیکن اس کے برعکس سرکار دو عالم ﷺ کو عملی معجزات بھی عطا فرمائے اور ایک علمی معجزہ بھی عطا فرمایا۔ اور وہ معجزہ ہے قرآن حکیم۔ کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ جس قوم میں مبعوث ہوئے تھے، اس قوم کا مابہ الافتخار سرمایہ فصاحت و بلاغت تھا۔ اس میدان میں کوئی ان سے گوئے سبقت نہیں لے جا سکتا تھا، لہٰذا ضروری تھا رسول اللہ ﷺ کو وہ معجزہ عطا کیا جاتا جو فصاحت و بلاغت میں ان سب کو مات دے دیتا۔ چنانچہ آپ کو قرآن حکیم کا معجزہ دیا گیا جس کی فصاحت و بلاغت کے آگے عرب کے سارے فصحاء و بلغاء دبے پڑے تھے

تیرے آگے سب ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زبان نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

جب قرآن حکیم کو نازل کیا گیا تو پوری تحدی سے یہ کہا گیا

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ، لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ، وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (۱)

"یعنی اگر سب جن اور انسان مجتمع ہو جائیں اور اس قرآن کا مثل لانا چاہیں تو اس کا مثل نہیں لا سکتے، اگرچہ ان کے بعض بعض کے معاون و مددگار بن جائیں۔"

پہلے تو قرآن کا مثل لانے کا چیلنج کیا گیا، پھر تنزل کر کے فرمایا:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ، قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ﴾ (۲)

۱۔ بنی اسرائیل: ۸۸

۲۔ ہود: ۱۳

''یعنی تم کہتے ہو کہ یہ اختراع کردہ کلام ہے تو اس قسم کی اختراع کردہ دس سورتیں تم بھی لے آؤ۔''

پھر اور تنزل فرمایا اور کہا:

﴿فَاتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ (۱)

''ایک ہی سورت اس جیسی بنالاؤ۔''

سورہ میں بھی یہ قید نہیں لگائی کہ سورۃ بقرہ جیسی اڑھائی پارے کی ہی سورت لاؤ بلکہ اگر تم سورۃ الکوثر جیسی چھوٹی سی سورت ہی بنالاؤ تو پھر بھی قابل قبول ہے۔

اندازہ فرمائیں کہ ایک امی جس نے کسی استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، وہ اس قوم کو چیلنج دے رہا ہے جو خود ساری دنیا کو فصاحت و بلاغت میں چیلنج دیتی تھی، لیکن وہ قوم اس معجزہ کی نظیر پیش نہ کرسکی۔ چنانچہ اس نے سمجھ لیا کہ یہ بشری کلام نہیں۔ یہ بشر کی طاقت سے خارج ہے کیونکہ اس قدر فصاحت و بلاغت سے کلام کا بھرا ہوا ہونا اعجاز خداوندی ہے۔ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عملی معجزات دیئے گئے جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتی وغیرہ۔ یہ سارے معجزات ان انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ختم ہو گئے کیونکہ عمل عامل کے جانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ آج دنیا میں نہ تو عصائے موسیٰ ہے اور نہ ہی ید بیضاء اور نہ ہی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی احیاء موتی ہے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہاں عملی معجزات عطا فرمائے گئے وہاں قرآن حکیم جیسا ایک علمی معجزہ بھی عطا فرمایا گیا جو آج بھی موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ یہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اور اس کی صفت قدیمہ ہے، لہٰذا قیامت تک باقی رہے گا اور تمام دنیا اس کی نظیر لانے سے قاصر رہے گی۔ پھر معجزہ چونکہ دلیل نبوت ہے اور آپ کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اب کسی نبی نے نہیں آنا، اس لیے قرآن حکیم بھی قیامت تک کے لیے ہے۔ تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ چودہ سو سال

۱۔ بقرہ: ۲۳

میں آج تک کوئی متنفس قرآن حکیم کے اس دعویٰ کی تردید نہیں کر سکا، اور تردید کرنا تو بڑی بات ہے تردید کرنے کی ہمت اور جرأت تک نہیں کر سکا۔ کفار نے اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے ہر حربہ اختیار کیا، بڑی بڑی جنگیں لڑیں، لیکن ایک چھوٹی سی سورت بنا کر پیش نہ کر سکے۔

قرآن حکیم کے معجزہ ہونے کے بارے میں سیدنا ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث میں مروی ہے جس میں سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿مَامِنَ الْاَنْبِیَاءِ نَبِیٌّ اِلَّا اُعْطِیَ مِنَ الآیَاتِ مَا مِثْلُهُ اُوْمِنَ اَوْ اٰمَنَ عَلَیْهِ الْبَشَرُ، وَاِنَّمَا كَانَ الَّذِیْ اُوْتِیْتُهُ وَحْیاً اَوْحَاهُ اللّٰهُ اِلَیَّ، فَاَرْجُوْا اَنِّیْ اَكْثَرُهُمْ تَابِعاً یَوْمَ الْقِیَامَةِ﴾ (۱)

''ہر نبی کو اتنے ہی معجزے دیئے گئے جنہیں دیکھ کر لوگ ایمان لائے، لیکن جو معجزہ مجھے دیا گیا وہ وحی یعنی قرآن حکیم کا معجزہ ہے۔ پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز تمام انبیاء سے میرے امتی تعداد میں زیادہ ہوں گے۔''

اعجاز القرآن:

قرآن حکیم کے معجزہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کی ایک معجزانہ شان ہے۔ مفردات الفاظ، ترکیب کلمات، اسلوب بیان، خلوص مقاصد، جامعیت مضامین، ربط آیات اور انتہائے بلاغت وغیرہ کے لحاظ سے دانشوران عالم اور دنیا کے فصحاء و بلغا، اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ عربی میں ایک محاورہ ہے ''قدر الشهادة بقدر الشهـــود'' شہادت کی عظمت شاہدوں سے ہوتی ہے۔ اگر شاہد عادل اور صادق ہے تو اس کی شہادت بھی سچی ہوگی، اور اگر شاہد میں کچھ کھوٹ ہے تو اس کی شہادت بھی کھوٹی ہوگی۔ اس طرح کلام کی عظمت اور وقعت بھی متکلم سے ظاہر ہوتی ہے، جس درجے کا متکلم ہوگا اسی درجے کا اس کا کلام ہوگا۔

۱۔ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب كیف نزل الوحی، رقم الحدیث ۴۸۴۶،
مسلم رقم الحدیث: ۱۵۲، مسند احمد: ۲ / ۴۵۱، بیهقی: ۹ / ۴

عظمت کلام کے لیے چند چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

علماء نے لکھا ہے کہ کسی کلام کی وقعت اور عظمت کے لحاظ سے چند چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ جس کلام میں یہ چیزیں ہوں گی وہ کلام عظیم ہوگا۔

(۱) ان میں سب سے پہلے شی علم وفضل ہے۔ اگر متکلم عالم و فاضل ہوگا تو اس کا کلام بھی بلند و برتر ہوگا، فصیح و بلیغ ہوگا۔ اور اگر متکلم جاہل اور بے علم ہوگا تو اس کے کلام سے جہالت وحماقت ٹپکتی ہوگی، اور آدمی اس کے کلام کو سن کر ہی یہ کہہ دے گا کہ یہ کسی جاہل اور احمق کا کلام ہے۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ کسی کلام کے عظیم اور فصیح و بلیغ ہونے کے لیے سب سے پہلی چیز علم اور خبر ہے۔

(۲) دوسری شی دانش وفہم ہے کیونکہ عالم کے لیے عاقل ہونا بھی ضروری ہے، تاکہ اس کا کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو۔ اگر عقل و دانش اور فہم وفراست نہ ہوگی تو کلام بھدا اور غیر مؤثر ہوگا۔

(۳) تیسری شی منصب اور مقام ہے۔ کلام کرنے والا اگر عظیم منصب پر فائز ہے۔ صاحب حیثیت ومنصب ہے تو اس کا کلام بھی بلند اور برتر ہوگا۔ چنانچہ کسی ملک کا صدر یا وزیراعظم کوئی کلام کرتا ہے تو اس کے کلام کا ایک ایک لفظ جچا تلا ہوگا، مقتضائے حال کے مطابق ہوگا، اور سننے والے کے دل پر اثر بھی ہوگا اور اس کی وقعت بھی پیدا ہوگی کیونکہ کلام ایک شخص کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

چنانچہ شیخ سعدیؒ نے بالکل صحیح فرمایا

تامرد سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جب یہ بات مسلم ہے کہ جس شخص کا جتنا بڑا علم ہوگا اتنا ہی اس کا کلام بھی بڑا ہوگا، اور جس قدر کسی کا منصب بلند ہوگا اس کا کلام بھی اتنا ہی بلند ہوگا۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو حق تعالیٰ شانہ کی ذات ہر لحاظ سے بلند و برتر ہے۔ علم اس کا لامحدود، ہر غیب و حاضر کا وہ جاننے والا۔ وہ جس طرح بادل کی گرج کو سنتا ہے اسی طرح زمین کی

تہ میں چکنے پتھر پر جو چیونٹی چل رہی ہے اس کے رینگنے کی آواز کو بھی وہ سنتا ہے۔ پھر وہ سمیع و بصیر ہے، علیم بذات الصدور ہے یعنی دلوں کے مخفی رازوں کو بھی جاننے والا ہے، اس لیے اس کا کلام بھی ظاہر و باطن پر حکمران ہوگا اور جامع ترین اور عظیم ترین ہوگا، اس میں ہر لحاظ سے جامعیت ہوگی، فصاحت بھی اعلیٰ، بلاغت بھی اعلیٰ اور بداعت بھی اعلیٰ ترین ہوگی اور ایسی ہوگی کہ اس کی نہ کوئی حد ہوگی اور نہ نہایت۔ انسانی کلام کتنا ہی فصیح و بلیغ اور اعلیٰ قسم کا کیوں نہ ہو لیکن اس سے بہتر ممکن تو ہوگا کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اس سے بہتر فصیح و بلیغ انسان پیدا ہو جائے، لیکن حق تعالیٰ شانہ جو کلام فرمائے گا اس سے بہتر یوں ممکن نہیں کہ نہ خدا کی نظیر ہے اور نہ اس کے کلام کی نظیر ہو سکتی ہے، نہ اس کے کوئی مثل ہے اور نہ اس کے کلام کا کوئی مثل ہے۔ اس لیے فرمایا گیا:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (۱)

"اس کی ذات کا کوئی مثل اور نظیر نہیں ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے۔"

جب اس کی ذات بے چون اور بے چگون ہے اور اس کی صفات کی کوئی نظیر نہیں تو پھر اس کے افعال کی بھی کوئی نظیر کیسے ہوگی۔ اس کی صفات میں سے کلام بھی ایک صفت ہے۔ کلام کرنے کا حق تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ مخلوق تو اس کے پرتو سے متکلم بن گئی۔ موجود حقیقی وہ ہے اس کے وجود کا پرتو پڑ گیا تو ہم بھی موجود کہلانے لگے ورنہ ہم میں کوئی اپنا ذاتی اور اصلی وجود نہیں ہے۔

خدائی کام اور خدائی کلام:

جس طرح خدا کے کام کی کوئی نظیر اور مثل نہیں اسی طرح خدا کے کلام کی بھی کوئی مثل نہیں۔ موجودہ زمانہ میں انسان نے سائنسی لحاظ سے کس قدر ترقی کی۔ ستاروں پر کمندیں ڈالیں، چاند کی مٹی لے کر زمین پر آیا، سمندر میں تیرا، خلاؤں میں اڑنے لگا، لاسلکی، فیکس اور موبائل فون کے پیغامات نے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، لیکن مچھر اور مکھی کا ایک پر نہ بنا سکا۔ زراعت میں ترقی کر کے سبز انقلاب لایا، گلاب کے کئی رنگ

۱۔ الشوریٰ: ۱۲

کے پھول اگائے لیکن زمین کی مٹی کا ایک ذرہ نہ بنا سکا۔ آج سے کروڑوں سال قبل بھی مادہ میں یہ سب طاقتیں رکھی گئی تھیں، لیکن موجودہ انسان نے اپنے ذہن سے کئی قسم کے انکشافات کیے۔ فطرت کے خزانے اول دن سے زمین کے اوپر موجود تھے۔ انسان کے اندر ضروری ذہنی صلاحیت بھی قدیم ترین زمانہ سے پائی جاتی رہی ہے۔ صرف چند سو سال قبل انسان نے ان قدرتی خزانوں کو استعمال کرنے کی کوشش کی۔ اس نے ایٹم کو توڑا، ایٹم کی طاقتوں کو اپنے قبضہ میں کیا، ستاروں کی گزرگاہوں کو ڈھونڈا، کہکشاؤں کا پتہ چلایا، لیکن انسانی گوشت کا ایک ٹکڑا پیدا نہ کر سکا، ایک مکھی کو عدم سے وجود میں نہ لا سکا۔

جب خدائی کاموں کا یہ حال ہے تو خدائی کلام کا حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ بڑے بڑے فصحاء و بلغاء دنیا میں پیدا ہوئے لیکن قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ نہ کر سکے۔ قرآن کے نزول کے وقت عرب کے ہر قبیلہ میں آتش بیان خطباء اور زبان دان اور شعراء موجود تھے، لیکن قرآن کی زبان نے سب کی زبانیں گنگ کر دیں۔

کفار مکہ نے دین اسلام کو ختم کرنے کے لیے کیا کیا کوششیں نہیں کیں، اپنے عزیزوں اور جگر پاروں کو جنگ کے میدانوں میں قربان کیا، خود اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھا، اپنے دین و کیش کو برباد کیا، دولت مندوں نے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے، خطباء اور شعراء نے اپنی آتش بیانیوں سے تمام ریگستانِ عرب کو تنور بنا دیا، لیکن قرآن کے چیلنج کے باوجود ایک سورت تو کیا ایک آیت بھی اس کے مقابلہ میں بنا کر نہ لا سکے۔ جب وہ اہل زبان اس کے مقابلہ سے عاجز تھے تو اس کے بعد کے لوگوں کے لیے تو یہ عجز اور درماندگی اور زیادہ نمایاں ہے۔ لبید عرب کے مشہور شاعر اور سبعہ معلقہ کی بزم مشاعرہ کے ایک اہم رکن تھے۔ ان کے اسلام لانے کے بعد ایک روز سیدنا عمرؓ نے ان سے چند اشعار کی فرمائش کی، اس فرمائش کا جو جواب انہوں نے دیا وہ سننے کے قابل ہے۔ فرمایا:

"جب خدا نے مجھے کو سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران سکھائی تو مجھے اب شعر کہنا زیبا نہیں دیتا۔ (۱)

یہ گویا عجز اور درماندگی کا اظہار تھا جو بڑے لطیف پیرائے میں کیا گیا

۱۔ الاستیعاب لابن عبدالبر ترجمہ لبید

تیرے آگے سب ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زبان نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں

پتہ چلا کہ قرآن حقیقتاً معجزہ ہے کیونکہ معجزہ کے معنی یہی ہیں کہ تمام دنیا اس جیسی نظیر لانے سے عاجز آجائے۔ اللہ تعالیٰ کی جس قدر صفات ہیں وہ سب اعجازی ہیں۔ کوئی مخلوق انہیں نہیں لاسکتا اور نہ بنا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان بنایا، زمین بنائی، چاند اور سورج بنائے لیکن یہ چاند وسورج تو اوپر ہیں جن تک ابھی آپ کی رسائی نہیں ہوتی۔ یہ زمین جورات دن آپ کے قدموں تلے پامال ہوتی ہے اس کا ایک ذرہ آپ نہیں بنا سکتے۔ اس زمین سے کام تو لے سکتے ہیں، اس کے ذروں کو جوڑ کر آپ مختلف چیزیں بنا سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معجزہ ہے اس ذات کا بنایا ہوا جس کا علم لامحدود، قوت لامحدود، اقتدار لامحدود، اور اس کی ذات اور صفات لامحدود، یعنی "لایحدو لا یتصور" تو جتنے کام اللہ کے ہیں وہ سب معجزات ہیں۔ ساری دنیا ان کے کرنے میں عاجز ودرماندہ ہے۔

ماں کے پیٹ میں بچہ بنتا ہے تو باپ کو کچھ خبر نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ کارخانہ قدرت کا کام جاری ہے۔ بچہ بن رہا ہے اور صورت بنائی جارہی ہے۔ ایک قطرہ پانی پر تصویر کھینچی، صورت بنائی، نقش بنائے، نہ ماں کچھ کرسکتی ہے اور نہ باپ۔ خالق اللہ تعالیٰ ہیں۔ نہ ماں خالق اور نہ باپ، اس لیے قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿أَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ﴾ (۱)

"اس کو تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔"

تو جیسے اللہ کا ہر کام اپنی نظیر نہیں رکھتا اسی طرح اللہ کا کلام بھی اپنی مثل اور نظیر نہیں رکھتا۔ اسی وجہ سے چودہ سو سال قبل اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اہل عرب کو بلکہ تمام دنیا کو، اور نہ صرف اس زمانہ کے لیے بلکہ قیامت تک کے لیے یہ چیلنج دے دیا کہ

﴿عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ (۲)

"اس قرآن کا مثل لاؤ۔"

۱۔ الواقعہ: ۵۹

۲۔ بنی اسرآئیل: ۸۸

لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے علم کی وجہ سے پتہ تھا کہ دنیا کا کوئی انسان اس کا مثل نہ لا سکے گا، لہٰذا فرمایا:

﴿لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ، وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ (۱)

''یہ اس کی مثل بالکل نہیں لا سکتے چاہے سب مل کر ایک دوسرے کی مدد کریں۔''

اور پھر اور تنزل فرما کر اعلان کیا:

﴿فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ﴾

''ایک ہی سورت اس جیسی بنا لاؤ۔''

پھر اس سے تنزل فرما کر یہ کہا:

﴿فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ، إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ﴾

''اگر تم دعویٰ میں سچے ہو تو ایک بات ہی اس جیسی بنا لاؤ یعنی ایک آیت ہی اس جیسی بنا لاؤ۔''

پھر جس شخصیت کے منہ سے یہ چیلنج نکلوایا وہ خود امی تھا۔ کسی مدرسہ میں کسی استاذ کے سامنے اس نے کبھی بھی زانوے تلمذ تہ نہیں کیا تھا۔ اس اعلان اور چیلنج نے مخالفین اسلام اور دشمنان قرآن کی ادبی غیرت کو بھڑکایا لیکن وہ قرآن جیسی ایک آیت بھی بنا کر نہ لا سکے۔

حدیث میں بھی قرآن حکیم کے اعجاز کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کو خاص خاص معجزات ایسے نہ دیئے گئے جن کے مناسب لوگ ان پر ایمان لائے۔

﴿وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ﴾ (۲)

''اس ''اَوْحَاهُ اِلَيَّ'' سے مراد کتاب اللہ یعنی قرآن حکیم ہے جس کو آپ نے معجزہ فرمایا۔''

۱۔ بنی اسرائیل: ۸۸

۲۔ بخاری: ۲ / ۷۴۴، / ۱۰۸۰، البدایہ: ۶ / ۶۹

مختصر یہ کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور جس طرح خدائی کام اور بندوں کے کام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ایسے ہی خدائی کلام میں اور بندوں کے کلام میں اتنا ہی فرق ہے جتنا خدا اور بندے میں فرق ہے، قرآن حکیم چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لہٰذا یہ بے مثل اور بے نظیر ہے۔ مخلوق میں سے کوئی شخص خواہ وہ عربی ہو یا عجمی اس کی نظیر لانے سے قاصر ہے۔

مفردات الفاظ اور تراکیب کلمات:

قرآن حکیم کا معجزہ ہونا اس وجہ ہی سے کافی ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، لیکن اس کے علاوہ قرآن حکیم کے اعجاز کے اور کئی وجوہ ہیں جن میں سے ایک مفردات الفاظ اور تراکیب کلمات ہے۔ مفردات الفاظ اور کلمات کی تراکیب کے لحاظ سے بھی قرآن حکیم ایک معجزہ ہے، کیونکہ کوئی شخص اس لحاظ سے بھی قرآن حکیم سے اعلیٰ الفاظ اور تراکیب استعمال نہیں کر سکتا۔ سارا قرآن پڑھ جایئے، ایک لفظ بھی آپ کو غیر فصیح یا غیر اوفی بالحقیقۃ نظر نہیں آئے گا۔ ہر لفظ جس مقام پر آیا ہے وہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اسی مقام پر استعمال ہونے کے قابل تھا۔ اس کے بجائے اگر کوئی دوسرا لفظ استعمال ہوتا تو وہ اس مقام کے مناسب نہ تھا۔ عربی زبان ذخیرۂ الفاظ کے لحاظ سے دنیا کی دولت مند ترین زبانوں میں سے ہے۔ اسی وجہ سے امام سیوطیؒ نے الاتقان میں لکھا ہے کہ مکمل عربی زبان کو سوائے نبی کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اس زبان میں الفاظ کا ذخیرہ اس قدر ہے کہ دور جاہلیت میں ''موت'' کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے قریباً بائیس الفاظ تھے، لیکن قرآن حکیم نے ان تمام ثقیل الفاظ کو استعمال نہیں کیا بلکہ ان کے بجائے صرف دو لفظ استعمال کیے۔ ''موت''، اور ''توفی''۔ لفظ توفی کا لغوی معنی تھا، ''اخذ الشئی وافیاً'' یعنی کسی شی کو پورا پورا لینا۔ یہ لفظ استعمال کر کے قرآن حکیم نے یہ بھی بتا دیا کہ موت کا مفہوم اسلام میں وہ نہیں ہے جو دوسرے مذاہب و ادیان میں ہے۔ دوسرے مذاہب میں موت کا مفہوم ہے ابدی فنا لیکن اسلام میں اس کا مفہوم ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ موت کے لیے اس سے قبل یہ لفظ کبھی کسی نے استعمال نہیں کیا تھا۔

اسی طرح اللہ کے راستہ میں قتل ہونے کے لیے لفظ ''شہادت'' سب سے پہلے قرآن نے استعمال کیا۔ اس سے قبل یہ لفظ اس مفہوم میں استعمال نہیں ہوا تھا۔

اسی طرح اس مفہوم کو بیان کرنے کے لیے کہ مرد عورت پر حاکم ہے ''الذی علیھا'' کے الفاظ استعمال کیے۔ اور عورتوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے اس قدر حسین انداز اختیار کیا کہ اہل زبان عش عش کر اٹھے۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (۱)

''اور عورتوں کے حقوق ہیں جیسا کہ ان کے حقوق ہیں جو ان پر حاکم ہیں۔''

تراکیب کا اعجاز:

یہ تو کلمات والفاظ کی بحث تھی۔ قرآن حکیم نے جو تراکیب استعمال کیں وہ بھی اعجاز ہیں۔ قرآن حکیم نے مشرکین کی ذہنی پستی کو بیان کرنا تھا کہ انہوں نے جنوں کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھیرا لیا۔ اس کے لیے یوں بھی کہا جا سکتا تھا بلکہ ظاہر قیاس سے یہی اس کی تعبیر ہوسکتی تھی کہ

﴿وَجَعَلُوا الْجِنَّ شُرَکَاءَ لِلّٰهِ﴾

''انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھیرالیا۔''

لیکن قرآن نے اس مفہوم کو جن الفاظ میں ادا کیا اس سے اس مفہوم کے حسن میں چند در چند اضافہ ہو گیا اور مشرکین کی ذہنی پستی بھی عیاں ہوگئی۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَکَاءَ الْجِنَّ﴾ (۲)

''اور ٹھیرائے انہوں نے اللہ کے شریک جن۔''

قدیم عرب میں غارت گری اور قتل ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ قصاص لینا ان

۱۔ البقرہ: ۲۲۸

۲۔ الانعام: ۱۰۰

کے لیے نہایت ضروری سمجھا جاتا تھا۔ قرآن حکیم نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا۔

﴿ولکم فی القصاص حیاۃ، یا اولی الالباب﴾ (۱)

''اے صاحبان عقل و دانش! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔''

دنیا کی بے ثباتی اور موت کے یقینی ہونے کے بارے میں قرآن نے جو اسلوب اختیار کیا، پورے عربی ادب میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ قرآن نے ارشاد فرمایا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (۲)

''ہر جان موت کا ذائقہ چکھنے والی ہے۔''

اسی طرح سیدنا یوسف علیہ السلام کی عظمت کو نہایت عجیب اور نفیس پیرایہ میں بیان فرمایا:

﴿كَذَالِكَ لِنُصْرِفَ عَنْهُ السُّوٓءَ وَالْفَحْشَآءَ﴾ (۳)

''اور اسی طرح ہوا کہ ہم ہٹائیں اس (یوسف علیہ السلام) سے برائی اور بے حیائی کو۔''

یہاں یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے یوسف کو برائی اور بے حیائی سے ہٹا دیا بلکہ تعبیر یہ اختیار کی کہ برائی اور بے حیائی کو یوسف علیہ السلام سے ہٹا دیا کیونکہ پہلے اسلوب سے یہ مفہوم بھی ہوسکتا تھا کہ شاید یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی برائی اور بے حیائی کا داعیہ پیدا ہوا ہو اور ان کو ان دونوں سے پرے ہٹا دیا، لیکن جو اسلوب قرآن نے اختیار کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے دل میں برائی کا کوئی داعیہ پیدا نہیں ہوا تھا، البتہ بے حیائی اور برائی یوسف علیہ السلام پر حملہ آور ہو رہی تھیں لہٰذا ہم نے ان دونوں کو پیچھے ہٹا دیا۔

اس قسم کی بے شمار مثالوں سے قرآن حکیم بھرا پڑا ہے جس سے قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت اجاگر ہوتی ہے اور اس کی عبارت کا اعجاز کھل کر سامنے آتا ہے۔

۱۔ بقرہ: ۱۷۹

۲۔ آل عمران: ۱۸۵

۳۔ یوسف: ۲۴

اسلوب کا اعجاز:

قرآن حکیم کے اعجاز کا سب سے زیادہ مظاہرہ اس کے اسلوب سے ہوتا ہے۔ قرآن ایک ایسی نثر ہے جس میں شعر کا ایک ایسا شیریں آہنگ ہے جو شعر سے کہیں زیادہ طاقت اور حلاوت دیتا ہے۔ قرآن کے نزول سے قبل عربوں میں کلام کا جو اسلوب رائج تھا وہ یا تو نثر تھا اور یا نظم، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کتاب عربوں کے سامنے پیش کی اس نے ان کے صدیوں پرانے اسلوب کو تبدیل کر کے رکھ دیا اور ایک نیا اسلوب ان کے سامنے پیش کیا۔ عربوں کو اس نئے اسلوب نے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ چنانچہ بعض لوگوں نے قرآن کو شعر اور پیغمبر علیہ السلام کو شاعر کہنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس کی تردید فرمائی۔ لیکن قرآن کا انداز کچھ ایسا تھا کہ اس کو نثر بھی نہیں کہا جا سکتا تھا، اس وجہ سے لوگ اس کو نثر کہنے سے بھی کتراتے تھے۔ قرآن حکیم کے متواتر صوتی آہنگ نے ان کے دلوں میں ایسا اثر پیدا کیا کہ جو سنتا وہ اپنے ادبی اور جمالیاتی ذوق کی وجہ سے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ولید بن مغیرہ، ابوجہل اور دوسرے سردارانِ قریش راتوں کو اٹھ اٹھ کر قرآن حکیم کو سنتے تھے۔

ایجاز و اختصار بھی قرآن کا ایک امتیازی وصف ہے۔ چنانچہ اس میں اس ایجاز اور اختصار کے ساتھ قیامت تک کے اصول بیان کر دیئے گئے ہیں کہ ان کو پڑھ کر مخالف سے مخالف شخص بھی قرآن کے ایجازی اسلوب کا قائل ہو جاتا ہے۔

نظم و نثر کے اسلوب صدیوں کے ارتقاء کے بعد فصحاء و بلغاء کے ہاں تسلیم کیے جاتے ہیں اور اپنے مقام کمال کو پہنچتے ہیں، لیکن یہ نیا اسلوب اپنے پہلے ہی مقام پر کمال تک پہنچا اور دنیا کے فصحاء اور بلغاء سے اپنے کو تسلیم کروایا، لہٰذا یہ انسانی فکر کی پیداوار نہیں بلکہ کلام اللہ ہے جس کی ابتداء ہی اس کی انتہاء ہے۔

قانونی اعجاز:

قرآن حکیم نہ صرف اپنے مفردات الفاظ، ترکیب کلمات، اسلوب بیان، خلوص مقاصد، ربط آیات، جامعیت مضامین، انتہائے بلاغت اور عدیم النظیر تحفظ وغیرہ

سے ہی اپنے اندر اعجازی شان نہیں رکھتا بلکہ اور بھی کئی لحاظ سے معجزہ ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کا ایک قانونی اعجاز بھی ہے۔ انسانوں کا بنایا ہوا قانون، خواہ اس قانون کو کسی پارلیمنٹ نے بنایا ہو یا کسی فرد نے اور خواہ اس قانون کو بنانے والے کتنی ہی مہارت کیوں نہ رکھتے ہوں، وہ قانون زیادہ عرصہ نہیں چل سکتا۔ اس میں کچھ عرصہ کے بعد ضرور ترمیم اور تبدیلی کرنی پڑے گی۔ یہ ترمیمات اور تبدیلیاں اس قانون کے ناقص اور خام ہونے کی دلیل ہیں۔ لیل ونہار کی کروٹیں مختلف تقاضوں کو جنم دیتی ہیں اور وقت کے وہ تقاضے انسان کو اس قانون میں ترمیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم قانون کی ایک ایسی دستاویز ہے کہ ایک امی اور ناخواندہ انسان نے اس کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور دعویٰ یہ کیا کہ یہ قیامت تک آنے والے حالات اور تقاضوں کے مطابق ہے۔ لیل ونہار کی کوئی کروٹ اور وقت کے تقاضوں کے نشیب وفراز اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکیں گے۔ چنانچہ آج تک کسی جگہ کسی ترمیم اور تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ یہ سب زمانوں اور سب قوموں کے لیے بلا ترمیم ایک قانونی اعجاز ہے۔ اس بات کو شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ؎

آن کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم
حرف اورا ریب نے تبدیل نے
معنی اش شرمندۂ تاویل نے
صد جہانِ تازہ در آیات او
عصر ہا پیچیدہ در آفات او
نوع انسان را پیام آخریں
حامل او رحمۃ للعالمین

قرآن کی تاثیر کا اعجاز:

قرآن حکیم اپنی تاثیر اور اثر کے لحاظ سے بھی ایک شان اعجاز رکھتا ہے۔ دنیا

کے کسی بڑے سے بڑے مصنف کی کتاب میں وہ اثرات اور تاثیری خصوصیت نہیں ہے جو قرآن حکیم میں ہے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے انسانی تصورات اور گفتار و کردار میں وہ انقلاب پیدا کیا کہ لوگوں کی تقدیر بدل کر رکھی دی۔ یہی وجہ تھی کہ قریش مکہ نے قرآنی آواز کو دبانے کی انتہائی کوشش کی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ قریش مکہ نے آپس میں صلاح و مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ:

﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾

ایک مرتبہ قریش نے عتبہ بن ربیعہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے آستانہ نبوی پر حاضر ہو کر کچھ شرائط صلح آپ کے حضور پیش کیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورت فصلت پڑھنی شروع کی۔ ابھی کچھ آیات ہی پڑھی تھیں کہ عتبہ نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ قرابت کا واسطہ بس کرو۔ واپس آیا تو چند روز تک گھر سے باہر نہ نکلا۔ ابوجہل نے جا کر کہا: ''کیوں عتبہ! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے یہاں کھانا کھا کر پھسل گئے؟'' عتبہ نے کہا: ''تم جانتے ہو کہ میں سب سے زیادہ دولت مند آدمی ہوں۔ مجھ کو دولت کی طمع دامن گیر نہیں ہو سکتی، لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے جواب میں جو کلام پیش کیا وہ نہ شعر تھا، نہ کہانت تھی اور نہ جادو۔ میں نے ایسا کلام کہیں نہیں سنا۔ انہوں نے جو کلام پڑھا اس میں عذاب الٰہی کی دھمکی تھی۔ میں نے اس کو قرابت کا واسطہ دیا کہ چپ ہو جائیں۔ میں ڈرا کہ تم پر عذاب نہ آ جائے۔'' لوگوں نے کہا: ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی زبان سے عتبہ پر جادو کر دیا ہے۔ (۱)

ولید بن مغیرہ قریش میں ایک نہایت متمول شخص تھا۔ وہ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود فرمائش کی کہ کچھ سنائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند آیات پڑھیں۔ اس نے دوبارہ پڑھوا کر سنیں۔ آخر بے خود ہو کر بولا: ''خدا کی قسم! اس میں کچھ اور ہی شیرینی اور تازگی ہے۔ اس نخل کی شاخوں میں پھل اور اس کا تنہ بھاری ہے۔ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔'' (۲)

۱۔ مسند ابی یعلی: ۷/۱۴۲، مواهب اللدنیا: ۶ / ۴۶۸

۲۔ مستدرک حاکم: ۲ / ۵۰۶، مواهب اللدنیه: ۶ / ۲۳۱

ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ ایک روز عمرو بن الجموح نے اپنے بیٹے سے کہا کہ جو کلام تو نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے وہ مجھے بھی سناؤ۔ بیٹے نے سورت فاتحہ ''اہدنا الصراط المستقیم'' تک پڑھی۔ یہ چند آیات سن کر عمرو کہنے لگے: ''یہ کتنا عمدہ اور حسین کلام ہے۔ کیا اس کا سارا کلام ہی ایسا ہے؟'' بیٹے نے جواب دیا: ''ابا جان! اس سے بھی عمدہ ہے۔''(۱)

غور کا مقام ہے کہ ایک شخص امی محض جو امیوں ہی کی گودوں میں پلا بڑھا۔ اس نے جب ہوش کی آنکھ کھولی تو اپنے گرد وپیش جہالت کی تاریکیوں اور ظلمتوں کے سوا اسے کچھ نظر نہ آیا۔ علوم وفنون سے شہر والے اور اس کا خاندان نوشت وخواند کے نقوش و حروف سے ناآشنا تھا۔ علماء وفضلاء اور دانش وروں کی صحبت کے لطف سے بالکل محروم۔ اصول قانون، مبادی اخلاق، محاسن علم وعمل کی کوئی ظاہری تعلیم اسے نہیں ملی بلکہ مدرسہ علم و حکمت کے سایہ دیوار تک کبھی اس کا گزر نہیں ہوا۔ اس طرح اس نے اپنی عمر کے چالیس سال گزارے۔ پھر وہ جس قوم میں پیدا ہوا وہ عالمی برائیوں کا مرکز تھی، خدا پرستی کا اس میں نام ونشان تک نہ تھا بلکہ اس کی جگہ ہر گھر میں بت پرستی تھی، انصاف وعدل کی میزان صدیوں سے ٹوٹ چکی تھی، ان کی کوئی مجلس شراب وکباب سے خالی نہ ہوتی تھی۔ جہالت ولا قانونیت اور خود سری ان کی گھٹی میں تھی کہ دفعتاً غار حرا کے دہانے سے اجالا ہوا اور علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کے چشمے ابلنے لگے۔ اس کے پرتو صحبت سے امی اور جاہل علمائے دہر اور دانش ورانِ روزگار بن گئے۔ کلام ربانی کے پردہ میں علم وحکمت کے پوشیدہ اسرار فاش ہونے لگے۔ فکر ونظر میں ایک انقلاب برپا ہوگیا۔ بت پرستی ناپید ہو گئی۔ خدا پرستی کا گھر گھر چرچا ہوگیا۔ اور قرآن کے قاری پوری دنیا میں انسانی صورت میں فرشتے بن کر پھر رہے تھے۔ یہ سب کچھ قرآن حکیم کی وجہ سے ظہور میں آیا۔ چنانچہ ایک مستشرق نے لکھا ہے کہ ''قرآن نے بے شمار انسانوں پر اثر ڈالا اور سائنس کی دنیا نے قرآن کی ضرورت کو اور زیادہ واضح کر دیا۔''

۱۔ مواهب اللدنیه: ٦ / ٤٣٤

تناقض نہ ہونے کا اعجاز:

جب قریش مکہ نے قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کا کلام ہونا تسلیم نہ کیا اور اس کو ایک انسانی تصنیف قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ، وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافاً کَثِیْرًا﴾(۱)

''کیا لوگ قرآن پر غور وفکر نہیں کرتے، اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس کے اندر بہت سے اختلاف پاتے''

کلام میں تناقض و تضاد نہ ہونا ایک نادر صفت ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے کلام میں پائی جاتی ہے، کوئی انسانی کلام تناقض و تضاد سے مبرا نہیں ہوسکتا کیونکہ انسانی علم ماضی سے مستقبل کے امور کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ وہ تمام موجودات کا بھی علم نہیں رکھتا۔ پھر اس کا علم براہ راست واقفیت پر مبنی نہیں ہوتا۔ حقیقت کو نہیں جانتا ہے۔ اور دوسری سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اشیاء کو غیر متاثر ذہن سے دیکھتا ہے۔ انسان تمام اوصاف سے یک قلم عاری ہے لہٰذا انسان کا کلام کبھی بھی تناقض اور تضاد سے پاک نہیں ہوسکتا۔ یہ انسانی فکر کا لازمی خاصہ ہے۔ خدا کے سوا دوسری بنیاد پر جو بھی نظریہ بنے گا وہ تضاد اور تناقض کا مرکب ہوگا۔ اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اس کی ایک مثال ڈیموکریسی جمہوریت کی ہے۔ یہ نظریہ وجود میں اس لیے آیا کہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے آزاد کرایا جائے لیکن یہ نظریہ خود تضاد کا شکار ہوگیا۔ بندے تو بندوں کی غلامی سے آزاد نہ ہوئے البتہ شاہی انسانوں کے بجائے منتخب انسانوں کی غلامی میں آگئے۔

تضاد اور تناقض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک داخلی تناقض اور دوسرا خارجی تناقض۔

(۱) داخلی تناقض یہ ہے کہ کتاب کا ایک بیان دوسرے بیان سے ٹکرا رہا ہو۔

(۲) خارجی تناقض یہ ہے کہ کتاب کا بیان خارجی دنیا کے حقائق سے ٹکرا رہا ہو۔

قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ ان دونوں قسم کے تناقضات اور تضادات سے

۱۔ النساء: ۸۲

مبرا ہے جب کہ دنیا میں کسی انسان کی کوئی تصنیف اس سے خالی نہیں۔ انسان ناپختہ عمر سے پختہ عمر کی طرف سفر کرتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ناپختہ عمر میں جو بات کہتا ہے اکثر دفعہ وہ پختہ عمر میں پہنچ کر اس کے خلاف بولنے لگتا ہے۔ پھر علم اور تجربہ کے بڑھنے سے بھی وہ اپنی پہلی باتوں کی خود ہی تردید کرنا شروع کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں انسان میں محبت اور دشمنی کے جذبات ہر وقت موجزن رہتے ہیں، اس وجہ سے وہ کسی کے بارے میں سادہ ذہن سے سوچتا ہے، کسی کے بارے میں محبت و نفرت کے جذبات سے سوچتا ہے۔ اور جذبات کے فیصلے اکثر غلط ہوتے ہیں، لہٰذا اس کے کام ہر وقت تناقض و تضاد کا شکار رہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں آج تک نہ تو کوئی شخص داخلی تناقض ثابت کر سکا ہے اور نہ ہی خارجی تضاد کا کسی کو کوئی شائبہ ہوا ہے۔

اخبار غیب:

قرآن حکیم نے بڑے واضح انداز میں یہ اعلان کیا کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا (النمل) اور غیب کی کنجیاں صرف اس کے پاس ہیں کیونکہ علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی علم غیب کا دعویٰ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن حکیم نازل فرمایا اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کا کلام ہے۔ اس میں آئندہ پیش آنے والے واقعات بطور پیش گوئی بیان کیے، اور نہ صرف آئندہ کی خبریں دیں بلکہ گذشتہ اقوام اور انبیاء علیہم السلام کے حالات بھی بیان فرمائے اور ان کے نتائج وثمرات کا بھی تذکرہ کیا۔ مابعد الموت اور مابعد الطبیعات امور کے متعلق ایسے حقائق بیان فرمائے جن کو بعد کی تحقیق نے بالکل صحیح ثابت کیا۔ آئندہ کے بارے میں قرآن حکیم نے جو اعلانات کیے ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

(۱) امم سابقہ کے حالات کو قرآن حکیم نے بیان فرمایا جن میں سیدنا آدم علیہ السلام، سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا اسماعیل علیہ السلام، سیدنا یوسف علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

وغیرہ کے حالات بیان کیے۔ ان کے علاوہ مختلف اقوام کا ذکر بھی بقول حضرۃ شاہ ولی اللہ تذکیر بایام اللہ کے طور پر بیان فرمایا۔ اسی طرح اصحاب الکہف کا تذکرہ ہے۔ پھر فرعون، نمرود اور ہامان وقارون وغیرہ کے واقعات ہیں۔

(۲) صلح حدیبیہ کے بعد جب مسلمان مایوسی کی حالت میں واپس آ رہے تھے تو راستہ میں مسلمانوں کے اطمینان قلب کے لیے قرآن حکیم نے ایک پیش گوئی فرمائی:

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا﴾ (۱)

''بے شک ہم نے تمہارے لیے فتح مبین مقدر کر دی ہے۔''

چنانچہ چند ہی سالوں کے بعد قرآن کی یہ پیش گوئی فتح مکہ کی صورت میں سنہ ۸ھ میں ظاہر ہوئی۔ اس سے صلح حدیبیہ کی مایوس کن شرائط سے دل گرفتہ مسلمان خوش ہو گئے۔

(۳) جس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے اس وقت دنیا کی دو عظیم طاقتوں روم اور ایران کے درمیان ایک شدید جنگ برپا تھی۔ جنگ میں ایرانی فوجیں مسلسل رومیوں پر ہر محاذ پر غالب آتی جا رہی تھیں اور ایرانی لشکر شام کے بڑے بڑے شہروں کو تاخت وتاراج کر کے طوفانی رفتار سے بڑھ رہا تھا، اور رومی حکومت پے در پے شکستوں اور متواتر ناکامیوں کے باعث اس قدر نڈھال اور مضمحل ہو چکی تھی کہ اس کے لیے اپنے قدم جمانا مشکل ہو گیا تھا۔ ۶۱۶ء تک بقول ایڈورڈ گبن رومی دارالسلطنت سے باہر اپنی حکومت کا مشرقی اور جنوبی حصہ کھو چکے تھے۔ عراق، شام، فلسطین، مصر اور ایشیائے کوچک میں ہر جگہ صلیبی علم کے بجائے درفش کاویانی لہرا رہا تھا۔ رومی سلطنت قسطنطنیہ کی چار دیواری میں محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ مختصر یہ کہ رومی سلطنت کے عظیم درخت کا صرف تنہ باقی رہ گیا تھا اور باقی خشک ہو رہا تھا۔ خود دارالسلطنت قسطنطنیہ کے اندر دشمن کے گھس آنے کا خوف تمام آبادی پر اس

۱۔ فتح: ۱

قدر چھایا ہوا تھا کہ تمام کاروبار بند تھے اور تمام پبلک مقامات سنسان پڑے تھے۔ صلیب مقدس کی اصلی لکڑی جس کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اس پر مسیح نے جان دی تھی، مدائن پہنچا دی گئی تھی۔

ایرانی فاتح اس وقت اپنے کو کتنا بڑا سمجھتا تھا اس کا اندازہ کسریٰ ایران خسرو پرویز کے اس خط سے ہوتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے رومی بادشاہ ہرقل کو لکھا تھا

> ''سب خداؤں سے بڑا خدا، تمام روئے زمین کا مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینہ، ذلیل اور بے شعور بندے ہرقل کے نام۔
> تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے، کیوں نہ تیرے خدا نے یروشلم کو تیرے ہاتھ سے بچا لیا۔

ان حالات نے رومی بادشاہ ہرقل کو بالکل مایوس کر دیا اور اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اب وہ قسطنطنیہ چھوڑ کر بحری راستہ سے جنوبی افریقہ کی ساحلی بندرگاہ چلا جائے جو قرطاجنہ (Carthage) موجودہ ٹیونس میں واقع ہے۔ اب اس کے لیے ملک بچانے کے بجائے اپنی ذات کو بچانے کا مسئلہ تھا۔ شاہی کشتیاں محل کے خزانوں سے لادی جا چکی تھیں لیکن عین وقت پر کلیسا کے بڑے پادری نے اس کو مذہب کا واسطہ دیا اور وہ اس کے روکنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہرقل نے ایک صلح کا قاصد شہنشاہ ایران کی خدمت میں روانہ کیا۔ اس کا جو جواب خسرو پرویز نے دیا، تاریخ آج بھی اس کو اپنے سینہ میں چھپائے ہوئے ہے۔ خسرو نے کہا:

> ''مجھ کو یہ نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے۔ میں رومی حکمران سے اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک وہ اپنے صلیبی خدا کو چھوڑ کر ہمارے سورج دیوتا کی پرستش نہ کرے۔''

ایک طرف یہ حالات تھے۔ دوسری طرف عرب کے مرکزی مقام مکہ میں ان واقعات نے ایک کشمکش پیدا کر دی۔ ایرانی سورج دیوتا کو مانتے تھے اور آگ کی پرستش کرتے تھے، اور رومی وحی و رسالت کے ماننے والے تھے۔ اس لیے نفسیاتی طور پر اس جنگ

میں مسلمانوں کی ہمدردیاں رومی سپاہیوں کے ساتھ تھیں جب کہ مشرکین مکہ ایرانیوں سے ہمدردی کا اظہار کرتے تھے۔ چنانچہ جب ۶۱۶ء میں ایرانیوں کو رومیوں پر نمایاں غلبہ حاصل ہو گیا تو اسلام کے مخالفین نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو ہمارے بھائی تمہارے جیسا مذہب رکھنے والوں پر غالب آ گئے ہیں، اسی طرح ایک دن اپنے ملک میں ہم بھی تم کو اور تمہارے دین کو ختم کر دیں گے۔ مسلمانوں کی حالت پہلے ہی کمزور اور دگرگوں تھی، اس لیے مشرکین مکہ کے یہ الفاظ ان کے لیے زخم پر نمک کا کام کرتے تھے۔ عین اس وقت قرآن حکیم کی یہ پیش گوئی پیغمبر اسلام کی زبان حق ترجمان سے نکلی:

﴿غُلِبَتِ الرُّوْمُ، فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ، فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ﴾ (۱)

"یعنی قریب کے ملک (فارس) میں رومی مغلوب ہو جائیں گے، لیکن اپنے مغلوب ہونے کے بعد پھر اہل روم ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے۔ یہ چیز نو سال کے اندر ہو کر رہے گی۔"

ایران اور روم کی جنگوں کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں ان حالات میں قرآن کی اس پیش گوئی کا پورا ہونا کسی ذہن میں بھی ممکن نظر نہ آتا تھا، چنانچہ قریش کے ایک ممتاز رئیس ابی بن خلف نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے شرط لگائی کہ اگر تین سال کے دوران رومی غالب آ گئے تو میں آپ کو دس اونٹ دوں گا اور اگر غالب نہ آ سکے تو آپ مجھے دس اونٹ دو گے۔ اس وقت اس طرح کی شرط جائز تھی۔ سیدنا ابوبکرؓ نے ابی بن خلف کی اس شرط کو منظور فرمالیا۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن حکیم نے "بضع سنین" فرمایا ہے اور عربی زبان میں "بضع" کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے، لہٰذا ابوبکرؓ تم اونٹوں کی تعداد بڑھا کر شرط کی مدت نو سال مقرر کر لو۔ چنانچہ سیدنا ابوبکرؓ نے نو سال کی مدت مقرر کر کے ابی بن خلف سے سو اونٹوں کی شرط لگا لی۔

ان حالات میں رومیوں کا ایرانیوں پر غلبہ ناممکنات میں سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ

۱۔ الروم: ۱۔۳

ایک غیر مسلم انگریز دانشور ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) نے لکھا ہے کہ ''کوئی بھی پیش گوئی اتنی بعید از وقوع نہیں ہو سکتی تھی جتنی یہ پیش گوئی تھی، کیونکہ ہرقل کے ابتدائی بارہ سال رومی سلطنت کے خاتمہ کا اعلان کر رہے تھے۔''

لیکن یہ پیش گوئی ایک ایسی ذات کی طرف سے کی گئی تھی جو تمام وسائل اور ذرائع کی تنہا مالک ہے اور تمام انسانوں کے دل اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ چنانچہ ادھر اللہ تعالیٰ کے ایک فرشتے نے ایک نبی کی زبان سے یہ خبر دی اور ادھر ہرقل قیصر روم کے حالات میں ایک انقلاب آنا شروع ہو گیا۔ گبن لکھتا ہے:

> ''تاریخ کے نمایاں کرداروں میں سے ایک غیر معمولی کردار وہ ہے جو ہرقل کے اندر ہم دیکھتے ہیں۔ اپنے طویل دور حکومت کے ابتدائی اور آخری سالوں میں یہ بادشاہ سستی، عیاشی اور اوہام کا بندہ دکھائی دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کے مصائب کا ایک بے حس اور نامرد تماشائی ہے۔ یہی حال ہرقل کا ہوا۔ محل کا آرکیڈیش (Arcadius) (رومی سلطنت کا ایک بادشاہ) میدان جنگ کا سیزر (Caesar) (جولیس سیزر عظیم رومی کمانڈر اور سیاست دان) بن گیا۔ روم کی عزت چھ جرأت مندانہ مجسموں کے ذریعہ دوبارہ حاصل کر لی گئی۔ قیاس یہ ہے کہ اس کے پیچھے کوئی سیاسی اسباب نہیں تھے بلکہ یہ زیادہ تر اس کے شخصی جذبے کا نتیجہ تھا۔ اسی کے تحت اس نے اپنی تمام دل چسپیاں ختم کر دیں حتیٰ کہ اپنی بھانجی مارٹینا (Martina) کو بھی چھوڑ دیا جس سے اس کو اس قدر تعلق تھا کہ محرم ہونے کے باوجود اس کے ساتھ اس نے شادی کر لی تھی۔''(۱)

آخر ۶۲۲ء سے ۶۲۵ء میں رومیوں نے پے در پے حملے کر کے ایران کی

1- (E. Gibbon: The History of the De oline and Fall of the Roman Empire Vol. V, P. 74-77)

افواج کا بھرکس نکال دیا، اور رومی افواج نے نہ صرف اپنا علاقہ واپس لے لیا بلکہ ایرانی قلمرو میں بھی گھس گئیں اور میسوپوٹا تک پہنچ گئیں، اور یہ حالت ہوگئی کہ رومی شہنشاہ اب خود ایرانی شہنشاہیت کے قلب پر حملہ کرنے کی پوزیشن میں تھا تاہم آخری فیصلہ کن جنگ دجلہ کے کنارے نینوا کے مقام پر دسمبر ۶۲۷ء میں ہوئی۔

ہرقل کے ان پے در پے حملوں نے خسرو کی کمر ہمت توڑ کر رکھ دی اور اب وہ اپنے محبوب محل ''دستگرد'' سے بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس دوران اس کے اس محل میں بغاوت ہوگئی۔ اس کے لڑکے شیرویہ نے اس کو گرفتار کر کے ایک تہہ خانے میں قید کر دیا جہاں وہ پانچ روز بعد نہایت بے کسی اور بے بسی کی حالت میں مر گیا۔ اس کے اٹھارہ لڑکوں کو اس کی آنکھوں کے سامنے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس کے بعد ملک میں انارکی پیدا ہوگئی۔ چار سال میں نو بادشاہ تبدیل ہوئے۔ آخر خسرو پرویز کے لڑکے قباد ثانی نے رومی مقبوضات سے دست بردار ہو کر صلح کر لی۔ مقدس صلیب کی لکڑی واپس کر دی گئی۔

اس طرح قرآن حکیم نے رومیوں کے دوبارہ غلبہ کی جو پیش گوئی کی تھی وہ ٹھیک نو سال کے اندر مکمل طور پر پوری ہوگئی۔ ایک روایت میں ہے کہ جس روز بدر کے میدان میں ۳۱۳ نہتے مسلمان مجاہد ایک ہزار مسلح قریش مکہ کے سورماؤں کا منہ پھیر رہے تھے ٹھیک اسی روز یہ خبر ملی کہ رومیوں نے ایران کو شکست فاش دے دی ہے۔ اس وقت یہ واضح ہوا کہ قرآن حکیم نے رومیوں کو فتح کی خبر دینے کے ساتھ جو فرمایا تھا: ''یومئذ یفرح المومنون بنصر اللّٰہ'' یعنی اس روز مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے اس سے مسلمانوں کی اس دوہری خوشی کی طرف اشارہ تھا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایران پر فتح کی تکمیل کے بعد ہرقل پھر پہلے کی طرح سست اور عیار بلکہ عیاش بن گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے اس پیش گوئی کے پورا کرنے کے لیے چند سالوں کے لیے اس کے دل و دماغ کو بیدار اور اس کے دست و بازو کو ہوشیار کر دیا تھا۔ اور جونہی یہ پیش گوئی پوری ہوئی وہ پھر تعیش و تغافل اور

سستی و کاہلی کے بستر پر تھپک کر سلا دیا گیا۔ چنانچہ اس طرح کی پیش گوئیاں بھی قرآن کے معجزہ ہونے کی بین دلیل ہیں۔

اعجازی جاذبیت:

قرآن حکیم کے معجزہ ہونے کی ایک دلیل انجذابی ہے یعنی اس میں ایک خاص شانِ جاذبیت پائی جاتی ہے جو کسی اور انسانی کلام میں نہیں پائی جاتی۔ جاذبیت کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) جاذبیت کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ نہ صرف عرب بلکہ غیر عرب بھی اس کتاب کو اجنبی زبان میں ہونے کے باوجود حفظ کر لیتا ہے حالانکہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی کسی الہامی اور غیر الہامی کتاب کا حافظ ملنا بہت مشکل ہے، اور قرآن حکیم کے حافظ ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں میں ہیں۔ یہ قرآن کی شان جاذبیت ہے جو لوگوں کو اس کے حفظ پر آمادہ کرتی ہے حالانکہ اس کے حفظ میں کوئی دنیوی اور مادی فائدہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت اپنے ذمہ لی کیونکہ یہ سارے عالم کے لیے ہے اور قیامت تک کے لیے ہے، لہٰذا اس میں اس اہتمام کی ضرورت تھی کہ قیامت تک ایک نکتہ، ایک شوشہ اور ایک حرکت میں بھی تبدیلی نہ ہو سکے۔ اس قسم کی حفاظت کے لیے اس میں ایک تو شان جاذبیت رکھی جو اس کے اعجاز کی دلیل ہے، اسی لیے قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (۱)

”بے شک ہمیں نے قرآن حکیم کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

آیت کریمہ میں ”لَحَافِظُونَ“ مطلق لایا گیا اور اصول ہے کہ ”المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل“ اس اصول کے تحت حفاظت کا فرد کامل مراد لیا جانا ضروری ہے جو لفظ اور معنی دونوں کو شامل ہو۔ اس لیے آیت کا حاصل یہ نکلا کہ ہم ہی

۱۔ حجر: ۹

قرآن کے لفظوں کے بھی محافظ ہیں اور اس کے معنی اور بیان کے بھی محافظ ہیں۔ اس وقت سے اس امت میں قرآن حکیم کی اس شان جاذبیت کی وجہ سے ایسے ایسے حفاظ قرآن پیدا ہوتے رہیں گے جو اس کے ہر ہر حرف و معنی کی حفاظت کریں گے۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کے دو ذریعے رکھے۔ ایک سینہ اور دوسرا سفینہ۔ یا ایک مصاحف اور دوسرا قلوب حفاظ۔ مصاحف اور اوراق میں قیامت اور بعد قیامت قرآن حکیم کو بقا نہیں، کیونکہ احادیث میں ہے کہ قرب قیامت میں قرآن کے حروف اوراق سے اٹھا لیے جائیں گے اور پھر یہ ذریعہ ختم ہو جائے گا جیسا کہ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر جلد ۱ ص ۳۲۶ اور امام سیوطیؒ نے الاکلیل ص ۱۶۹ پر نقل کیا ہے، لیکن قلوب حفاظ بعد قیامت بھی حفظ قرآن کے ساتھ بدستور باقی رہیں گے حتیٰ کہ جنت میں بھی قرآن حکیم حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہوگا اور حفاظ کرام کو حکم دیا جائے گا کہ ''قرآن کو پڑھتے جاؤ اور جنت کے درجات میں چڑھتے جاؤ۔'' جہاں تلاوت قرآن ختم ہو وہی جنت میں تمہارا مقام ہوگا۔''

قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ (۱)

''اور ہم نے قرآن کو حفظ کے لیے آسان کر دیا پس ہے کوئی حفظ کرنے والا۔''

مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم میں یہ شان اعجاز رکھی گئی کہ وہ حفظ کے لیے آسان بنا دیا گیا اور جو حفظ کا ارادہ کرے حق تعالیٰ شانہ اس بارے میں اس کی اعانت فرماتے ہیں۔ چنانچہ مشہور تابعی سیدنا سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں میں قرآن حکیم کے علاوہ اور کوئی کتاب ایسی نہیں جو حفظ کی جا سکے۔'' اور ایک اور مفسر فرماتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام، سیدنا ہارون، سیدنا یوشع بن نون اور سیدنا عزیر علیہم السلام تورات کے حافظ تھے۔ ان کے علاوہ بنی اسرائیل کے تمام لوگ تورات دیکھ کر پڑھتے تھے۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل تورات جل جانے کے بعد سیدنا عزیر علیہ السلام کے محتاج ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی یادداشت سے تورات لکھ دی

۱۔ قمر: ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰

تھی، لیکن اللہ نے اس امت پر قرآن حکیم کے حفظ کرنے کو آسان بنا دیا تاکہ وہ اسے آسانی سے یاد کر سکیں۔ (۱)

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ (۲)

''بلکہ یہ قرآن صاف اور کھلی کھلی آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا۔''

سیدنا حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حفظ کرنا اس امت کی خصوصیت ہے ورنہ اس سے قبل کے لوگ اپنی کتابوں کو صرف دیکھ کر پڑھ سکتے تھے۔ صرف ان کے نبی ہی ان کتابوں کے حافظ ہوئے تھے۔ اس آیت میں سرکار دو عالم ﷺ کے صحابہ کرامؓ اور اس امت کے مومنین مراد ہیں جو قرآن حکیم کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور یاد بھی کرتے ہیں۔ (۳)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یعنی پیغمبر نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں بلکہ یہ وحی جوان پر آئی ہمیشہ کو بن دیکھے سینہ بسینہ جاری رہے گی۔ اللہ کے فضل سے علماء اور حفاظ وقراء کے سینے اس کے الفاظ و معانی کی حفاظت کریں گے، اور آسمانی کتابیں حفظ نہ ہوتی تھیں۔ یہ کتاب حفظ ہی سے باقی ہے۔ لکھنا اس پر افزود ہے۔'' (٤)

بعض حضرات نے قرآن حکیم کی حفاظت کے بارے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا ''انا لحافظون'' تو پھر اس کی حفاظت کی صورتیں بھی پیدا فرمائیں۔ گزشتہ آسمانی کتابیں جو محفوظ نہ رہ سکیں، اس کی ایک وجہ تو یہ

۱۔ قرطبی: ۱۷ / ۱۳۴

۲۔ العنکبوت: ۴۹

۳۔ تفسیر قرطبی: ۱۳ / ۳۵۴

٤۔ فوائد عثمانی: ص ۵۲۲

تھی کہ ان کی حفاظت ان امتوں کے ذمہ تھی جو اس ذمہ داری کو پورا نہ کرسکیں۔ دوسری وجہ ان کتابوں کے محفوظ نہ رہنے کی یہ تھی کہ نبی کے بعد ان کتابوں کی پشت پر کوئی ایسی طاقت نہ رہی جو بزور ان کو ضائع ہونے سے بچاتی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے اپنی ہم عصر قوموں سے مقابلہ کر کے اولاً عرب اور اس کے بعد قدیم دنیا کے بڑے حصہ پر اسلام کا غلبہ قائم کر دیا۔ اس طرح کتاب الٰہی کو حکومتی اقتدار کا سایہ حاصل ہو گیا جو خدا کی کتاب کو محفوظ رکھنے کی یقینی ضمانت تھا۔ یہ انتظام اتنا طاقتور تھا کہ ایک ہزار برس تک اس میں کوئی فرق نہ آسکا۔ اسلامی اقتدار کے زیر سایہ قرآن ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتا رہا۔ یہاں تک کہ صنعتی انقلاب ہوا اور پریس کا دور آ گیا جس کے بعد قرآن حکیم کے ضائع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ ایک تو اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی خود حفاظت فرمائی اور دوسرے اس کتاب میں یہ شان اعجاز رکھی کہ ایک نو دس سال کا بچہ بھی جو عربی زبان سے بالکل نابلد اور ناآشنا ہے اس کو حفظ کرسکتا ہے اور کرتا ہے حالانکہ اس مادی دور میں اس کو کوئی دنیوی لالچ نہیں، ہاں روحانی طور پر چونکہ حفظ قرآن کے بے شمار فضائل احادیث میں منقول ہیں جن کے پیش نظر قرآن حکیم کو حفظ کیا جاتا ہے۔

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو قرآن حکیم جیسے علمی معجزہ کا دیا جانا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ (Miracle) قیامت تک کے لئے ہے اور وہ معجزہ قران حکیم ہے کیونکہ معجزہ اس کو کہتے ہیں جس کی نظیر لانے سے مخلوق عاجز ہو۔ قرآن حکیم نے چودہ سو سال قبل پوری دنیا کو چیلنج کیا تھا کہ اگر تم اس کو اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں سمجھتے تو اس کی طرح کی ایک سورہ بنا کر لے آؤ‘ لیکن چودہ سو سال میں کسی ادیب اور دانشور کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ ایک کتاب نہ سہی ایک تین آیتوں والی چھوٹی سی سورت ہی بنا کر لے آتا۔

جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا گیا ہے، معجزہ دلیل نبوت ہوتا ہے۔ یہ فعل خداوندی ہوتا ہے اور مخلوق اس کی مثل لانے سے عاجز ہوتی ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ مادرزاد اندھوں کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تو ان میں بینائی آجاتی‘ جذامیوں اور کوڑھیوں پر ہاتھ پھیرتے تو ان کا بدن صاف ستھرا ہو جاتا تھا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہ معجزہ ظاہر کیا تو دنیا سمجھ گئی کہ یہ اسباب کے درجے کی چیز نہیں ہے۔ ضرور مسبب الاسباب کی طرف سے یہ کوئی خرق عادت (Supernatural act) ہے۔ یہ ان کی نبوت کی دلیل تھی۔

اسی طرح عصائے موسیٰ اور ید بیضا خدا تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی دلیل تھے کہ یہ سفیر خداوندی ہے اور اس کی سفارت لے کر آیا ہے۔ اسی طرح سیدنا شعیب علیہ السلام کا ظلہ (سایہ) اور سیدنا صالح عایہ السلام کی ناقہ ان کے معجزات

تھے جو ان کی نبوت کی واضح دلیل تھے۔ یہ سارے کے سارے معجزات عملی معجزات تھے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس قسم کے ہزاروں معجزات عطا فرمائے گئے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو احیائے موتی کا معجزہ دیا گیا کہ ان کے قم باذن اللہ سے مردے زندہ ہوتے تھے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اسطوانہ حنانہ کو زندگی عطا کی گئی' یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اگر مردے کو زندہ کیا تو آپ کے معجزے سے ایک سوکھا ہوا تنا زندہ ہوا۔ یہ معجزہ اس سے کہیں زیادہ بلند تر ہے' اس لیے کہ انسانی لاش میں بہرحال پہلے جان موجود تھی۔ اگر دوبارہ لوٹ آئے تو اس روح کو اس بدن سے ایک مناسبت تھی۔ اگر نکل سکتی تھی تو دوبارہ داخل بھی ہو سکتی تھی' لیکن کھجور کا ایک تنا زندہ ہوا اور اس میں وہ سب آثار ظاہر ہوئے جو ایک جاندار سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر فقط اتنی زندگی ہوتی کہ اس پر ہرے پتے لگ جاتے تو کہا جاتا کہ اس کے اندر روح نباتی آ گئی۔ روح نباتی اگر اس کے خشک ہونے سے چلی گئی تھی تو وہ دوبارہ لوٹ آئی' اس کا محل تھا جیسے مردے میں جان آ جائے' لیکن جان آئی تو ایسی آئی جو جانداروں کی سی جان ہے یعنی روح حیوانی داخل ہوئی۔ اور نہ صرف روح حیوانی داخل ہوئی بلکہ انسانی افعال ظاہر ہوئے۔ اور افعال بھی وہ جو عشاق خداوندی سے سرزد ہوتے ہیں' یعنی عاشقان الٰہی کی طرح فراق نبوی میں رونا شروع کیا۔ یہ کہیں زیادہ اونچی بات ہے بہ نسبت اس احیاء موتی کے۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی احیائے موتی کا معجزہ عطا کیا گیا۔

لیکن آپ کو سب سے بڑا معجزہ جو دیا گیا اور جو انبیاء سابقین کو نہیں دیا گیا وہ درحقیقت وہ علمی معجزہ ہے جس کو قرآن حکیم کہا جاتا ہے کہ آپ کو ایسی کتاب اور شریعت پیش کی جو جامع ہدایات ہے۔ اسلوب بیان کے اعتبار سے دیکھا جائے تو معجزہ ہے۔ اس کی فصاحت و بلاغت وہ ہے کہ دنیا اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہ گئی۔ مضامین اور معانی کے لحاظ سے انتہائی جامع ہے کہ اتنا جامع کلام پیش کرنے سے دنیا عاجز آ گئی۔

اس کلام کے سلسلہ میں ساری دنیا کے فصحاء و بلغاء عاجز آ گئے اور وہ عرب بھی عاجز آ گئے جنہوں نے دنیا کو چیلنج کیا تھا کہ ہمارے مقابلہ میں کوئی فصاحت و بلاغت کا نمونہ لائے' لیکن جب انہوں نے قرآن حکیم کی آیات پڑھیں تو ہار مان لی اور کہا کہ

''اس کلام میں عجیب قسم کی حلاوت اور شیرینی ہے''۔ سرکار دو عالم ﷺ خود افصح العرب والعجم ہیں۔ آپ کی ایک ایک حدیث سے ہر عالم نئی سے نئی شرح کرتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معانی کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ حدیث ایک ہوتی ہے لیکن اس کے اندر ہزاروں دقائق (Subtleties) اور معانی نکلتے آتے ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ بھی قرآن حکیم کے بارے میں عاجز ہیں۔ آپ بھی ایسا کلام نہیں لا سکتے کیونکہ یہ خدا کا کلام ہے اور مخلوق کو اس جیسا کلام لانے کی قدرت نہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ اس میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ ہر کلام میں متکلم کے اثرات پوشیدہ ہوتے ہیں۔ کلام کو پڑھ کر آپ فوراً پہچان لیتے ہیں کہ یہ کسی عالم کا کلام ہے یا جاہل کا۔ اس کلام کے طرز بیان اور مضامین کو دیکھ کر آپ پہچان لیتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کا کلام ہے یا ایسے شخص کا جس میں فلاں صفت غالب ہے۔ حق تعالیٰ سے بڑا دنیا میں کوئی عالم ہے اور نہ ہی کوئی فصیح و بلیغ ہے' لہٰذا اس کا کلام بھی دنیا میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا' جیسے اس کی ذات کا مثل کوئی نہیں ویسے ہی اس کے کلام کا بھی کوئی مثل نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لایاتون بمثله'' اس کے کلام کا کوئی مثل نہیں لا سکتا؟ اس لیے کہ اس کی ذات وصفات کا کوئی مثل موجود نہیں۔ جب ذات بے چگون ہے اور صفات کی کوئی نظیر نہیں تو پھر اس کے کلام کی کوئی نظیر کیسے ہوگی؟

اللہ تعالیٰ نے درحقیقت جیسے افعال کے معجزے ظاہر فرمائے کہ زمین ایک معجزہ ہے' آسمان ایک معجزہ ہے۔ چاند اور سورج معجزہ ہیں جن کی نظیر لانے کی کسی کو قدرت نہیں' تو کلام کا معجزہ بھی ظاہر فرمایا اور وہ قرآن حکیم ہے جس کا مثل ناممکن تھا۔ نہیں لایا گیا اور قیامت تک نہیں لایا جا سکے گا۔

معجزہ کا دوسرا نام ''آیت'' ہے۔ اس لحاظ سے قرآن حکیم ایک تو ایک کتاب کی حیثیت سے معجزہ ہے اور پھر اس کی ہر آیت اپنی جگہ پر معجزہ ہے۔ اس لحاظ سے قرآن حکیم ۶۶۱۶ معجزات پر مشتمل ہے۔ دوسرے لفظوں میں پوری دنیا قرآن حکیم کی ایک آیت کی مثل نہیں لا سکتی۔ پھر یہ قرآن حکیم معجزہ ہی نہیں بلکہ معجزہ گر بھی ہے' یعنی اس نے معجزات بنا دیئے' اس لیے کہ قرآن حکیم پر عمل کرنے سے صحابہ کرامؓ اور بڑے بڑے اکابر

اولیاء پیدا ہوئے۔ان اولیاء کرام کے ہاتھوں پر کرامتیں ظاہر ہوئیں۔تو قرآن حکیم خود ہی معجزہ نہیں بلکہ اپنے ماننے والوں کے ہاتھ پر معجزے نمایاں بھی کرتا ہے۔امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ یہ اکابر مجتہدین گزرے ہیں۔یہ نبی نہیں تھے لیکن نبیوں جیسے کام کیے۔ایک ایک نے کروڑوں انسانوں کے دلوں کو ایمان سے رنگا اور ایک ایک خطہ کو ایمان سے رنگین بنا دیا۔صوفیاء کے طبقہ پر نگاہ ڈالو۔انہوں نے وہ کام کیے جو انبیائے بنی اسرائیل کرتے تھے کہ جس خطے میں بیٹھ گئے لاکھوں کروڑوں کو باایمان بنا دیا۔

یہ جتنے آئمہ مجتہدین گزرے ہیں اگر انبیائے کرام علیہم السلام پر اصلی شریعتیں ظاہر ہوئیں تو ان مجتہدین کے قلوب پر ظلی شریعتیں ظاہر ہوئیں یعنی انہوں نے ان ہی شریعتوں میں سے استنباط کر کے مستقل احکام دیے اور ان استنباط شدہ (Deduced) احکام سے کتابوں کی کتابیں بھر دیں۔ان کے یہ احکام کتاب وسنت سے کوئی الگ شے نہیں ہیں بلکہ کتاب وسنت کی کلیات میں جو چیزیں چھپی ہوئی تھیں مجتہدین کے فہم نے ان کو اندر سے نکال کر لوگوں پر ظاہر کر دیا۔اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں القاء کیں اور انہوں نے ان کو لوگوں پر نمایاں کر دیا۔

یہاں ایک اور بات بھی ذہن میں رکھیں وہ یہ کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو عملی معجزات دیے گئے تھے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عملی معجزات کے ساتھ ساتھ یہ علمی معجزہ بھی دیا گیا۔عمل کا خاصہ یہ ہے کہ عامل جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کا عمل بھی ختم ہو جاتا ہے لیکن علم کی خاصیت یہ ہے کہ عالم دنیا سے اٹھ جاتا ہے مگر اس کا علم باقی رہتا ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملی معجزات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ ختم ہو گئے مگر علمی معجزہ قرآن حکیم آج تک باقی ہے۔معجزہ چونکہ دلیل نبوت ہوتا ہے تو پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل آج بھی دنیا میں موجود ہے تو جس دعویٰ کی دلیل موجود ہے وہ دعویٰ آج بھی ثابت ہے۔اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو آج بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ آج ان کی نبوت پر ایمان لاؤ اور دلیل مانگی جائے تو آج نہ عصائے موسیٰ موجود ہے اور نہ ہی

ید بیضاء۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات آج موجود نہیں ہیں۔ اس وجہ سے اگر ان کی نبوت کو آج پیش کیا جائے تو ان کی کوئی دلیل نبوت موجود نہیں، لیکن اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو آج پیش کیا جائے اور دلیل کا مطالبہ ہو تو قرآن حکیم کا کلامی اور علمی معجزہ بدستور موجود ہے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت بھی ابدی (Everlasting) ہے جو قیامت تک باقی رہے گی اور آپ کی نبوت بھی ابدی ہے جو قیامت تک باقی رہے گی۔ آپ چونکہ خاتم النبیین ہیں اور اب کوئی نبی آنے والا نہیں اور آپ کی نبوت قیامت تک باقی رکھنی تھی اس وجہ سے دلیل وہ دی گئی جو قیامت تک باقی رہ سکے۔ اور وہ دلیل قرآن حکیم کا علمی معجزہ ہے۔

یا رب صل وسلم دائما ابدا　　　علی حبیبک خیر الخلق کلهم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل شدہ بے مثل کتاب

ایک خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ عطا فرمائی گئی کہ باوجود امی (Unlettered) ہونے کے آپ کو ایک ایسی کتاب عطا فرمائی جس کی مثل قیامت تک کوئی نہیں لا سکتا۔ چنانچہ قرآن حکیم کا یہ چیلنج ہے لیکن آج تک اس چیلنج کو کسی نے قبول نہیں کیا اور نہ کوئی کر سکے گا' کیونکہ کلام اللہ کی نظیر ناممکنات میں سے ہے۔ لیکن آپ کا امی ہونا اور بغیر لکھنا پڑھنا جاننے کے ایک ایسی کتاب کا حامل ہونا جس کی نظیر اور مثل لانے سے دنیا کے تمام ادباء اور فصحاء عاجز ہیں، بھی ایک معجزہ ہے۔ اور معجزہ چونکہ دلیل نبوت ہوتا ہے لہٰذا آپ کا امی ہو کر حامل قرآن ہونا بھی آپ کے نبی ہونے کی ایک دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود دعویٰ کیا ہے کہ:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا﴾ (۱)

''اللہ وہ ذات ہے جس نے امیوں میں رسول بھیجا۔''

یہ ایک دعویٰ ہے کہ ہم نے ایک رسول بھیجا لیکن رسالت کی دلیل کیا ہے؟ اب رسول نے بھی ایک دعویٰ کیا۔

﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾ (۲)

''اے انسانو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

اب یہ دو دعوے جمع ہو گئے۔ ایک دعویٰ اللہ تعالیٰ کا کہ میں نے رسول بھیجا اور دوسرا دعویٰ رسول کا کہ میں اللہ کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔ اس ایک دعویٰ کی

۱۔ الجمعۃ: ۲

۲۔ الاعراف: ۱۵۸

دلیل کیا ہے؟ دلیل صرف یہ ہے کہ امیوں میں امی رسول آیا۔ تو امیوں میں امی رسول ہونا نبوت کی دلیل ہے۔ کیونکہ ایک امی کا ایسی زبردست کتاب لانا جس کی نظیر دنیا آج تک پیش نہیں کرسکی، اس کے رسول ہونے کی دلیل ہے ؎

نگار من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت

بہ غمزہ مسئلہ آموخت صد مدرس شد

پھر وہ امی نہ صرف وہ کتاب ہی لایا بلکہ اس نے ہر علم کی بنیادیں قائم کردیں، یعنی آخرت کا علم ہو، معاد(Resurrection) کا علم ہو، مبداء(Origin) کا علم ہو، معاشیات کا علم ہو، اقتصادیات کا علم ہو ، عمرانیات کا علم ہو، غرض کہ ہر علم کی بنیاد آپ نے قائم کردی۔ تو آپ کی نبوت کی عظیم الشان دلیل یہ ہے کہ آپ امی تھے، اور امیوں کے اندر مبعوث ہوئے۔ اگر آپ پڑھے لکھوں میں آتے تو متہم(Charged) ہوسکتے تھے کہ ان لوگوں نے آپ کو پڑھا دیا ہوگا، لیکن سکھلانے کے جتنے راستے ہیں وہ سب بند ہیں اور جتنے اسباب ممکن ہیں وہ سب منقطع ہیں۔ خود پڑھے لکھے نہیں لیکن علم وہ پیش کیا اور کتاب وہ دنیا کو عطا کی کہ سب پڑھے لکھے عاجز ہوگئے، انگشت بدنداں رہ گئے بجز اس کے کہ یہ علم اور یہ کتاب اللہ تعالیٰ عطا کریں اور کوئی صورت نہیں۔ اور اللہ ہی کی تعلیم درحقیقت نبوت ہے۔

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پر نازل شدہ کتاب قرآن حکیم کا تحریف سے پاک ہونا

ایک خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہے کہ آپ کو جو کتاب عطا فرمائی گئی وہ تحریف(Alteration) اور تبدیلی سے یکسر پاک ہے۔ چودہ سو سال کے طویل عرصہ میں کوئی شخص اس میں تبدیلی اور تحریف نہیں کر سکا حالانکہ کئی ملحدین اور منکرین اسلام نے اس میں تبدیلی اور تحریف کی بہت کوشش کی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا تھا۔ اور دوسری تمام کتابوں کی حفاظت ان امتوں کے سپرد کی گئی جن کے لیے وہ کتابیں بھیجی گئی تھیں۔ اس سلسلہ میں امام زرقانی ؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم ؒ فرماتے ہیں کہ مامون الرشید کے پاس ایک یہودی آیا۔ وہ علم وفضل اور حسن کلام میں بہت ماہر تھا۔ مامون نے اسے اسلام کی دعوت دی' لیکن اس نے اسلام قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر جب وہ اگلے سال مامون کے پاس آیا تو وہ مسلمان ہو چکا تھا اور علم فقہ (Islamic Jurisprudence) پر اس نے بڑی اچھی تقریر کی جس سے مامون اس سے بہت متاثر ہوا۔ مامون نے اس سے اس کے مسلمان ہونے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ گذشتہ سال آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی تھی اور میں نے اس کو قبول نہ کیا تھا' لیکن جب میں آپ کے پاس سے واپس گیا تو میرے دل میں داعیہ(Motive) پیدا ہوا کہ میں ان ادیان کی حقانیت (Rightfulness) کو آزماؤں۔ پس میں نے تورات کے تین نسخے لکھے جن میں میں نے کچھ کمی بیشی کی۔ میں نے وہ تینوں نسخے یہودیوں کے ہاتھ فروخت کر دیے۔ تورات کے یہ نسخے ظاہری صورت میں نہایت خوبصورت تھے' اس وجہ سے یہودیوں نے بڑے شوق سے ان کو خریدا اور انہیں اپنے زیر مطالعہ رکھا۔ پھر میں نے قرآن حکیم کے تین نسخے اپنے ہاتھ

سے لکھے اور ان میں کچھ کمی بیشی کر دی۔ نسخے بہت خوش خط لکھے اور نہایت خوبصورت ان کی جلد بندی کرائی۔ جب میں ان کو فروخت کرنے کے لیے بازار گیا تو خریدنے والوں نے انہیں مختلف جگہ سے پڑھ کر دیکھا اور انہیں ان میں کچھ کمی بیشی معلوم ہوئی' لہٰذا کسی نے مجھ سے قرآن کے وہ نسخے نہ خریدے۔ اس سے میں جان گیا کہ تورات محفوظ نہیں ہے لیکن قرآن محفوظ ہے۔ اور قرآن کی یہ محفوظیت میرے اسلام لانے کا سبب بنی۔ (۱)

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا! ''ہم نے قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔ (۲)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آسمان سے فرشتے اتر کر قرآن حکیم کو اپنے پروں کے سایہ میں محفوظ رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پوری تاریخ میں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر انجام دیا ہے۔ اس مقصد کے لیے اس نے مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کو ذمہ دار ٹھہرایا۔

آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو بہت کم ساتھی ایسے ملے جو ان کی کتاب کی حفاظت کرتے' لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ دوسرے انبیاء سے مختلف رہا۔ آپ نے اپنی وفات سے قریباً تین ماہ قبل حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا' اس کے سامعین کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار تھی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے انتقال کے وقت مسلمانوں کی تعداد چار پانچ لاکھ کے قریب تھی۔ یہ اس وقت کے لحاظ سے ایک غیر معمولی تعداد تھی۔ آپ کی وفات کے بعد یہ تعداد بڑی تیزی سے بڑھتی رہی۔ اس طرح قرآن حکیم کی حفاظت کی پشت پر اتنا بڑا انسانی گروہ اکٹھا کر دیا گیا جو اس سے قبل کسی آسمانی کتاب کو میسر نہیں ہوا تھا۔

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد

۱۔ زرقانی شرح المواہب : ۷ / ۲۰۶

۲۔ الحجر: ۹

مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ نہایت وسیع علاقہ پر پھیلا اور دنیا میں مسلمانوں کی سب سے بڑی اور سب سے مضبوط سلطنت قائم ہوگئی۔ یہ سلطنت کسی طاقت سے مغلوب ہوئے بغیر مسلسل قائم رہی اور قرآن حکیم کی حفاظت کرتی رہی یہاں تک کہ زمانہ پریس کے دور میں پہنچ گیا اور قرآن حکیم میں تحریف کا امکان سرے سے ختم ہو گیا۔

پریس (Press) کی ایجاد سے یہ ممکن ہو گیا کہ کسی کتاب کا ایک نسخہ لکھا جائے اور پھر اس کو چھاپ کر لاکھوں کروڑوں نسخے تیار کر لیے جائیں' لیکن پہلے ایسا ممکن نہ تھا۔ پہلے صرف ہر نسخہ الگ الگ ہاتھ سے لکھا جاتا تھا جس میں ہر قسم کی غلطی کا امکان بھی تھا اور اکثر ایک نسخے اور دوسرے نسخے میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہو جاتا تھا' مگر قرآن حکیم کے بارے میں مسلمانوں نے یہ بھی احتیاط کی کہ ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخوں میں بھی کسی اعراب اور نقطے تک کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی مدد سے مسلمانوں کو حفاظت قرآن کے بارہ میں اتنا حساس بنا دیا۔

تیسرا انتظام اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت کا یہ کر دیا کہ اس کے متن کو زبانی رٹ کر یاد کرنے کا نادر طریقہ شروع ہوا۔ یہ جذبہ لاکھوں انسانوں کے دلوں میں ابھرا اور انہوں نے اتنی ضخیم کتاب کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا۔ چنانچہ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ قرآن کی حفاظت کے اس طریقے کو ایک فرانسیسی مستشرق نے دہری جانچ (Double Checking) کا طریقہ کہا ہے۔

پھر حفظ قرآن کے بہت سے فضائل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرما کر لوگوں کو حفظ قرآن کی ترغیب دی۔ چنانچہ ایک حدیث میں حفاظ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا اہل فرمایا۔(۱)

ایک اور روایت میں فرمایا کہ بندہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تقرب کا قرآن حکیم سے افضل اور کوئی ذریعہ نہیں۔(۲)

۱۔ ابن ماجہ : ۱ / ۷۸، مستدرک : ۱ / ۵۵۶

۲۔ کنز العمال: ۱/ ۵۶۹

ایک اور حدیث میں جو سیدنا ابن عمرؓ سے مروی ہے سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''حفاظ قرآن اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔ پس جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے اللہ سے دشمنی کی اور جس نے ان سے دوستی کی اس نے اللہ سے دوستی کی۔ (۱)

ایک روایت میں سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے قرآن میں مہارت حاصل کر لی وہ معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو میر منشی ہیں اور نیکوکار ہیں۔'' (۲)

سیدنا ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:''

''صرف دو آدمی قابل رشک ہیں، ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی نعمت عطا فرمائی اور وہ رات دن اس کے ساتھ قیام کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت عطا فرمایا اور وہ اس کو رات دن اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔'' (۳)

سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''وہ شخص جس کے دل میں قرآن حکیم کا تھوڑا سا حصہ بھی نہیں وہ ایک ویران گھر کی مانند ہے۔'' (٤)

۱۔ المناوی: ۳/ ۳۹۷

۲۔ بخاری: ۱/ مسلم: ۱/ ۲۶۹، ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی ثواب قراۃ القرآن: ۱/ ۲۰۵، ترمذی، باب فضائل قرآن: ۲/ ۱۱۸

۳۔ بخاری: ۲/ ۷۵۱، مسلم، کتاب فضائل قرآن، باب فضائل قراۃ المعوذتین: ۱/ ۲۷۲

٤۔ شعب الایمان بیہقی: ۲/ ۳۲۸، ترمذی، باب فضائل قرآن ۲/ ۱۱۹، دارمی: ۱/ ۳۰۸

ایک اور حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''حامل قرآن اسلام کا جھنڈا اٹھانے والا ہے۔ جس نے اس کی عزت کی اس نے اللہ کی عزت کی اور جس نے اس کو ذلیل کیا، اس پر اللہ کی لعنت ہے۔'' (۱)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ سلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

''اپنی اولاد کو تین خصلتوں کا ادب سکھلاؤ۔ اپنے نبی کی محبت، اور اس کی بیویوں اور اولاد کی محبت اور قرآن کی قرأت کیونکہ حفاظ قرآن قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سایہ میں انبیاء اور اصفیاء کے ساتھ ہوں گے جس روز اللہ تعالیٰ کے عرش کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔'' (۲)

ایک اور روایت میں سرکار کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''جس نے قرآن حکیم پڑھا اور اس پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے والدین کو ایسا تاج پہنائیں گے جس کی روشنی اس سورج سے زیادہ اچھی ہوگی۔'' (۳)

دیلمی نے مسند الفردوس میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے نماز میں کھڑے ہو کر قرآن پڑھا اس کے لیے ہر حرف کے بدلہ میں سو نیکیاں ہیں۔'' (٤)

۱۔ المطالب العالیه لابن حجر عسقلانی : ۳/ ۲۸۹

۲۔ جامع صغیر مع المناوی: ۱/ ۲۲۵

۳۔ ابوداؤد: کتاب الصلوٰۃ، باب فی ثواب قراۃ القرآن، مکتبه رحمانیه، ۱/ ۲۱۴ رقم الحدیث: ۱۴۰۳، مجمع الزوائد : ۷/ ۱۶۲

٤۔ کنزالعمال : ۱/ ۵۴۱

سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے بلوغ سے پہلے (یعنی بچپن میں) قرآن حکیم حفظ کر لیا، اس کو علم وفہم بچپن ہی میں دے دیا گیا۔'' (۱)

ان احادیث کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن میں قرآن حکیم کو پڑھنے اور اس کو حفظ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اس قسم کے اسباب سے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کی۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلہم

۱۔ شعب الایمان بیہقی: ۲ / ۲۳۰

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت الکرسی سے نوازنا

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آیت الکرسی اوراس جیسی دوسری مبارک آیات سے نوازا۔ اس قسم کی مبارک آیات کسی اور نبی اور رسول پر نازل نہیں ہوئی۔ چنانچہ سیدنا ابی امامہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا علیؓ کو یہ فرماتے سنا کہ میں نے اسلام میں کوئی عقل وفکر کا حامل شخص نہیں دیکھا جو رات کو آیت الکرسی نہ پڑھتا ہو۔ اگر تمہیں پتہ چل جائے کہ یہ کیا ہے اوراس میں کیا ہے؟ تو تم اس کو کبھی نہ چھوڑو' کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے عرش کے نیچے سے آیت الکرسی عطا کی گئی (اعطیت آیۃ الکرسی من تحت العرش) اور مجھ سے قبل کسی نبی کو اس قسم کی آیت عطا نہیں فرمائی گئی۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے اس کے یہ فضائل سنے میں ہر رات اس کو پڑھتا ہوں۔ سیدنا ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی جب سے سیدنا علیؓ سے یہ سنا میں بھی ہر رات اس کو پڑھتا ہوں۔ (۱)

سیدنا علیؓ کا اس بارے میں ایک اور قول ہے کہ آیت الکرسی جو آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی گئی عرش کے نیچے کا خزانہ ہے' اور یہ آپ کے نبی سے قبل کے کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ اس کا نام آیت الکرسی اس لیے ہے کہ اس میں کرسی کا ذکر ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ بعض سورتوں کو بعض پر فضیلت ہے۔ یہ فضیلت قاری کے لحاظ سے بھی ہے اور اجر کے لحاظ سے بھی ہے۔ چنانچہ بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیت الکرسی قرآن حکیم کی سردار آیت ہے کیونکہ قرآن میں اور ایسی کوئی آیت نہیں ہے جس میں مضمر اور ظاہری طور پر اللہ

۱۔ زرقانی : ۷ / ۲۱۴

تعالیٰ کا سولہ دفعہ ذکر کیا گیا ہو سوائے آیت الکرسی کے۔ ظاہری پانچ دفعہ تو یہ ہے۔ اللہ' الحی' القیوم' العلی' العظیم' اور باقی گیارہ دفعہ مضمر طور پر یوں ہے: لاالہ الا ھو میں ھو' لا تاخذہ میں ضمیرہ' پھر لہ میں ضمیر اور پھر عندہ الا باذنہ میں ضمائر بارزہ' پھر یعلم میں ضمیر مستتر (Understood)' پھر فی علمہ میں ضمیر بارز (Manifest)' پھر شاء میں ضمیر مستتر' پھر کرسیہ میں ضمیر بارز' پھر ولا یودہ میں ضمیر بارز' پھر وھو میں ضمیر ھو۔ گویا سولہ مرتبہ اس آیت میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۱)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اگر آپ توحید و تقدیس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنٰی میں غور و فکر کریں' اور اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ میں تامل کریں تو یہ سب چیزیں آپ کو آیت الکرسی میں ملیں گی۔ اگرچہ یہ اسماء حسنہ اور صفات عالیہ آپ کو سورہ حشر کی آخری آیات اور سورہ الحدید کی ابتدائی آیات میں بھی ملیں گی لیکن وہ کئی آیات ہیں ایک آیت نہیں ہے۔

اسی وجہ سے آیت الکرسی کو قرآنی آیات کی سردار کہا جاتا ہے۔ چنانچہ احادیث نبویہ میں ہے۔ کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے تو اس کو جنت کے داخلہ میں سوائے موت کے اور کوئی شے مانع نہیں ہو گی۔ (۲)

اس آیۃ الکرسی کے علاوہ اور بھی کئی آیات ہیں جو صرف آپ کو عطا کی گئیں جیسے کہ سورہ البقرہ کی آخری آیات جو آمن الرسول سے شروع ہوتی ہیں' ان تین آیات اور آیہ الکرسی کو عرش کے خزانوں میں سے کہا گیا ہے۔ چنانچہ طبرانی میں سیدنا ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ چار چیزیں عرش کے خزانوں میں سے ہیں:

(۱) سورۃ فاتحہ

(۲) آیت الکرسی

(۳) سورۃ البقرہ کی آخری تین آیات اور

(۴) سورۃ الکوثر۔

۱۔ زرقانی: ۷/ ۲۱۴

۲۔ مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۰۵۷۲

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی ختم نبوت، اہم خصوصیت

سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی نبی اس دنیا میں تشریف لائے وہ نبی اور رسول تھے، ان میں سے کسی نے بھی خاتم النبیین ہونے کا دعویٰ نہ کیا۔ ہر ایک نے اپنے بعد کسی نہ کسی نبی کے آنے کی خبر دی، لیکن آخر میں صرف ایک ایسا نبی آیا جس نے یہ کہا کہ میرے بعد نبی تو کوئی نہیں آئے گا صرف قیامت آئے گی۔ اس لیے ختم نبوت کا مسئلہ اسلام کے بنیادی اور اصولی مسائل میں سے ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ چودہ سو سال کے عرصہ میں سوائے مدعیانِ نبوت کے اور کسی شخص نے اس بنیادی مسئلہ میں کبھی کوئی اختلاف نہیں کیا۔ قرآن حکیم میں اس مسئلہ کے بارے میں ایک سو آیات دو سو سے زائد احادیث نبویہ اور سینکڑوں ائمہ کے اقوال موجود ہیں۔

اس عالم ہست و بود میں حسن الوہیت کی شان مظہریت کے تمام اوصاف و کمالات جو مختلف طبقات انسانی میں منتشر تھے، انہیں یک جا کر کے پیکران نبوت و رسالت میں رکھ دیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں نبوت و رسالت کا وجود جملہ مظاہر ربوبیت کا مظہر و عکاس ٹھیرا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پوری کائنات نبوت جملہ کمالات و محاسن کی آئینہ دار بن گئی۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسا پیکر نبوت بھی تشکیل دیا جائے جو ان تمام شئون و اوصاف کا مظہر اتم ہو جو پہلے تمام انبیاء کو حاصل تھے۔ چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کی مشیت کے تحت سب مظاہر حسن کے تمام جلوے پیکر مصطفوی کی صورت میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے، اور پھر اس پیکر حسن و جمال پر رسالت و نبوت کا وہ سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچا جو سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا اور اب مشیت الٰہی نے نبوت و

رسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

ختم نبوت کے سلسلہ میں قرآن حکیم میں ایک آیت ''خاتم النبیین'' کے نام سے بھی ہے جس میں اس مسئلہ کو نہایت احسن انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ﴾ (۱)

''یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور ختم کرنے والے نبیوں کے''

اس آیت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاتم النبیین کا لفظ استعمال فرمایا جس کا ترجمہ ہے۔ نبیوں کا ختم کرنے والا اور سب سے آخری نبی۔ اور انہی معنوں پر پوری امت متحد و متفق ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:

﴿فَهٰذِهِ الْاٰيَةُ نَصٌّ عَلٰى اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ﴾ (۲)

''پس یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔''

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کے آخر میں لکھا:

﴿وَقَدْ اَخْبَرَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ الْعَزِيْزُ اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ كُلَّ مَنِ ادَّعٰى هٰذَا الْمُقَامَ بَعْدَ فَهُوَ كَذَّابٌ، اَفَّاكٌ، دَجَّالٌ، ضَالٌّ، مُضِلٌّ﴾ (۳)

''اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن حکیم میں اس بات کی خبر دی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے تا کہ لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ

۱۔ الاحزاب: ۴۰

۲۔ تفسیر ابن کثیر : ۳ / ۱۰۰

۳۔ مختصر تفسیر ابن کثیر : ۳ / ۱۰۰

کذاب ہے، مفتری ہے، دجال ہے، خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔"

اور حافظ سید محمود آلوسی نے لکھا ہے:

﴿وَاَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْاِجْمَاعِ﴾(۱)

"اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتاب وسنت اور اجماع کی رو سے آخری نبی ہیں۔"

علامہ نسفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

﴿خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ آخِرُهُمْ يَعْنِيْ لَايُنَبَّأُ اَحَدٌ بَعْدَهٗ﴾(۲)

"خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ آپ سب سے آخر میں ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی دعویٰ نبوت نہیں کرے گا۔"

امام فخر الدین رازیؒ نے اس بارے میں لکھا ہے کہ:

"اس سلسلہ میں خاتم النبیین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایک نبی کے بعد دوسرا نبی آنا ہوتا ہے تو وہ تبلیغ اور احکام کی توضیح کا متن کسی حد تک نامکمل چھوڑ جاتا ہے اور بعد میں آنے والا نبی اسے مکمل کرتا ہے، لیکن جس نبی کے بعد کسی اور نبی کی آمد نہیں ہوگی وہ اپنی امت پر بہت زیادہ شفیق ہوتا ہے اور اس کے لیے واضح، قطعی اور کامل ہدایت فراہم کرتا ہے جیسے ایک باپ جانتا ہو کہ اس کے بعد اس کے بیٹے کی نگہداشت کرنے والا کوئی سرپرست اور کفیل نہ ہوگا۔"(۳)

علامہ جار اللہ زمخشری نے لکھا ہے:

"اگر آپ یہ سوال کریں کہ جب یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نبی

۱۔ روح المعانی: ۲۲/ ۳۲

۲۔ مدارک: ۵/ ۷۱

۳۔ تفسیر کبیر: ۶/ ۵۸۱

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے قبل آخری زمانہ میں نازل ہوں گے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی کیسے ہو سکتے ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس معنی میں آخری نبی ہیں کہ ان کے بعد کوئی اور شخص نبی کی حیثیت سے مبعوث نہ ہو گا۔ رہا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ تو ان انبیاء میں سے ہیں جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل خلعت نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا، اور اب وہ دوبارہ تشریف لائیں گے تو وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے متبع ہوں گے اور انہی کے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں گے جیسا کہ امت کے دوسرے افراد کرتے ہیں۔'' (۱)

علامہ اسماعیل حقی اس بارے میں فرماتے ہیں:

''عاصم نے اس لفظ کو خاتم (بفتح تا) پڑھا ہے جس کا معنی مہر لگانے کا وہ آلہ ہے جس سے اشیاء پر مہر لگائی جاتی ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر میں آئے ہیں اور انہی پر انبیاء کا سلسلہ بند ہوا اور اس پر مہر لگ گئی۔ بعض حضرات نے اسے خاتم (بکسر التا) پڑھا ہے جس کے معنی مہر لگانے والا ہے تو اس طرح خاتم خاتم کا ہم معنی ہوا.......... اسی وجہ سے اس امت کے علمائے صالحین ولایت میں آپ کے جانشین ہوں گے کیونکہ نبوت کی جانشینی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ثانیہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی کیونکہ خاتم النبیین کا معنی یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہو گا.......... اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس سے قبل نبوت سے سرفراز ہو چکے ہیں، اور بعثت ثانیہ کے وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے متبع ہوں گے، اور آپ کے دوسرے

۱۔ تفسیر الکشاف: ۲ / ۲۱۵

امتیوں کی طرح انہی کے قبلہ کی جانب رخ کر کے نماز ادا کریں گے، اور حضرت محمد ﷺ کے خلیفہ ہوں گے۔" (۱)

پھر اس آیت خاتم النبیین کی تشریح و توضیح خود سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی مختلف احادیث میں بیان کر دی۔ اور حافظ ابن تیمیہؒ نے یہ بات بالکل درست فرمائی ہے۔

﴿وَمِمَّا يَنۡبَغِيۡ اَنۡ يَّعۡلَمَ اَنَّ الۡاَلۡفَاظَ الۡمَوۡجُوۡدَةُ فِي الۡقُرۡآن، وَالۡحَدِيۡثِ اِذَا عُرِفَ تَفۡسِيۡرُهَا وَمَا اُرِيۡدَ بِهَا مِنۡ جِهَّةِ النَّبِيِّ ﷺ لَمۡ يَحۡتَجۡ فِيۡ ذَالِكَ اِلىٰ الۡاِسۡتِدۡلَالِ بِاَقۡوَالِ اَهۡلِ اللُّغَةِ وَلَا غَيۡرُهُمۡ﴾ (۲)

"یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ کی ذات گرامی کی جانب سے قرآن و حدیث کے الفاظ کی تشریح و توضیح معلوم ہو جائے تو پھر ماہرین لغت اور دوسروں کے اقوال کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔"

ختم نبوت کی روایات درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں:

اور احادیث نبویہ اس مسئلہ ختم نبوت میں درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جن کا کوئی جاہل اور احمق کے سوا انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ علامہ محمود آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ:

"اور رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ کے اس عالم میں وصف نبوت کے ساتھ متصف ہونے کے بعد وصف نبوت کا پیدا ہونا منقطع ہو گیا ہے۔ جن و انس میں سے کسی میں اب یہ وصف پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ مسئلہ ختم نبوت اس عقیدہ سے ہرگز معارض نہیں جس پر امت نے اجماع کیا ہے اور

۱۔ روح البیان: ۲۲ / ۱۸۸

۲۔ کتاب الایمان: ص ۲۷۱

جس میں احادیث نبویہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں اور شاید درجۂ تواتر معنوی کو پہنچ جائیں، اور جس پر قرآن حکیم نے تصریح کی اور جس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس کے منکر مثلاً فلاسفہ کو کافر سمجھا گیا ہے یعنی نزول عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس عالم میں نبوت ملنے سے پہلے وصف نبوت کے ساتھ متصف ہو چکے تھے۔" (۱)

حافظ ابن کثیرؒ نے بھی لکھا ہے کہ:

﴿وَبِذٰلِکَ وَرَدَتِ الْاَحَادِیْثُ الْمُتَوَاتِرَۃُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مِنْ حَدِیْثِ جَمَاعَۃٍ مِّنَ الصَّحَابَۃِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ﴾ (۲)

"اور اسی پر رسول اللہ ﷺ سے احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں جن کو صحابہ کرامؓ کی ایک بہت بڑی جماعت نے آپ ﷺ سے نقل کیا ہے۔"

اور متواتر احادیث کا منکر کافر ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ طاہر بن صلاح الجزائریؒ نے فرمایا ہے کہ

﴿وَالْمُتَوَاتِرَ یَکْفُرُ جَاحِدُہٗ﴾ (۳)

"متواتر احادیث کا منکر کافر ہوتا ہے۔"

سرکار دو عالم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی یہ خصوصیت نہ یہ کہ قرآن حکیم اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے بلکہ پوری امت کا اس پر اجماع بھی ہے کہ آپ کی یہ خصوصیت کسی اور نبی میں نہیں ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور جو شخص آپ کی بعثت کے بعد دعویٰ نبوت کرے وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ چنانچہ علامہ

۱۔ روح المعانی: ۷/ ۶۰

۲۔ تفسیر ابن کثیر: ۸/ ۸۹

۳۔ توجیه النظر: ص ۳۶

سید محمود آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ:

﴿وَكُوْنُهُ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ مِمَّا نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ وَصَدَعَتْ بِهِ السُّنَّةُ وَاجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ فَيَكْفُرُ مُدَّعِي خِلَافِهِ وَيُقْتَلُ إِنْ أَصَرَّ﴾(۱)

''اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ان مسائل میں سے ہے جن پر قرآن ناطق ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اس کو اجاگر کرتی ہیں، اور تمام امت نے اس پر اجماع کیا ہے، پس اس کے خلاف دعویٰ کرنے والا کافر سمجھا جائے گا، اور اگر وہ اصرار کرے تو قتل کر دیا جائے۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا آپ کی ایک نہایت اہم خصوصیت ہے اور جو آپ کی اس خصوصیت کا انکار کرتا ہے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کرے اس کا بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی کہ وہ خاتم النبیین ہیں اور وہ تمام کائنات کی طرف مبعوث ہوئے ہیں، اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ ان الفاظ کا اس ظاہری مفہوم کے سوا اور کوئی معنی نہیں اور اس کے مفہوم میں کسی قسم کی تاویل اور تخصیص کی کوئی گنجائش نہیں، لہٰذا اجماع اور حدیث دونوں کی رو سے ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔''(۲)

علامہ ابوشکور سالمیؒ نے اس بارے میں لکھا ہے:

''جان لو کہ ہر مسلمان عاقل پر یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ

۱۔ تفسیر روح المعانی : ۷/ ۶۵

۲۔ الشفاء : ۲ / ۲۷۰

محمد ﷺ اللہ کے رسول تھے اور اب بھی وہی رسول ہیں........
اور حضور ﷺ خاتم الانبیاء تھے۔ پس آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا سوائے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے جو حضور ﷺ سے قبل رسالت اور نبوت کے منصب پر فائز تھے اور وفات ان کی بعد کو ہوگی...... اور جو شخص اس زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہو جائے گا، اور جو اس سے معجزہ طلب کرے وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے نص قرآن میں شک کیا۔ (۱)

انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کئی پیغمبروں کی اولاد کو بھی خلعت نبوت سے سرفراز کیا گیا جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کو اور پھر سیدنا اسحاق کے بیٹے یعقوب علیہ السلام اور سیدنا یعقوب کے بیٹے سیدنا یوسف علیہ السلام کو منصب نبوت سے نوازا گیا۔ اگر سرکار دو عالم ﷺ کا کوئی بیٹا جوان ہوتا تو وہ بھی منصب نبوت پر فائز ہوتا۔ لیکن اگر وہ بیٹا آپ کی ختم نبوت کے باعث نبی نہ ہوتا تو اس طرح آپ کی شان نبوت کی اکملیت پر حرف آتا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کو گوارا نہ ہوا کہ اس بے مثل پیغمبر کو قیامت کے روز کوئی خجالت ہو لہٰذا حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے صاحبزادوں کو بچپن ہی میں اٹھالیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی آخری عمر کے ایک صاحبزادے سیدنا ابراہیمؓ کو بھی بچپن ہی میں جب کہ وہ اٹھارہ ماہ کے تھے، اپنی طرف اٹھالیا۔

اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ:

﴿قُلْتُ لِابْنِ اَبِیْ اَوْفیٰ: رَأَیْتُ اِبْرَاهِیْمَ بْنَ النَّبِیِّ ﷺ، قَالَ: مَاتَ صَغِیْرًا، وَلَوْ قَضٰی اَنْ یَّكُوْنَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِیٌّ عَاشَ اِبْنُهٗ، وَلٰكِنْ لَانَبِیَّ بَعْدَهٗ﴾ (۲)

''میں نے سیدنا ابن ابی اوفیؓ سے سوال کیا کہ آپ نے نبی

۱۔ التمہید: ص ۱۰۵

۲۔ بخاری: ۵ / ۲۲۸۹، سنن ابن ماجہ: ۱ / ۴۸۴

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے سیدنا ابراہیمؑ کو دیکھا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: وہ بچپن ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی کو آنا ہوتا تو آپ کے یہ صاحبزادے زندہ رہتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں (اس وجہ سے وہ بچپن ہی میں انتقال کر گئے)''

ایک اور روایت میں جو اگرچہ ضعیف ہے، ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صاحبزادے سیدنا ابراہیمؑ کے انتقال پر فرمایا تھا:

﴿لو عاش ابراهيم لكان صديقاً نبياً﴾ (۱)

''اگر ابراہیمؑ زندہ رہتا تو وہ نبی ہوتا۔''

ختم نبوت............ایک عظیم احسان:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی نبوت کا دعویٰ کیا ہی تھا کہ ایک قبیلہ کا شخص کعبہ کی زیارت کے لیے مکہ مکرمہ آیا۔ جب وہ واپس گیا تو قبیلہ کے لوگوں نے حسب معمول ان سے کہا کہ کوئی خبر ہو تو بتاؤ۔ اس نے جواب دیا:

﴿مُحَمَّدٌ تَنَبَّاَ وَتَبِعَهُ اِبْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ﴾

''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور ابن ابی قحافہ (سیدنا ابوبکرؓ) ان کا ساتھ دے رہا ہے۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دعویٰ نبوت کیا تو مخالفین اس زمانہ میں آپ کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے جس کا مطلب ہوتا تھا فلاں دیہاتی کا لڑکا۔ پیغمبر اسلام کا یہ حال اس زمانہ میں تھا، لیکن صدیاں گزرنے کے بعد اب صورت حال بالکل مختلف ہے کیونکہ اب آپ کی نبوت کوئی نزاعی مسئلہ نہیں بلکہ اب وہ ایک تسلیم شدہ واقعہ (Established Fact) کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ آج جب کوئی شخص ''محمد رسول اللہ'' کہتا ہے تو اس کے ذہن میں ایک ایسے پیغمبر کا تصور ہوتا ہے جس کے گرد ایک عظیم

۱۔ ابن ماجه: ص ۱۰۰

تاریخ بن چکی ہے۔ اور جس کی پشت پر چودہ سو سال کی تصدیقی شہادتیں اور عظمتیں موجود ہیں۔

گذشتہ زمانوں میں نبیوں کے ہم زمانہ لوگوں کے لیے نبی کے انکار کرنے کی سب سے بڑی نفسیاتی وجہ یہی تھی کہ یہ تو وہی معمولی شخص ہے۔ وہ اچانک اللہ کا رسول اور نبی کیسے ہو گیا۔ جب بھی کوئی شخص دعویٰ نبوت کرتا، یہ خیال ایک قسم کا شک اور تردد بن کر اس کے ہم زمانہ لوگوں کے اوپر چھا جاتا اور نبی کی پیغمبرانہ حیثیت کو پہنچاننے میں معاصرین کے لیے مشکلات پیدا کر دیتا۔ سرکار دو عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل یہی صورت حال انسانیت کو مسلسل ایک کڑی آزمائش میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔ ہر پیغمبر کے دعویٰ نبوت کے وقت مخاطب قوم کی اکثریت اس نفسیاتی رکاوٹ کی وجہ سے اپنے ہم عصر نبی کے بارے میں شک اور تردد میں پڑ کر انکار کر دیتی اور آخر کار سنت اللہ کے مطابق وہ ہلاک کر دی جاتی۔ اس طرح عاد و ثمود اور دوسری کئی قومیں اپنے نبیوں کی نبوت کے انکار پر ہلاک ہوئیں جن کا ذکر قرآن حکیم اور دوسری الہامی کتابوں میں موجود ہے۔

اب مشیت الٰہی نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ایک ایسا نبی بھیجے جو ساری دنیا بلکہ سارے جہانوں کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دے، وہ رحمۃ للعالمین ہو۔ اس کی ذات گذشتہ پیغمبروں کی طرح لوگوں کو اس آزمائش اور امتحان میں نہ ڈالے کہ معلوم نہیں یہ واقعی پیغمبر ہے یا نہیں؟ اس کی نبوت دور کے لوگوں کے لیے ایک مسلمہ حیثیت رکھتی ہو۔ لوگ کسی نفسیاتی مشکل میں مبتلا ہوئے بغیر اس کو پہچان لیں اور اس پر ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں حصہ دار بنیں۔ اور آپ کی امت میں آپ کے بعد کفر و اسلام کا مسئلہ کھڑا نہ ہو اور قیامت تک آپ کی امت میں اضافہ ہوتا رہے۔

اس بات کو بنی اسرائیل کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ سیدنا مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں جو یہود تھے وہ سب اللہ تعالیٰ کی شریعت پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے امتی تھے۔ لیکن جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے نبوت کا دعویٰ کیا تو ان کو نبی ماننا یہود کے لیے ممکن نہ ہو سکا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو وہ اب بھی نبی مانتے تھے لیکن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر رہے تھے۔ اس کی وجہ سے سوائے چند لوگوں کے جو

سیدنا مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے باقی سارے یہودی کافر قرار پائے۔اب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے چھ سو برس بعد جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اس وقت عیسائیوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی لیکن دوبارہ وہی کچھ ہوا جو سیدنا مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا تھا کہ عیسائی آپ کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ وہ تاریخی نبی (سیدنا مسیح علیہ السلام) پر بدستور ایمان لانے والے چند عیسائیوں کو چھوڑ کر پوری عیسائی قوم کو کافر قرار دے دیا گیا۔

ختم نبوت کی وجہ سے امت محمدی پر ایک بہت بڑا احسان کیا گیا کہ تاریخ انسانی میں بار بار نئے نبیوں کی آمد کے آزمائشی دور میں اس امت کو نہ ڈالا گیا بلکہ اس امتحانی دور کو ختم کر دیا گیا۔ اور ہر قسم کے نبی کی آمد کو روک دیا گیا تا کہ امت محمدی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح نئے نبی کے انکار کی وجہ سے کافر قرار نہ دی جائے۔

سلسلہ نبوت بند کرنے کے لیے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے:

آئندہ کے لیے نبیوں کا سلسلہ بند کرنے سے پہلے تین باتوں کا ہونا ضروری تھا۔

(۱) زندگی کے تمام معاملات کے لیے احکام خداوندی کا نزول

(۲) وحی الٰہی کی دائمی حفاظت کا انتظام

(۳) انسانی کردار کے لیے ایک کامل نمونہ کا سامنے آجانا

اللہ تعالیٰ نے ایک فیصلہ کے ذریعہ ان تینوں باتوں کی تکمیل کا انتظام فرما دیا

دعوت نبوت کو انفرادی تقاضوں سے لے کر اجتماعی معاملات تک زندگی کے تمام مراحل سے گزرنا پڑا اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے مسلسل احکام اترتے رہے۔ سنت اللہ یہ ہے کہ وہ حالات کے لحاظ سے اپنے احکام بھیجتا ہے۔ دوسرا انتظام یہ کیا گیا کہ بجائے اس بات کے کہ مخاطب قوم کے لیے آسمانی عذاب نازل ہو جیسا کہ پہلی قوم کے منکرین نبوت پر اترتا رہا، خود نبی اور اس کے ساتھیوں (اصحاب) کو ان سے ٹکرا کر انہیں دین خداوندی پر ایمان لانے اور اسے قبول کرنے کے لیے مجبور کیا جائے گا۔ (تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ) دوسرے لفظوں میں یہ کہ اس سے پہلے جو کام اللہ کے فرشتے کرتے تھے اس کو انسانوں کے ذریعہ انجام دینے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔

وحی الٰہی (قرآن حکیم) کی حفاظت کی مختلف صورتیں پیدا کی گئیں۔ قرآن حکیم سے قبل نازل شدہ جو کتابیں محفوظ نہ رہ سکیں اور تحریف کی نظر ہو گئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کتابوں کی پشت پر کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو بزور ان کو ضائع اور محرف ہونے سے بچاتی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین نے اس زمانہ کی کافر قوموں سے مقابلہ کر کے عرب اور دوسری دنیا کے بہت بڑے حصہ پر اسلام کی حکومت قائم کر دی۔ اس طریقہ سے کتاب الٰہی کو حکومتی اقتدار کا سایہ حاصل ہو گیا اور اس طرح سے کتاب اللہ کی حفاظت کا وسیلہ پیدا ہو گیا۔ یہ انتظام اس قدر طاقت ور تھا کہ ایک ہزار برس تک اس میں کوئی فرق نہ آ سکا۔ چنانچہ اس طریقہ سے قرآن حکومت اسلامی کے زیر سایہ ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتا رہا یہاں تک کہ صنعتی انقلاب رونما ہوا اور پریس ایجاد ہوا جس کے بعد قرآن حکیم کے ضائع اور محرف ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت نبوت کو انفرادی تقاضوں سے لے کر اجتماعی معاملات تک جب زندگی کے تمام مراحل سے گزرنا پڑا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قسم کی سرگرمیوں میں اسلامی کردار کا عملی نمونہ دکھا سکے۔ اس کے بعد خود حالات کے ارتقاء کے تحت ایسا ہوا کہ پیغمبر اسلام کو مسجد اور مکان سے لے کر میدان جنگ اور تخت حکومت تک ہر جگہ کھڑا ہونا پڑا اور ہر جگہ انہوں نے معیاری انسانی کردار کا مظاہرہ کر کے قیامت تک کے لوگوں کے لیے ایک نمونہ قائم کر دیا جس کو قرآن حکیم نے اسوۂ حسنہ کے نام سے تعبیر کیا "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ."

یہ سب کچھ جو ہوا یہ کوئی آسانی سے اور ٹھنڈے نہیں ہو گیا بلکہ اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کے ساتھیوں کو ناقابل برداشت طوفان سے گزرنا پڑا۔ یہ سب کچھ اتنی قیامت خیز سطح پر ہوا کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا کہ "اس راہ میں مجھ کو اس قدر ستایا گیا جتنا کسی دوسرے نبی کو نہیں ستایا گیا۔ آپ کی رفیقۂ حیات سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے شہادت دی کہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روند ڈالا تھا (حَطَمَهُ النَّاسُ) اتنی تکالیف اور شدائد برداشت کرنے کے بعد ہی یہ ممکن ہو سکا کہ تاریخ میں اس نبوت کا دور شروع ہو جس کو رحمۃ للعالمین کہا گیا ہے۔

قصر نبوت کی آخری اینٹ:

قصر نبوت جس کی خشت اول سیدنا آدم علیہ السلام تھے اس کی خشت آخر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قصر نبوت اپنی تکمیل کو پہنچا۔ اب اس قصر میں کسی مزید اینٹ کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ چنانچہ آپ نے اپنی ایک حدیث میں اس بات کو یوں بیان فرمایا:

﴿اِنَّ مَثَلِی وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِی کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا، فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِیَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَهٗ، وَیَقُوْلُوْنَ: هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَاَنَا اللَّبِنَةُ، وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ﴾(۱)

"یعنی میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اسے بہت خوبصورت اور عمدہ بنایا، لیکن اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ لوگ اس گھر کے اردگرد چکر لگاتے اور اس پر خوشی کا اظہار کرتے اور کہتے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہ رکھی گئی۔ پس میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں آخری نبی ہوں۔ (سو اس طرح میری بعثت سے قصر نبوت مکمل ہو گیا اور اب اس میں مزید کسی نبی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں)۔"

(ا) اس حدیث سے پتہ چلا کہ نبوت ایک عالی شان محل کی طرح ہے۔ آپ کی بعثت سے قبل پورا محل مکمل ہو چکا تھا اور صرف ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی جو

۱۔ بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم، ۱/ ۵۰۱، مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقة صلی اللہ علیہ وسلم علی امته ومبالغته، ۲/ ۲۴۸، ترمذی، باب مناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲/ ۵۷۸، مسند احمد بن حنبل، ۲/ ۳۱۲، ۳۹۸، احادیث جاری طفیل بن أبی بن کعب، ۵/ ۱۳۷، صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: ۶۴۰۵، بیهقی، شعب الایمان: ۲/ ۱۷۸ وغیرہ

آپ کی بعثت سے مکمل ہوگئی۔

(۲) قصر نبوت کی آخری اینٹ سے اپنے آپ کو تشبیہ دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جہاں لفظ خاتم النبیین کے معنی بیان فرما دیئے وہاں ختم نبوت کا اعلان بھی فرما دیا۔

(۳) قصر نبوت میں چونکہ ہر قسم کے یعنی تشریعی اور غیر تشریعی انبیاء وغیرہ شامل ہیں اور پھر آخر میں آپ نے فرمایا کہ میں ''خاتم النبیین'' ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہے اور اب آپ کے بعد نہ کوئی تشریعی نبی آ سکتا ہے اور نہ غیر تشریعی، اور نہ کوئی امتی نبی آ سکتا ہے اور نہ کوئی ظلی اور بروزی۔

اس مضمون کی چار روایات مسلم کتاب الفضائل میں مروی ہیں جن میں مذکورہ بالا الفاظ کے بعد یہ اضافہ ہے ''فَجِئْتُ فَخَتَمْتُ الْاَنْبِیَاءَ'' پس میں نے آ کر انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔

مسند ابی داؤد طیالسی میں بھی یہ حدیث سیدنا جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے اور اس کے آخری الفاظ یوں ہیں ''خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ'' یعنی مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

اس مضمون کی کئی روایات مسند احمد بن حنبل میں الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ سیدنا ابی بن کعبؓ، سیدنا ابوسعید خدریؓ اور سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کوئی غیر تشریعی نبی بھی نہیں:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ آخری نبی ہیں۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ، کُلَّمَا هَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَهٗ نَبِیٌّ وَاَنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ، وَسَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَیَکْثُرُوْنَ، قَالُوْا: مَا تَاْمُرُنَا؟ قَالَ: اَوْفُوْا بَیْعَةَ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ﴾ (۱)

۱۔ الحدیث بخاری، کتاب الأنبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، ۱/۴۹۱، مسلم، کتاب الامارة، باب الأمام جنة یقاتل من ورائه ویتقی به، ۲/۱۲۶، مسند احمد بن حنبل: ۲/۲۹۷، بیهقی: ۸/۱۴۴

''بنی اسرائیل کی سیاست ان کے نبی کیا کرتے تھے۔ جب کسی نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہو جاتا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یکے بعد دیگرے ہر بیعت پر وفا کرو۔''

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

(۱) سیاست انبیاء علیہم السلام کا کام ہے۔ آج کل سیاست کو ہم نے یک قلم خیر باد کہہ کر اس کو چوروں ڈاکوؤں اور لوٹوں کے ہاتھ میں دے دیا ہے، یہ سنت انبیاء کے خلاف ہے۔ آج کل کے سیاست دانوں نے نہایت چالاکی اور چابک دستی سے اہل سیاست اور اہل دین کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر کے سیاست کو دین سے الگ کر دیا ہے اور اب یہ سیاست چنگیزی بن کر رہ گئی ہے۔ اسی کے بارے میں اقبالؒ نے کہا تھا ع

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد غیر تشریعی نبی بھی نہیں ہوں گے کیونکہ بنی اسرائیل میں اکثر نبی جو صرف سیاست کے لیے آتے تھے غیر تشریعی ہوتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ﴾ (۱)

''ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور تھا۔ (بعد کے انبیاء) اس کے مطابق حکم کیا کرتے تھے۔''

یعنی وہ شریعت جدیدہ لے کر نہ آتے تھے بلکہ تورات کی شریعت کے تحت ہی حکم اور سیاست کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے:

﴿قَوْلُهٗ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ اَیْ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا ظَهَرَ فِيْهِمُ الْفَسَادُ بَعَثَ اللّٰهُ لَهُمْ نَبِيًّا يُقِيْمُ لَهُمْ اَمْرَهُمْ وَيَزِيْلَ

۱۔ المائدہ: ۴۳

مَاغَيَّرُوْا مِنْ اَحْكَامِ التَّوْرَاةِ﴾(۱)

''تسوسہم الانبیاء کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں کوئی فساد رونما ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح کے لیے کوئی نبی بھیج دیتے جو ان کے معاملات کو درست کرتا اور ان تحریفات کو دور کرتا جو انہوں نے تورات میں کی ہوتی تھیں۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد اس حدیث سے یہی تھی کہ میرے بعد کوئی غیر تشریعی اور امتی نبی بھی نہیں آئے گا۔

(۳) تیسری چیز اس حدیث سے یہ ثابت ہوئی کہ اب ان غیر شرعی اور امتی نبیوں کی جگہ میری امت میں خلفاء ہوں گے نہ کہ نبی، چنانچہ اگر کسی قسم کی نبوت باقی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعد ان نبیوں کا ذکر فرماتے نہ کہ خلفاء کا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہے۔

تیس کذابوں کی پیش گوئی:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو شخص بھی دعویٰ نبوت کرے وہ کذاب ہے، جھوٹا ہے اور اس کا دعویٰ جھوٹ پر مبنی ہے۔ آپ نے نہ صرف اس کو کذاب کہا بلکہ ان کذابوں کی تعداد بھی بتادی۔

چنانچہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿اَنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ ثَلاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ، كُلُّهُمْ يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِيٌّ، وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ، لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ. وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ﴾(۲)

۱۔ فتح الباری : ۶ / ۳۶

۲۔ ترمذی ، کتاب ابواب الفتن، باب لاتقوم الساعة حتی یخرج کذابون، مکتبہ رحمانیہ، ۲ / ۴۹۲ ،ابواؤد کتاب الملاحم، باب خبر ابن الصائد، ۲ / ۲۴۰ ، ابن ماجه : ۲ / ۱۳۰

''بے شک میری امت میں تیس بڑے کذاب ظاہر ہوں گے، ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹے مدعیان نبوت اپنے کو امتی نبی کہیں گے، (فی امتی)۔ اس سے پتہ چلا کہ امتی نبی ہونے کا دعویٰ بھی ختم نبوت کے منافی ہے اور اپنے کو امتی نبی کہنے والا بھی کذاب ہے۔ اور امتی نبی دوسرے لفظوں میں غیر تشریعی نبی ہی ہوتا ہے۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا ''حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔''

(۲) آپ ﷺ نے جھوٹے مدعیان نبوت کے جھوٹا ہونے کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے کو نبی گمان کریں گے، لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کے کذاب ہونے کی سب سے بڑی دلیل اس کا دعویٰ نبوت ہے۔

(۳) تیسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی کہ میں خاتم النبیین ہوں، اور خاتم النبیین کا مطلب سرکار دو عالم ﷺ نے خود ہی بیان فرما دیا ''لا نبی بعدی'' یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں، یعنی آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آ سکتا کیونکہ یہاں لانفی جنس کا ہے۔

(۴) چوتھی بات اس حدیث سے یہ ثابت ہوئی کہ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کے ہیں۔ ''نبیوں کی مہر'' کے نہیں جیسا کہ بعض مدعیان نبوت یہ معنی کرتے ہیں کیونکہ ''اَنَا خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ'' کے بعد ''لَانَبِیَّ بَعْدِیْ'' کا اضافہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ خاتم کے معنی مہر کے نہیں بلکہ آخر کے ہیں۔

اور اسی طرح مسند احمد اور معجم طبرانی میں سیدنا حذیفہؓ سے مرفوعاً یہ الفاظ مروی ہیں:

﴿اَنَا خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ﴾

''میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں۔''

اس روایت میں بھی خاتم النبیین کے بعد جملہ "لانبی بعدی" بطور تفسیر ذکر کیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے اس جملہ کا پہلے جملہ پر عطف نہیں کیا گیا اس لیے کہ بلاغت کا قاعدہ ہے کہ جب جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ کے لیے عطف بیان ہو تو پھر معطوف ناجائز ہو جاتا ہے، اس لیے کہ عطف نسق چاہتا ہے تغائر کو اور عطف بیان چاہتا ہے کمال اتحاد کو اور کمال وحدت اور مغائرت جمع نہیں ہو سکتی۔

رسالت و نبوت کا مکمل انقطاع:

ایک اور روایت میں رسالت و نبوت کے مکمل انقطاع کو ان واشگاف لفظوں میں بیان فرمایا۔ چنانچہ سیدنا انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اَنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدْ اِنْقَطَعَتْ، فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ﴾(۱)

"بے شک رسالت اور نبوت دونوں منقطع ہو چکی ہیں، لہٰذا میرے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ کوئی رسول۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نام عاقب ہے:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نام عاقب بھی ہے جس کا مطلب ہے سب کے بعد آنے والا۔

چنانچہ سیدنا جبیر بن مطعمؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِیُ الَّذِیْ یُمْحٰی بِیَ الْكُفْرُ، وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرَ النَّاسُ عَلٰی عَقِبِیْ، وَاَنَا

۱۔ ترمذی: ۴ / ۱۶۳، مسند احمد، الباب السابع فی صلاة الجماعة و مایتعلق بها، الفصل الثالث فی خصائل المساجد و آدابه، ۳ / ۲۶۷، مستدرک حاکم: ۴ / ۴۳۳

الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَهُ نَبِیٌّ﴾(۱)

''میں محمد ہوں، میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں جس کے ذریعہ کفر مٹا دیا جائے گا، اور میں حاشر ہوں جس کے بعد لوگ اٹھائے جائیں گے، اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔''

ایک اور حدیث میں سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لَانَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَ اُمَّتِیْ﴾(۲)

''یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبی کوئی نہیں ہوگا تو امت کیسے ہوگی کیونکہ بعد والے نبی پر ایمان لانے سے امت بدلتی ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی شخص دعویٰ نبوت کرے تو بعد والے مدعی نبوت پر جو لوگ ایمان لائیں گے وہ مسلمانوں سے الگ امت ہوں گے۔ اسی دلیل کی بنا پر پاکستان کی قومی اسمبلی اور وفاقی شرعی عدالت نے قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ امت قرار دیا ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں اپنی امت کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری امت قرار دیا۔ چنانچہ ابوامامہ باہلیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿اَنَا آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ آخِرُ الْاُمَمِ﴾(۳)

''اے لوگو! سن لو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔''

۱۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب فی اسمائه صلی اللہ علیہ وسلم، ۲ / ۲۶۱، کتاب المناقب، باب ماجاء فی اسماء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ۱/۵۶، ترمذی : ۵/ ۱۳۵

۲۔ طبرانی، معجم کبیر : ۸/ ۳۰۳، بیهقی : ۵ / ۱۹۷، مجمع الزوائد : ۷ / ۱۸۴

۳۔ ابن ماجه، باب فتنة الدجال و خروج عیسیٰؑ و خروج یاجوج ماجوج، رقم الحدیث: ۴۰۷۷، معجم کبیر طبرانی: ۸ / ۱۴۶، مستدرک حاکم : ۴/ ۵۸۰

یہ اعلان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرامؓ کے مجمع میں فرمایا:

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر جانوروں کی گواہی:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر نہ صرف انسانوں نے بلکہ جانوروں نے بھی گواہی دی جیسا کہ روایات میں ہے سیدنا عمرؓ ایک طویل قصہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک دیہاتی کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا: ''جب تک یہ گوہ ایمان نہ لائے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لا سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گوہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اے گوہ! بتلا میں کون ہوں؟'' گوہ نے نہایت فصیح عربی میں جواب دیا جسے سب حاضرین نے سمجھا (یَفْهَمُهُ الْقَوْمُ جَمِيْعًا):

﴿لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَا رَسُوْلَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ: "مَنْ تَعْبُدُ؟" فَقَالَ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ عَرْشُهُ، وَفِي الْاَرْضِ سُلْطَانُهُ، وَفِي الْبَحْرِ سَبِيْلُهُ، وَفِي الْجَنَّةِ رَحْمَتُهُ، وَفِي النَّارِ عَذَابُهُ، قَالَ: "فَمَنْ اَنَا؟" قَالَ: "اَنْتَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ" الحديث﴾ (۱)

''اس گوہ نے کہا: اے رب العالمین کے رسول! میں حاضر ہوں اور آپ کی فرماں بردار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بتلا تو کس کے نام کی تسبیح کرتی ہے؟ اس نے جواب دیا؟ ''جس کا عرش آسمانوں پر ہے اور جس کا حکم زمین پر نافذ ہے، جس نے سمندر میں راستے بنا دیئے، جس کی رحمت کا مظہر جنت اور جس کے عذاب کا مظہر جہنم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں کون ہوں؟'' اس نے جواب دیا: ''آپ جہانوں کے پروردگار کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔''

۱۔ اخرجه الطبرانی فی الاوسط والحاكم والبیهقی وابو نعیم، الخصائص للسیوطی: ۲ / ٦٥

حیوانات کی شہادت اور ان کی گفتگو بطور معجزہ ہو تو اس پر تعجب کرنا نہیں چاہیے۔ انبیاء کے تمام معجزات خارق عادت ہی ہوتے ہیں اور ان میں بہت سے تواتر سے بھی ثابت ہیں (معجزات کی عالمانہ اور محققانہ بحث کے لیے ملاحظہ ہو حکیم محمود احمد ظفر کی کتاب معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس روایت کا روایتی پہلو بھی اتنا مخدوش نہیں۔ یہاں حیوان کی شہادت میں لفظ رسول کے ساتھ ''خاتم النبیین'' کا لفظ ایسا ہی ہے جیسا کہ آیت قرآنی میں یہ دونوں لفظ یک جا رکھے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا صحیح اور مکمل مفہوم اسی وقت ادا ہوتا ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین بھی سمجھا جائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف رسول اللہ کہنا اور خاتم النبیین نہ کہنا آپ کی حیثیت کے صرف ایک ہی جزو کو ادا کرتا ہے اور وہ بھی مشترک جزو کو۔ آپ کے منصب عالی کا ممتاز جزو خاتم النبیین ہے، لیکن چونکہ یہ دونوں حیثیتیں آپ کی ذات میں جمع تھیں اور اس طرح جمع تھیں گویا ایک ذات کے دو عنوان ہیں۔ اس لیے عام طور پر صرف اقرار رسالت ختم نبوت کے اقرار کے لیے کافی سمجھا گیا تھا جیسا کہ کلمہ توحید میں اس کا اقرار گو رسالت کے اقرار سے ایک جداگانہ چیز ہے مگر جو توحید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم برداری میں تسلیم کی جائے وہ اقرار بالرسالت کے ہم معنی تھی، اس لیے بعض احادیث میں صرف کلمۂ توحید کی شہادت کو مدار نجات قرار دیا گیا۔ اسی طرح آپ کی رسالت اور ختم نبوت کا مسئلہ سمجھنا چاہیے۔

ختم نبوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے:

ختم نبوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے اور سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا عیسیٰ علیہ اسلام تک کوئی نبی بھی خاتم النبیین نہیں ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿فُضِلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطُهُوْرًا، وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً

وَخَتَمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ﴾(۱)

''مجھے دوسرے انبیاء پر چھ فضیلتیں دی گئی ہیں (۱) مجھے مختصر کلمات معانی کثیرہ کے حامل دیئے گئے ہیں (۲) میری مدد دشمن پر رعب ڈال کر کی گئی ہے (۳) میرے لیے مال غنیمت حلال قرار دیا گیا ہے (۴) تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاک کرنے کا ذریعہ بنا دی گئی ہے (۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور (۶) انبیاء کا سلسلہ میری ذات پر ختم کر دیا گیا ہے۔''

اس حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف چھ خصوصیات شمار کی گئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات صرف چھ تک محدود نہیں بلکہ اور بھی بہت ہیں۔ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اس موضوع پر دو ضخیم جلدوں میں ایک کتاب لکھ دی ہے جس کا نام ''خصائص کبریٰ'' ہے۔ اس حدیث میں پانچویں خصوصیت کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ آپ کی بعثت آپ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے لیے ہے لیکن علامہ تقی الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت آپ سے پیشتر اور آپ کے بعد دونوں زمانوں کو شامل ہے۔ سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والی دنیا سب آپ کی بعثت کے ماتحت ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خاتم النبیین آپ کی ایک خصوصیت تھی صرف تعریفی لقب نہ تھا جس کا مجازاً دوسروں پر بھی اطلاق ہو سکتا ہے۔

ختم نبوت اور سیدنا علیؓ:

غزوہ تبوک کے موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علیؓ بن ابی طالب سے فرمایا تھا:

۱۔ مسلم، کتاب المساجد، باب فی مواضع الصلوٰۃ ۱ / ۱۹۹، مسند احمد ۲ / ۴۱۱، بیہقی: ۹ / ۵۵، ابن حبان: ۴/ ۳۱۱

﴿اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَكُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ﴾ (۱)

''اے علی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لیے تھے، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

''بخاری میں الفاظ یہ ہیں ''اِلَّا اَنَّهٗ لَیْسَ نَبِیٌّ بَعْدِیْ'' البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

بخاری اور مسلم نے اس حدیث کو غزوہ تبوک کے ضمن میں ذکر کیا ہے جب کہ یہی مضمون مسند احمد میں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت سے دو حدیثوں میں مذکور ہے جن میں سے ایک روایت کے آخری الفاظ ہیں ''لیکن میرے بعد کوئی نبوت نہیں۔''

اس واقعہ کے بارے میں مسند ابی داؤد طیالسی، مسند احمد بن حنبل اور محمد بن اسحاق کی مفصل روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی نگرانی اور دفاع کے لیے سیدنا علیؓ کو پیچھے چھوڑنے کا فیصلہ فرمایا۔ منافقین نے ان کے خلاف معاندانہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا۔ سیدنا علیؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور منافقین کی ان باتوں کے بارے میں تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تسلی خاطر کے لیے فرمایا: ''تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون تھے۔'' لیکن اس خدشہ کے پیش نظر کہ سیدنا علیؓ کا ایک پیغمبر سے موازنہ بعد میں کسی شر اور فتنہ کا باعث نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً یہ استثناء فرما دیا کہ ''میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

اس حدیث میں سیدنا علیؓ کو سیدنا ہارون علیہ السلام کی ذات سے تشبیہ دینا

۱۔ بخاری، رقم الحدیث: ۳۵۰۳، ۴۱۵۴، مسلم، کتاب فضائل صحابہؓ، باب فی فضائل علیؓ، ۲ / ۲۷۸، رقم الحدیث: ۲۲۱۸، ترمذی، کتاب باب المناقب صلی اللہ علیہ وسلم، باب بعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاثنین، رقم الحدیث: ۳۷۳۰، مسند احمد: ۱/ ۱۰۷، ۳/ ۷۲، معجم کبیر طبرانی: ۱/ ۱۴۶، بخاری، کتاب المناقب صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ۱ / ۶۳۳ رقم الحدیث: ۳۵۳۵

مقصود نہیں، اسی لیے "انت منی بمنزلة هارون" بلکہ اس نسبت اور علاقہ سے تشبیہ مقصود ہے جو سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہما السلام کے درمیان تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح سیدنا موسیٰؑ نے اپنی غیبت کے زمانہ میں اپنی قوم کی نگرانی کے لیے اپنے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کا انتخاب کیا تھا اسی طرح میں اپنی غیبت میں تمہارا انتخاب کرتا ہوں۔ اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ نبی تھے لیکن تم نبی نہیں ہو۔ سیدنا ہارونؑ کو چونکہ نبوت کے ساتھ خلافت ملی تھی، اس لیے اس مجمل تعبیر سے یہ وہم پیدا ہو سکتا ہے کہ سیدنا علیؓ کی خلافت بھی کہیں خلافت نبوت نہ ہو، اس لیے اس احتمال کو بھی برداشت نہیں کیا گیا اور اس کو صاف طور پر صاف کر دیا گیا تاکہ آنے والی امت محض الفاظ کے ابہام سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر سیدنا علیؓ کو نبوت ملتی تو وہ یقیناً آپ کے اتباع ہی کی بدولت ہوتی مگر جب اس احتمال کی بھی نفی کر دی گئی تو اب توسط یا بلا توسط کسی نبوت کا احتمال باقی نہیں رہا۔ اگرچہ نبوت کا کسی نبی کے اتباع سے ملنا خود ایسا مسئلہ ہے جس کے لیے قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے اور اسی لیے دنیا کی تاریخ میں کوئی نبی ایسا نہیں بتلایا جا سکتا جو کسی نبی کے اتباع کے صلہ میں انعامی طور پر نبی بنا دیا گیا ہو۔ یہ محض دماغی اختراع اور خود ساختہ خیال ہے۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کی خصوصیت عقیدہ کی ایک بنیاد ہے اور کئی تفریعات اس عقیدہ پر قائم ہیں۔ اگر کہیں ذرا سی بھی اس بنیاد کو ٹھیس لگتی نظر آتی ہے تو فوراً صفائی کے ساتھ اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے اور معمولی سے ابہام کو بھی برداشت نہیں کیا جاتا۔ تعجب ہے کہ جہاں نبوت و رسالت کی صریح پیش گوئیوں کے بجائے اتنی گنجائش بھی نہ ہو وہاں نبوت کے دروازے نہیں بلکہ پھاٹک کھول دیے جائیں۔

ختم نبوت اور سیدنا عمرؓ:

سیدنا عقبہ بن عامرؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ﴾(١)

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے۔''

سیدنا علیؓ کو سرکار دو عالم ﷺ سے نسبت اخوت حاصل تھی اس کے باوجود وہ خلعت نبوت سے سرفراز نہیں ہو سکے۔ نسبت اخوت سے بڑھ کر ابنیت کی نسبت سے یہ گمان ہوسکتا تھا کہ آپ کا کوئی صاحبزادہ ہوتا تو شاید وہ نبی ہو جاتا، اس کے بارے میں بھی حدیث میں یہ ارشاد نبوت ملتا ہے کہ ''لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ صِدِّيْقاً نَبِيًّا'' یعنی اگر ابراہیم زندہ رہتا تو صدیق نبی ہوتا، لیکن جس نے ختم نبوت مقدر فرمائی تھی اس نے ان کے لیے عالم تقدیر میں اتنی عمر بھی نہیں لکھی کہ ان کی علو استعداد ظاہر ہو اور ختم نبوت سے ٹکرائے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کی فطرت کو نبوت سے جتنی مناسبت ہے وہ سرکار دو عالم ﷺ کے بیان سے ظاہر ہے۔ یہ زندہ بھی رہے مگر نبی نہ بنے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی مستعد نبوت کے نبی نہ ہونے کی اصل صرف اس کی موت نہیں ہے ورنہ جہاں یہ وجہ نہ تھی وہاں نبوت مل جانا چاہیے تھی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی منصب پر تقرر کے لیے ذاتی استعداد و صلاحیت کے علاوہ دو باتوں کی اور بھی ضرورت ہے۔ ایک عمر، ہر شعبہ میں عمر کی بحث ضروری سمجھی جاتی ہے اور دوسری تقرر کی جگہ خالی ہونا بھی شرط ہے۔ سیدنا عمرؓ اور سیدنا علیؓ دونوں نبی نہیں ہوئے۔

اگر اس کی وجہ یہ ہوتی کہ ان حضرات میں اتنی لیاقت و استعداد ہی نہ تھی تو یقیناً یہ اس امت کا نقصان شمار ہوتا، لیکن اگر کوئی تقرر کی جگہ ہی نہیں ہے تو اس میں امت کا کوئی قصور نہیں نکلتا۔ یہ بات حکومت کے نظم و نسق کے متعلق ہے کہ وہ کسی عہدہ پر کتنے اشخاص کا تقرر کرنا چاہتی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بھی نبوت نہیں ملی، کیوں نہیں ملی؟ کیا اس لیے کہ سید الانبیاء اور خاتم

١۔ رواه الترمذی، كتاب المناقب، باب قوله ﷺ لو كانا نبی بعدی لكان عمرؓ، رقم الحديث: ٣٦٨٦، كنز العمال: ٦ / ١٤٦، مسند احمد، كتاب الغزوات من الافعال، باب فی غزواته ﷺ وبعونه، ٤ / ١٥٤، مستدرك حاكم: ٣ / ٩٢

النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جگر پارہ میں صلاحیت اور استعداد کا کوئی نقصان تھا۔ انہیں اس لیے نہیں ملی کہ ان میں عمر کی کمی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کی ذریت اور اس کا قبیلہ بلکہ اس کی عام امت میں بھی استعداد نبوت تو موجود ہے، انسانی بلند سے بلند کمال انہیں حاصل ہو سکتے ہیں، اس لیے ختم نبوت کا کوئی شخص یہ مطلب تو نہ سمجھے کہ یہ امت کمالات سے محروم ہوگئی ہے بلکہ تمام تر کمالات اور پوری لیاقت وصلاحیت کے باوجود چونکہ اب کوئی خالی جگہ (Vacancy) نہیں رہی، اس لیے اس منصب پر کسی کا تقرر نہیں ہوسکتا۔ سیدنا ابراہیم کے معاملہ میں تقرر کی جگہ ہونے یا نہ ہونے کی بحث سے پہلے عمر (Age) کی بحث حائل ہوگئی تھی، اس لیے ان کے حق میں خالی جگہ کی بحث دوسرے نمبر کی بحث تھی۔ سیدنا عمرؓ کے بارے میں عمر (Age) کی بحث نہ تھی تو منصب نبوت ختم ہونے کا مرحلہ سامنے آ گیا۔ بہر صورت ان مختلف اسباب و وجوہ کے باوجود جو واقعہ تھا وہ اپنی جگہ واقعہ رہا یعنی ختم نبوت بلا تخصیص اپنے پورے عموم پر باقی رہی، اور یہ بعد کی بحثیں اب صرف ذہنی رہ گئیں کہ فلاں کو نبوت کیوں نہیں ملی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد درحقیقت نبوت جاری تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کی تیئس سالہ پیہم سعی کے بعد بھی کسی ایک کو نبوت نہ مل سکی۔

ختم نبوت کا اعلان اور میثاق انبیاء:

حق تعالیٰ شانہ نے انبیاء علیہم السلام کے میثاق میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کا اعلان فرمایا تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَّ حِكْمَةٍ، ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾ (۱)

''اور جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ میں تمہیں کتاب و حکمت عطا کر دوں، پھر تمہارے پاس وہ (سب سے عظمت والا)

۱۔ آل عمران: ۸۱

رسول آئے وہ ان تمام چیزوں کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو تم اس پر ضرور بالضرور ایمان لانا اور ان کی ضرور بالضرور نصرت اور مدد کرنا۔"

اس آیت کریمہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی عظمت کا ذکر بھی فرمایا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سامنے آپ کی ختم نبوت کا اعلان بھی فرمایا گیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی وسعت کو بھی بیان کیا گیا ہے کیونکہ آپ کے بارے میں یہ فرمایا گیا "مصدق لما معکم" یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی وہ پیغمبر تصدیق کرے گا اور تصدیق وہی کرتا ہے جس کو اس بارے میں علم ہو۔ جیسے آپ کسی شخص سے کوئی سوال پوچھتے ہیں۔ وہ جواب دیتا ہے۔ اگر آپ کو اس کے جواب کے بارے میں علم ہوگا تو آپ جواب دینے والے کے جواب کی تصدیق کریں گے۔ اگر جواب نہیں آتا ہوگا تو تصدیق نہیں کریں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان پیغمبروں کی علمی باتوں کی تصدیق کی تو معلوم ہوا کہ آپ کو ان باتوں کا پہلے ہی علم تھا۔ جیسے تمام انبیاء علیہم السلام کے حسن وکمال کی تمام خوبیاں اس مرکز نبوت میں مرتکز تھیں اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کے علوم بھی آپ کو عطا کیے گئے تھے۔ دوسری بات اس بارے میں یہ ہے کہ مصدق (تصدیق کرنے والا) سب کے بعد ہی آتا ہے۔ ہر جانے والا نبی اپنے بعد آنے والے نبی کا مبشر ہوتا ہے اور بعد میں آنے والا نبی پہلے نبی کا مصدق ہوتا ہے۔ اگر آپ کے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا تو آپ اس کے اسی طرح مبشر ہوتے جس طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبشر تھے (مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کی بشارت نہیں دی۔ ہر بعد والا پیغمبر پہلے نبی کا مصدق ہوتا ہے لیکن آپ کا کوئی مصدق نہیں بلکہ آپ کا صدیقؓ تھا، مصدق نہ تھا۔

مقام صدیقیت:

علماء نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل جتنے نبی اس دنیا میں تشریف لائے ہر نبی کے بعد آنے والے نبی نے پہلے نبی کی تصدیق کی اور اس کا مصدق بنا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چونکہ کسی اور نبی نے نہیں آنا تھا اس لیے اب ''مصدق'' کے بجائے ''صدیق'' کا منصب تجویز ہوا۔ گویا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق اب مصدق نہیں صدیق کرے گا۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ

''صدیق اپنے قلب کو سراً، ظاہراً اور باطناً اپنے آپ کو ہر پہلو سے رسول کے سپرد کر چکا ہوتا ہے۔ علم، عقیدہ، حال، آداب و اخلاق، محبت اور تعلقات، اپنی پسند اور ناپسند غرضیکہ ہر بات میں وہ رسول کے تابع ہوتا ہے۔ اس کو نہ تحدیث کی ضرورت ہے کہ باہر سے کچھ ملے اور نہ کشف و الہام کا انتظار کہ اندر سے کچھ کھلے۔'' (۱)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے بھی اپنے متعدد مکتوبات میں مقام صدیقیت پر بحث کرتے کہا ہے ہوئے کہ معرفت و سلوک میں سب سے اونچا اور اعلیٰ مقام ''صدیقیت'' کا ہے اور اس مقام اور نبوت میں کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ مجدد صاحبؒ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''صدیقیت کے اوپر سوائے نبوت کے اور کوئی مقام نہیں ہے، اور صدیقیت اور نبوت کے درمیان کوئی اور مقام ہونا بھی نہیں چاہیے، بلکہ یہ محال ہے کہ کوئی اور مقام ہو، اور محالیت کا یہ حکم کشف صریح صحیح سے معلوم ہوا ہے۔'' مکتوبات: جلد ا مکتوب ہجدم

گویا کہ رسول اور نبی کو وحی کے ذریعہ جن حقائق کا علم ہوتا ہے وہ دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ ایک صدیق اس کی بے چون و چرا تصدیق کرتا ہے۔ نبی کی بیان کی ہوئی حقیقت کیسی ہی بالائے فہم اور مابعد الطبعی ہو، صدیق کے لیے وہ بدیہی ہوتی ہے، اور جوں ہی صدیق کے کان میں نبی کی آواز پہنچتی ہے وہ بے چون و چرا اسے قبول کر لیتا ہے۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے بھی بڑی پتے کی بات فرمائی ہے فرماتے ہیں:

''یہ بات اس لیے ہے کہ انوار وحی نبی کی ذات سے صدیق کی ذات

۱۔ مدارج السالکین: ۱ / ۴۰

پر پے در پے پڑتے ہیں اور پھر جس قدر تاثیر (اثر ڈالنے) اور تاثر (اثر قبول کرنے) کا تکرار ہوتا رہتا ہے۔صدیق میں نبی کی ذات میں فنا ہونے اور اس پر فدا ہونے کے جذبات ابھرتے ہیں ....اور صدیق کی یہ علامت ہے کہ اسے خواب کی تعبیر کا علم سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اس کی جبلت اور فطرت ہوتی ہے کہ معمولی سے سبب سے اس میں امور غیبی کھلنے لگیں۔(۱)

ایک اور مقام پر حضرت شاہ صاحبؒ یہ بحث کرتے ہوئے کہ ذکر وفکر اور سلوک ومعرفت سے انسان میں یقین پیدا ہوتا ہے اور پھر اس یقین سے مختلف مقامات پیدا ہوتے ہیں۔اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں:

”یقین کی تیسری نوع صدیقیت اور محدثیت ہے اور ان دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ امت میں بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جو اپنی جبلت اور فطرت کے لحاظ سے انبیاء سے مشابہ ہوتے ہیں۔اب اگر یہ مشابہت قوائے عقلیہ میں ہو تو اس شخص کو صدیق اور محدث کہتے ہیں، اور اگر قوائے عملیہ میں ہو تو اس کو شہید یا حواری کہتے ہیں۔“

پھر صدیق اور محدث میں بھی فرق ہے۔صدیق کی روح پیغمبر کا اثر بڑی جلدی قبول کرتی ہے جیسے گندھک آگ سے بہت جلد اثر پذیر ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ صدیق جب پیغمبر کی زبان سے کوئی بات سنتا ہے تو فوراً اس کے دل میں اتر جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شی کا علم اس کو خود بخود حاصل ہو گیا ہے۔یہی وجہ تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے جب فرمایا کہ میں اللہ کا نبی ہوں تو دوسرے ہی لمحے سیدنا ابوبکرؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے اور یہ بھی روایات میں آتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ پر وحی نازل ہوتی تھی تو ابوبکرؓ جبرئیل کی آواز کی گنگناہٹ سنتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے صدیق کے کچھ خصائص اور علامات بھی بیان فرمائی ہیں، مثال کے طور پر وہ اس حق کے لیے جو نبی پر نازل ہوتا ہے اپنی جان و مال تک

۱۔ حجة الله البالغة: ۲ / ۹۳

قربان کر دیتا ہے۔حق سے محبت کی وجہ سے وہ کسی بات میں اس کی مخالفت نہیں کرتا۔ وحی کے انوار و تجلیات نبی کی روح سے چھن چھن صدیق کی روح پر عکس فگن ہوتے رہتے ہیں۔صدیق کی جس قدر علامات حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان فرمائی ہیں وہ سب سیدنا صدیق اکبرؓ میں بکمال و تمام پائی جاتی تھیں۔اس وجہ سے پیغمبر کے بعد نہ تو کوئی افضیلت کا مستحق ہے اور نہ ہی خلافت نبوت کا۔(۱)

قرآن حکیم (سورۃ النساء) اور حدیث میں بھی نبوت کے بعد صدیقیت کا مقام ہے۔چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ،سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کے ساتھ جبل احد پر چڑھے تو پہاڑ ہلنے لگا۔پہاڑ کو ہلتا دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿اُسْکُنْ اُحُدُ! فَلَیْسَ عَلَیْکَ اِلَّا نَبِیٌّ وَ صِدِّیْقٌ وَّ شَهِیْدَانِ﴾(۲)

”اے احد! ٹھہر جا کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔“

اس حدیث میں بھی نبی کے بعد صدیق کا ذکر آیا ہے اور اس کے بعد شہید کا۔ گویا قرآنی ترتیب کے ساتھ اس کو بیان کیا گیا ہے۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی کے بعد صرف صدیق کا مرتبہ ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی فاصل نہیں۔

اس بات کو مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”آئینے اور بھی ہزاروں ہوتے ہیں اور بوجہ آئینہ ہونے کے اصلاً انعکاس کے لیے مستعد،لیکن کثافت اور زنگ کی وجہ سے فوراً عکس قبول نہیں کر سکتے اور کچھ عرصہ کی صفائی و تزکیہ کے محتاج ہوتے ہیں۔پھر زنگ و کثافت کی بھی مختلف حالتیں اور مختلف مراتب ہیں۔کوئی آئینہ جلد صاف ہو جاتا ہے،کوئی بہت دیر میں اور کسی کا

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ : ۲/ ۶۸۔۷۰

۲۔ بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عمر و عثمان رضی اللہ عنہما، ۱ /۵۲۳

زنگ اس درجہ تک پہنچ چکا ہوتا ہے کہ صاف ہونے کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے آئینہ مجلی اور مصفیٰ نے کس طرح اول نظر ہی میں عکس قبول کر لیا تھا؟ یہ صدیقیت تھی جو جمال نبوت دیکھتے ہی پکار اٹھی، وَاللّٰهِ مَاهٰذَا بِوَجْهِ كَذَّابٍ"(۱)

مولانا آزادؒ اس بارے میں مزید فرماتے ہیں:

"صدیقیت کی مثال اس نہایت قوی بصارت کی سی ہے جو سب سے پہلے دور کی چیز کو دیکھ لیتی ہے اور باریک سے باریک ذرہ کو ڈھونڈ نکالتی ہے حالانکہ دوسری کمزور آنکھیں اس وقت دیکھتی ہیں جب وہ چیز بالکل سامنے آجاتی ہے یا اجالا بہت زیادہ ہو چکتا ہے۔"(۲)

مختصر یہ کہ ہر بعد میں آنے والا نبی پہلے نبی کا مصدق ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چونکہ کسی نبی نے نہیں آنا تھا، لہٰذا آپ کے لیے صدیق رکھا گیا جو آپ کی ہر بات کی سب سے پہلے تصدیق کرتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کتاب (قرآن حکیم) دی گئی وہ بھی پہلے سب پیغمبروں کی تصدیق کرنے والی تھی۔ چنانچہ قرآن حکیم کی شان مصدقیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا:

﴿وَآمِنُوا بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ﴾ (۳)

"اور ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی (یعنی قرآن حکیم پر) اور یہ تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے۔"

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن حکیم میں وہ سب علوم بھی موجود ہیں جو پہلی کتابوں میں تھے اور ان سے مزید علوم بھی اس میں موجود ہیں۔ تبھی تو یہ ان کی تصدیق کرنے والی ہے۔

۱۔ تذکرہ: ص ۱۱

۲۔ تذکرہ: ص ۱۱۰

۳۔ البقرہ: ۴۱

ایک بہت بڑی گستاخی:

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی امت نے قرآن حکیم کی قریباً ہر آیت کا مصداق مرزا غلام احمد قادیانی کو بنایا ہے۔ چنانچہ اس آیت یعنی وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ (البقرہ:۸۱) کی تفسیر بلکہ تحریف یوں کی ہے:

''واذا اخذ اللہ میثاق النبیین: جب اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے عہد لیا (النبیین میں سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام شامل ہیں کوئی نبی بھی مستثنیٰ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی النبیین کے لفظ میں داخل ہیں) کہ جب کبھی تم کو کتاب وحکمت دوں (یعنی کتاب سے مراد تورات وقرآن ہے اور حکمت سے مراد سنت ومنہاج نبوت وحدیث نبوی ہے) پھر تمہارے پاس ایک رسول آئے جو مصدق ہو ان تمام چیزوں کا جو تمہارے پاس کتاب وحکمت سے ہیں (یعنی وہ رسول مسیح موعود مرزا غلام احمد ہے جو قرآن وحدیث کی تصدیق کرنے والا ہے اور وہ صاحب شریعت جدیدہ نہیں ہے...... اے نبیو! تم سب ضرور اس پر ایمان لانا اور ہر ایک طرح سے اس کی مدد فرض سمجھنا (جب تمام انبیاء علیہم السلام کو مجملاً حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد پر ایمان لانا اور اس کی نصرت کرنا فرض ہوا تو ہم کون ہیں جو نہ مانیں۔''(۱)

سنہ۱۹۲۴ میں کسی قادیانی نے اخبار الفضل میں ایک نظم لکھی جس میں اس میثاق انبیاء کو یوں نظم میں بیان کیا ہے۔ اس سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ اس آیت کے بارے میں قادیانیوں کا عقیدہ کیا ہے ؎

۱۔ اخبار الفضل، قادیان: ۱۹. ۲۰ ستمبر ۱۹۱۵

خدا نے لیا عہد سب انبیاء سے
کہ جب تم کو دوں میں کتاب اور حکمت
پھر آئے تمہارا مصدق پیغمبر
تو ایمان لاؤ، کرو اس کی نصرت
کہا کیا یہ کرتے ہو اقرار محکم
وہ بولے مقر ہے ہماری جماعت
کہا حق تعالیٰ نے شاہد رہو تم
یہی میں بھی دیتا رہوں گا شہادت
جو اس عہد کے بعد کوئی پھرے گا
بنے گا وہ فاسق، اٹھائے گا ذلت
لیا تھا جو میثاق سب انبیاء سے
وہی عہد حق نے لیا مصطفےٰ سے
وہ نوح و خلیل و کلیم و مسیحا
سبھی سے یہ پیمان محکم لیا تھا
مبارک وہ امت کا موعود آیا
وہ میثاق ملت کا مقصود آیا
کریں اہل اسلام اب عہد پورا
بنے آج ہر ایک عبداً شکوراً (۱)

اس عقیدہ پر لاہوری مرزائیوں کا تبصرہ:

قادیانیوں کے اس عقیدہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لاہوری مرزائیوں کے آرگن پیغام صلح نے لکھا کہ

''چنانچہ الفضل ۱۹۔۲۰ ستمبر ۱۹۱۵ء میں اس پر دھڑلے سے مضمون نکلا کہ اس کے بعد طرح طرح سے اس کا اعادہ کیا گیا اور کھلم کھلا

۱۔ اخبار الفضل قادیان: مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۲۴ء

ڈنکے کی چوٹ پر اس امر کا اعلان کیا جاتا رہا کہ اس پیش گوئی میں جس رسول کا وعدہ ہے اور جس کے متعلق اقرار لیا گیا ہے کہ ہر ایک نبی اس پر ایمان لائے اور اس کی نصرت کرے، وہ مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) ہے، اور یہ نہ سمجھا کہ اس طرح تو پھر لازم آئے گا کہ ''اگر محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زندہ ہوتے تو انہیں چارہ نہ ہوتا سوائے اس کے کہ وہ مسیح موعود (مرزا صاحب) کی اتباع کرتے۔'' یعنی مسیح موعود متبوع اور آقا ہوتے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نعوذ باللہ متبع اور غلام ہوتے۔ یہ نتیجہ ایسا دقیق تو نہیں کہ انسان سمجھ نہ سکے، مگر جب ایک قوم اپنے نبی کو سب نبیوں سے بڑھانا چاہتی ہے تو سب کچھ حلال ہو جاتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان نبیوں کے ذیل میں درج کر دیا جن سے ایمان لانے اور نصرت کرنے کا اقرار لیا گیا تھا، گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آج زندہ ہوتے تو مسیح موعود (مرزا غلام احمد) پر ایمان لاتے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور ہر قسم کی اتباع اور نصرت کے لیے آپ کے احکام کی پیروی کو ذریعۂ نجات سمجھتے۔ (کیونکہ مرزا غلام احمد کے بقول ان کی بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے اقویٰ، اکمل اور ارشد تھی۔ ناقل) کیا اس سے بڑھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کوئی ہتک متصور ہے؟ کیا اس سے صاف نظر نہیں آتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد) کی پوزیشن کو بدرجہا بلند کرنے اور ان کو ایک آقا کی حیثیت دینے میں نہایت جرأت سے کام لیا گیا، اور پھر یہ جرأت ایک آدھ بار نہیں کی گئی بلکہ بار بار اس کو دہرایا گیا۔''(۱)

۱۔ مضمون ڈاکٹر بشارت احمد مندرجہ اخبار پیغام صلح: لاہور، مورخہ ۲۴ جون ۱۹۳۴ء

جیسا کہ ہم نے گذشتہ سطور میں بتایا ہے کہ اس آیت میں ایک بڑے عظیم الشان نبی کی تصدیق کا وعدہ لیا جا رہا ہے، اور آیت بتلا رہی ہے کہ وہ نبی اعلیٰ منصب کا حامل ہوگا جس کے لیے اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام سے تاکیدی طور پر اس پر ایمان لانے کا وعدہ لے رہا ہے اور جس کی نصرت کے لیے سخت تاکید کی جا رہی ہے، وہ صرف اور صرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی ہو سکتے ہیں، جو سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کا مصداق ٹھیرانا جس قدر عقل و نقل سے بعید ہے اسی قدر دنیا میں اور کوئی ظلم نہیں ہوسکتا، لیکن قادیانیوں کی بے باکی ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح اس آیت کی تشریح کر کے مرزا غلام احمد کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پھر بڑھا دیا کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تابع اور مرزا کو متبوع بنا دیا۔

ایک اشکال اور اس کا ازالہ:

مخالفین ختم نبوت کی طرف سے ایک اشکال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ نبوت ایک رحمت خداوندی ہے۔ نبوت کے ختم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رحمت خداوندی ختم ہوگئی جو کہ ایک سراسر زیادتی ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی اس امتیازی شان کی وجہ سے وہ دین جو سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا وہ آپ کی ذات ستودہ صفات پر پایۂ تکمیل کو پہنچا اور یہ اعلان کیا گیا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (۱)

''یعنی آج تمہارا دین میں نے تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور نگاہ واجب اب ہمیشہ کے لیے دین اسلام کو پسند کر چکی ہے۔''

یہاں دین اسلام کی تکمیل کے لیے دو لفظ استعمال کیے گئے: ایک ''کمال'' اور

۱۔ المائدہ: ۳

دوسرا ''تمام۔'' یہ دونوں الفاظ نقصان کے مقابلہ میں ہیں، لیکن دونوں میں فرق ہے۔ ''کمال'' اوصاف خارجیہ کے نقصان کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے جب کہ ''تمام'' اجزاء کے لحاظ سے مکمل ہونے کو کہتے ہیں، جیسے کسی شخص کی ایک ٹانگ نہ ہوتو وہ شخص ناتمام اور ناقص ہے خواہ وہ کتنا ہی حسین وجمیل کیوں نہ ہو۔ اور اگر اس کے تمام اجزاء اور اعضاء تو پورے اور مکمل ہوں لیکن صورت اچھی نہ ہو، اخلاق بگڑے ہوئے ہوں خصائص درشت اور ناہموار ہوں تو اس شخص کو بجائے ناتمام کے نامکمل انسان کہا جائے گا۔ آیت بالا میں ان دونوں لفظوں کو جمع کر کے یہ بتایا گیا کہ اب دین اسلام اوصاف خارجیہ اور تمام اجزاء کے لحاظ سے مکمل اور تام ہے۔ اب اس میں کسی قسم کے ارتقاء کی ضرورت نہیں، اسی وجہ سے اب کسی نبوت کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا آپ کی بعثت آخری رسول کی بعثت ہے اور آپ قصر نبوت کی آخری اینٹ ہیں اور اب قصر نبوت پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ پہلی نبوتیں خاص خاص قوموں اور خاص زمانہ کے لیے تھیں، لیکن آپ کی نبوت پورے کرۂ ارض کے لیے قیامت تک کے لیے ہے۔ اب قیامت تک نبوت ورسالت کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ خاتم النبیین کے ساتھ ساتھ رحمۃ للعالمین بھی ہیں، اس وجہ سے اب تمام جہانوں کے لیے رحمت مجسم بھی آپ ہی ہیں۔ اب کسی جدید نبوت کی ضرورت نہیں جو رحمت کی گل پاشی کر سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر چیز کا انتہائی درجہ عطاء کیا گیا:

آپ چونکہ خاتم النبیین ہیں اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نبوت ورسالت کے لحاظ سے جو اوصاف اور خصائل وشمائل تھے، ان میں بھی آپ خاتم ہیں۔ اس لحاظ سے آپ ''خاتم الاخلاق'' بھی ہیں، ''خاتم العلوم'' بھی ہیں یعنی پہلے انبیاء علیہم السلام کو جو علوم دیئے گئے تھے وہ سب بدرجۂ اتم آپ میں موجود ہیں۔ آپ ''خاتم الرحمت'' بھی ہیں یعنی رحمت، اخلاق اور علوم کے جتنے مراتب ہیں، وہ سب آپ کی ذات میں ختم ہیں۔ اب کوئی درجہ نبوت کا باقی نہیں رہا کہ آپ کے بعد کوئی اور نبی آئے، اس لیے کہ نہ تو اب نبوت کی ضرورت رہی اور نہ ہی شریعت کی کیونکہ آپ کی شریعت بھی ''خاتم

الشرائع'' ہے اور آپ کا دین ''خاتم الادیان'' اور آپ کی کتاب ''خاتم الکتب''، یعنی ہر شی کا انتہائی درجہ آپ کو عطاء کیا گیا۔

ختم نبوت کا مطلب انقطاع نبوت نہیں بلکہ تکمیل نبوت ہے:

ختم نبوت کا یہ مطلب نہیں کہ نبوت منقطع ہوگئی بلکہ ختم نبوت کا مطلب تکمیل نبوت یعنی نبوت کامل اور مکمل ہوگئی اور کسی شی کے مکمل ہونے کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہتا کہ وہ آئے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے رات کا وقت ہے اور ستارے چمکنے شروع ہوئے۔ غروب آفتاب کے بعد ایک ستارہ چمکا، پھر دوسرا، پھر تیسرا، پھر ہزاروں اور کروڑوں ستارے چمکے کہ سارا آسمان جگمگا اٹھا۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے اور چاند بھی اپنے پورے وجود اور پوری روشنی کے ساتھ نکلا ہوا ہے۔ چاند اور کروڑوں اربوں ستارے اپنی پوری روشنی پھیلا رہے ہیں لیکن رات کا اندھیرا نہیں جاتا۔ اندھیرا موجود ہے، دن نہیں ہوتا، فضا میں وہ چمک دمک پیدا نہیں ہوتی جو دن میں ہوتی ہے۔

جونہی رات گذری اور آفتاب کے نکلنے کا وقت ہوا۔ آفتاب ابھی نکلا نہیں صرف پو پھٹی تھی۔ پس صبح صادق نے اطلاع دی کہ آفتاب آرہا ہے۔ یہ خبر آنی تھی کہ اندھیرا غائب ہونا شروع ہوگیا اور دنیا میں چاندنا ہوگیا۔ ایک ہی ستارے (آفتاب) نے سارے آسمان بلکہ ساری فضا کو چمکا دیا یعنی وہ تو کروڑوں اربوں مل کر روشنی پھیلا رہے تھے لیکن رات کے اندھیرے کو زائل نہ کر سکے اور رات کی رات رہی، اور اب صرف ایک ستارہ (آفتاب) نکلا، اس نے آکر ساری رات کو دھکیل باہر کیا اور پورے عالم میں اجالا ہوگیا۔ اب اگر آفتاب یوں کہے کہ میں ''خاتم الانوار'' ہوں، میں نے سارے انوار کو ختم کر دیا، اور سارے انوار میری ذات پر ختم ہیں۔ میرے آنے کے بعد اب کسی ستارے کی ضرورت نہیں، جو موجود تھے ان کا نور بھی ماند پڑ گیا۔ دن کے وقت بھی وہ موجود ہیں لیکن آفتاب کی روشنی میں وہ نظر نہیں آتے۔ اب ان کے نور بھی غائب ہوگئے۔ اب وہ نمایاں ہونے کے قابل نہیں، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آفتاب نے ستاروں کا نور چھین لیا ہے۔ ایسے وقت میں اگر آفتاب یوں کہے کہ میں خاتم الانوار

ہوں۔ سارے انوار اور چمکیں مجھ پر ختم ہوگئیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اب نور کا کوئی ایسا درجہ باقی نہیں ہے کہ کوئی ستارا آئے اور نور پھیلائے۔ اب مغرب کے وقت تک (یعنی دن کے ختم ہونے تک) میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ اب میری بادشاہی ہے۔ اب کسی اور ستارے کی ضرورت نہیں، ہاں یہ دن ہی ختم ہو جائے، یہ جہان ہی ختم ہو جائے، یہ الگ بات ہے، لیکن جب تک یہ دن موجود ہے کسی اور ستارے کی حاجت نہیں، اس لیے کہ تمام انوار میری ذات پر ختم ہو گئے ہیں، تو کیا آفتاب کا اپنے کو ''خاتم الانوار'' کہنے کا یہ مطلب ہوگا کہ دنیا سے نور مٹ گیا اور اندھیرا چھا گیا، یا یہ مطلب ہوگا نور کے ختم ہونے کا کہ نور کے تمام مراتب ختم ہو گئے یعنی کامل ہو گئے، اب کسی دوسرے ستارے کے آنے کی ضرورت نہیں، کسی دوسری چمک کی حاجت نہیں۔ معلوم ہوا کہ ختم الانوار کا معنی قطع الانوار نہیں بلکہ تکمیل انوار ہے۔

اسی طرح سمجھ لیجیے کہ نبوت ایک آسمان ہے۔ اس پر سب سے پہلے نور کا ستارہ سیدنا آدم علیہ السلام کا چمکا اور اس نے آ کر نور پھیلایا۔ اس کے بعد سیدنا نوح علیہ السلام کے نور کا ستارہ چمکا، پھر سیدنا ابراہیم، پھر سیدنا اسحاق، پھر سیدنا یعقوب، پھر سیدنا یوسف، پھر سیدنا صالح، پھر سیدنا شعیب، پھر سیدنا موسیٰ، پھر سیدنا داؤد، پھر سیدنا سلیمان اور پھر سیدنا عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ستارے باری باری آسمان نبوت پر چمکتے رہے، اور ''ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا'' پھر پے در پے انبیاء علیہم السلام آنے شروع ہوئے یعنی باری باری سب پیغمبر آ رہے ہیں۔ گویا آسمان نبوت ستاروں سے بھر گیا لیکن دنیا میں چاندنا نہ ہوا، دن نہ نکلا بلکہ رات ہی رہی، اندھیرا پورے طور پر کافور نہ ہوا۔

پھر آخر میں فاران کی چوٹیوں سے صبح صادق کا طلوع ہوا۔ اس نے خبر دی کہ آفتاب نبوت طلوع ہونے والا ہے۔ ابھی آفتاب طلوع ہونے والا تھا، صرف خبر آئی تھی اور دنیا میں نور پھیلنا شروع ہو گیا۔ ستارے ماند پڑنا شروع ہو گئے۔ آفتاب نے طلوع ہوتے ہی اعلان کیا کہ اب میں آ گیا ہوں۔ اب کسی ستارے کی حاجت نہیں۔ میرا نکلنا ہی کافی ہوگا۔ پوری دنیا بلکہ پوری کائنات کے لیے اب میں ہی کافی ہوں، میں خاتم النبیین ہوں، نبوت ختم ہو گئی یعنی مراتب نبوت میری ذات پر منتہی ہو گئے، کامل اور مکمل

ہو گئے، اب کسی کو نبی بنا کر نہیں بھیجا جائے گا۔ اب میری نبوت غروب آفتاب (یعنی قیامت تک) کام کرے گی۔ یہاں تک کہ یہ دن ختم ہو جائے۔ گویا جب تک یہ دنیا قائم ہے، میں آفتاب ہوں، میرا نور ہی کافی ہے، میرے بعد بڑے بڑے لوگ آئیں گے لیکن میری نبوت کا نور ہی ان کے راستے میں چمکے گا۔

صحابہ کرامؓ آئیں گے تو ان کے راستہ میں میرا نور چمکے گا، محدثین آئیں گے تو ان کے راستہ میں بھی میری ہی نبوت کا نور چمکے گا، ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے فقہاء آئیں گے تو ان کے راستہ میں بھی میرا ہی نور نبوت چمکے گا۔ بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ، فضیل بن عیاضؒ اور فرید الدین گنج شکرؒ جیسے صوفیا کرام آئیں گے تو ان کے راستہ میں بھی میرے ہی علم وتقویٰ کا نور چمکتا ہوگا۔ کسی طبقہ میں میرے اخلاق کا نور نمایاں ہوگا، کسی میں میرے تقویٰ کا، کسی میں میرے اخلاص کا اور کسی میں میرے زہد کے انوار ہوں گے، اور اب صرف اور صرف میری نبوت قیامت تک کافی ہوگی۔ البتہ آئینے رہیں گے اور ان میں میری نبوت کا نور چمکتا رہے گا، دنیا کو روشنی ملتی رہے گی۔ اب نبوت کی اس لیے ضرورت نہیں کہ نبوت کے سب درجات میرے اوپر ختم ہو گئے۔ تو ختم نبوت کا یہ مطلب لینا کہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا، صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ نبوت مکمل ہو گئی۔ اب یہی نبوت قیامت تک کام دے گی۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ نبوت منقطع ہو گئی، دنیا میں اندھیرا پھیل گیا، نہ علم رہا اور نہ اخلاق رہے۔ ختم نبوت کے یہ معنی نہیں ہیں بلکہ ختم نبوت کے معنی کمال نبوت اور تکمیل نبوت کے ہیں۔

اب جتنے بھی محدث آئیں گے، مجدد آئیں گے، مجاہد آئیں گے، فقہا آئیں گے، صوفیاء آئیں گے، وہ سب پیکر ہوں گے اور ان کے پیکر میں نبوت محمدی کا نور ظاہر ہوگا یعنی کمالات نبوت ان پیکروں سے ظاہر ہوں گے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ایک ذات ایسی پیدا فرمائی کہ اس کے انوار و برکات سے پچھلوں کو نبوتیں ملتی چلی گئیں اور اگلوں کو ولایتیں ملتی چلی گئیں۔ پہلے نبی بنتے تھے اور بعد والے ولی بنتے گئے۔ نبوت بھی وہیں سے چلی اور ولایت بھی وہیں سے چلی۔ اس کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نقطۂ خیر ہیں جس سے

گذشتہ انبیاء کی نبوتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے مستفیض اور آئندہ آنے والے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات سے ولی بنتے گئے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف نبی اور رسول نہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں، اور ختم نبوت کے معنی کمالات نبوت کی انتہاء اور تکمیل نبوت کے ہیں۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو لا کر نبوت کے تمام مراتب ختم کر دیئے گئے۔

نبوت کی دو ہی بنیادیں ہیں:

ایک کمال علم اور دوسری کمال اخلاق۔ علم تو وہ ہے جس کے بارے میں فرمایا:

﴿اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ﴾

''مجھے اگلوں اور پچھلوں کے تمام علوم عطا کر دیئے گئے۔''

اور خود قرآن حکیم میں بھی ہے:

﴿وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ، وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا﴾ (۱)

''یعنی اے نبی ہم نے تم کو ان تمام چیزوں کی تعلیم دی جو آپ پہلے سے نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔''

اور اخلاق کے بارے میں نص قرآنی ہے:

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (۲)

''اور بے شک آپ خلق عظیم پر ہیں (جو انتہائی مرتبہ ہے اخلاق کا)''

یہی دو بنیادیں ہیں نبوت کی۔ یہ دونوں بنیادیں آپ کو انتہائی عطا فرمائی گئیں۔ اس سے پتہ چلا کہ نبوت بھی آپ کی انتہائی ہے، گویا کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور یہی مطلب ہے ختم نبوت کا۔

۱۔ النساء: ۱۱۳

۲۔ القلم: ۴

یہ اس شبہ کا جواب تھا جو منکرین ختم نبوت کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔

ویسے ختم نبوت کا مسئلہ عقل ونقل کی روشنی میں ایسا ظاہر و باہر ہے کہ ایک معمولی علم وعقل والا انسان بھی اس کو سمجھ سکتا ہے۔ اور اس پر ہر زبان میں اس قدر کام ہو چکا ہے کہ راہ ہدایت کا متلاشی با آسانی صراط مستقیم پا سکتا ہے اور غلامان ختم نبوت میں شامل ہو کر ابدی اور لامحدود کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی ولادت پر بتوں کا اوندھے منہ گرنا

جس مبارک رات میں رسول ﷺ کی پیدائش ہوئی اس رات کئی عجائبات کا ظہور ہوا، علمائے سیرت نے ان محیر العقول واقعات کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کیا ہے جو اس مبارک رات میں وقوع پذیر ہوئے جس رات سرکار دو عالم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔

۱۔ اس رات کو کعبہ میں رکھے ہوئے بت سر کے بل سجدہ میں گر گئے گویا وہ سمجھ رہے تھے کہ آج کی رات ایک ایسی ہستی کی پیدائش کی رات ہے جو تمام بتوں کو توڑ دے گا۔

۲۔ سرکار دو عالم ﷺ کی پیدائش کے وقت ایک ایسا نور ظاہر ہوا جس کی روشنی سے سیدہ آمنہ کو شام کے محلات دکھائی دیئے۔

۳۔ اس رات ایوان کسریٰ لرز گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔

۴۔ ایران کا مرکزی آتش کدہ جس میں ایک ہزار سال سے آگ بھڑک رہی تھی، اچانک بجھ گیا۔

اس قسم کے متعدد واقعات کا اس رات ظہور ہوا جن کو موجودہ زمانہ کے بعض سیرت نگاروں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ انکار کرنے کی کوئی وجہ انہوں نے نہیں بتائی اس لیے ایسے انکار کرنے کی کوئی حیثیت نہیں۔ عصر حاضر کے مورخ اور محدث جن کو تاریخ میں ایک خاص مقام حاصل ہے اور جن کو نہ صرف مصر میں بلکہ پوری اسلامی دنیا میں ایک خاص مقام حاصل ہے یعنی استاذ محمد ابو زہرہؒ، انہوں نے اپنی کتاب سیرۃ

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے ان لوگوں کی پرزور تردید کی ہے جو ان واقعات کی صحت کا انکار کرتے ہیں۔ استاذ محمد ابو زہرہؒ فرماتے ہیں کہ روایات کی صحت اور عدم صحت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ سند کے اعتبار سے اس واقعہ کی سند صحیح اور قابل اعتبار ہو۔ اگر محدثین ان کی سند کے بارے میں شک کا اظہار کریں تو ایسی روایات قابل قبول نہیں ہوتیں، لیکن اگر ان واقعات کی سند معتبر اور صحیح ہو، جن راویوں نے ان واقعات کو روایت کیا ہے وہ قابل اعتماد اور ثقہ ہوں تو پھر کسی کو بھی ان واقعات کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے اور ان کے بارے میں عدم صحت کا فتویٰ صادر کرنا ان قواعد وضوابط سے ناآشنائی کی علامت ہوگی جو اہل تحقیق علماء اور محدثین نے کسی روایت کے صحیح یا ضعیف ہونے کے لیے مقرر کیے ہیں۔ آخر کسی روایت کی صحت کے لیے کچھ تو اصول ہونے چاہیں، صرف یہ کہہ دینا کہ ہم نہیں مانتے، یہ کوئی اصول اور دانش مندی کی بات نہیں ہے۔ استاذ محمد ابو زہرہؒ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی سیرت کی کتاب میں ان واقعات کا تذکرہ کیا ہے جن میں بعض روایات کو انہوں نے مشکوک قرار دیا ہے اور بعض کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔ جن روایات کے بارے میں انہوں نے شک وریب کا اظہار کیا ہے ان کو ہم بھی صحیح تسلیم نہیں کرتے لیکن جن روایات کے بارے میں انہوں نے کوئی طعن نہیں کیا بلکہ سکوت اختیار کیا ہے، ان کو ہم صحیح تسلیم کرتے ہیں اور ان کی صداقت کے بارے میں ہمیں کوئی شک نہیں کیونکہ حافظ ابن کثیرؒ جیسا محقق شخص غیر صحیح اور ناقابل استناد روایات پر کبھی سکوت نہیں کر سکتا۔ (۱)

ان سارے واقعات پر حافظ ابن کثیرؒ نے سکوت فرمایا ہے لہٰذا یہ صحیح اور درست واقعات ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہیں۔

یہ سارے محیر العقول واقعات آپ کی ولادت باسعادت کے بعد کے ہیں، جن کو نہ صرف سیدۃ آمنہ بیان فرماتی ہیں بلکہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی والدہ شفاء جو اس وقت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دایہ تھیں، وہ بھی بیان فرماتی ہیں کہ جب سیدہ آمنہ کے ہاں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے دونوں ہاتھوں

۱۔ خاتم النبیین: ۱/۱۱۸

پر سہارا۔ اس وقت میں نے ایک آواز سنی جو کہہ رہی تھی: ''اے شفا! تیرا رب تجھ پر رحم فرمائے'' شفاء کہتی ہیں:

﴿فَاضَاءَ لِیْ مَابَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ حَتّٰی نَظَرْتُ اِلٰی بَعْضِ قُصُوْرِ الشَّامِ﴾ (۱)

''اس نور مجسم کے ظاہر ہونے کے باعث میرے سامنے مشرق و مغرب میں روشنی پھیل گئی یہاں تک کہ میں نے شام کے بعض محلات کو دیکھا۔''

ولادت باسعادت کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی ایک نور دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے۔ (۳)

شام اور بصریٰ کے محلات کے دکھائے جانے کی تحقیق کے بارہ میں علماء نے مختلف وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے لے کر شام تک کا تمام علاقہ آپ کی دنیوی زندگی ہی میں آپ کے زیر نگین آ جائے گا۔ چنانچہ شام آپ ہی کی زندگی میں فتح ہوا اور بصریٰ جو ملک شام کا ایک شہر ہے، وہ خاص طور پر اس لیے دکھلایا گیا کہ علاقہ شام میں سے سب سے پہلے بصریٰ ہی میں نور ہدایت پہنچا اور ملک شام میں سب سے پہلے بصریٰ ہی فتح ہوا۔

یارب صل وسلم دائما ابدا — علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ البدایہ والنهایہ: ۲ / ۲۶۶

۲۔ فتح الباری، باب علامات النبوۃ فی الاسلام: ۶ / ۵۸۳، مجمع الزوائد، باب اول امرہ صلی اللہ علیہ وسلم ......الخ: ۸ / ۲۲۲

۳۔ فتح القدیر، باب حرف الراء: ۳ / ۵۷۳، الطبقات الکبریٰ، باب ذکر مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۴ / ۳۶۱

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیدائش پر شام کے محلات کا نظر آنا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش پر ایک ایسا نور دیکھا گیا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے' چنانچہ سیدنا عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ ماجدہ نے آپ کی ولادت کے وقت ایک نور دیکھا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ یہ روایت مسند احمد اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے۔ ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے۔ (۱)

عثمان بن ابی العاصؓ کی والدہ سیدہ فاطمہ بنت عبداللہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کے وقت میں سیدہ آمنہ کے پاس موجود تھی۔ میں نے دیکھا کہ جونہی آپ کی ولادت باسعادت ہوئی سارا گھر نور سے بھر گیا اور دیکھا کہ آسمان کے ستارے جھکے آتے ہیں یہاں تک کہ مجھ کو یہ گمان ہوا کہ یہ ستارے مجھ پر گرے آتے ہیں۔ (۲)

ایک اور روایت ہے کہ بصریٰ کے محل روشن ہو گئے۔ (۳)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ستاروں کے زمین کی طرف جھک آنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ اب عنقریب زمین سے کفر و شرک کی تاریکی دور ہو جائے گی اور تمام کرہ ارض انوار و ہدایت کے نور سے منور ہو جائے گا۔

۱۔ فتح البـاری، باب علامات النبوۃ فی الاسلام وقال الهیثمی: ۶ / ۴۲۶، رواہ احمد و اسنادہ حسن وله شواهد تقویه و رواہ الطبرانی، مجمع الزوائد: ۸ / ۲۲۲

۲۔ فتح الباری، باب علامات النبوۃ فی الاسلام: ۶ / ۴۲۶

۳۔ السیرۃ النبویة، باب ذکر ماقیل لآمنة.....الخ: ۱/۲۹۳

بعض کتابوں میں کعب احبار کا یہ قول منقول ہے کہ کتب سابقہ میں آپ کی یہ شان مذکور ہے:

﴿وَإِنَّ مَوْلِدَهُ بِمَكَّةَ، وَمَهَاجِرَهُ أَوْ مُهَاجَرَهُ بِيَثْرَبَ﴾ (۱)

''محمد اللہ کے رسول کی جائے ولادت مکہ ہوگی' جائے ہجرت یثرب اور حکومت شام (Syria) میں ہوگی۔''

چنانچہ شام آپ کی زندگی میں فتح ہوا۔ عجب نہیں کہ آپ کی ولادت کے وقت شام کے محل اسی وجہ سے دکھلائے گئے ہوں اور بصریٰ جو ملک شام کا ایک شہر ہے وہ خاص طور پر اس لیے دکھلایا گیا کہ ملک شام میں سب سے پہلے بصریٰ ہی میں نور نبوت اور نور ہدایت پہنچا اور شام کے علاقوں میں سب سے پہلے فتح بھی یہی ہوا تھا۔

حکیم ترمذی نے نوادر الاصول ص ٦٩ میں لکھا ہے کہ عجب نہیں کہ شام کے محلات اس لیے بھی دکھلائے گئے ہوں کہ من جملہ چالیس میں سے تیس ابدال کا مرکز اور مستقر شام ہے' اس لیے دوسرے ممالک کی بہ نسبت ملک شام خاص طور پر انوار و برکات کا معدن اور منبع ہے۔ بدیں وجہ ولادت باسعادت کے وقت شام کے محلات دکھلانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ یہ ملک نور نبوت کا خاص طور پر تجلی گاہ ہوگا۔ شاید اسی وجہ سے شب معراج میں آپ کی پہلی منزل شام یعنی بیت المقدس تھی' پھر شام ہی سے آپ کو آسمانوں کی سیر کرا کر اپنی قدرت کاملہ کی نشانیاں دکھلائی گئیں۔ اور بعض احادیث نبویہ میں یہ منقول ہے کہ قرب قیامت میں فتنے (Mischief and Revolts) اس طرح ہوں گے جیسے موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔ (بخاری) اس پُرفتن زمانہ میں سرکار دو عالم ﷺ نے شام کی طرف ہجرت کی ترغیب دی ہے۔ مختصر یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت با سعادت پر ان سب علامتوں کا ظہور ہوا۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

۱۔ الطبقات الکبریٰ: ۳۸۳/۴

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ولادت پر ایوان کسریٰ میں زلزلہ رونما ہونا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک خصوصیت یہ ظاہر ہوئی کہ اس رات ایوان کسریٰ میں زلزلہ رونما ہوا جس سے ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے اور ایران کا آتش کدہ (Fire temple) جو ایک ہزار سال سے مسلسل روشن تھا' بجھ گیا اور دریائے ساوہ خشک ہو گیا۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو کسریٰ نہایت پریشان تھا۔ شاہانہ وقار اس کے اظہار سے مانع ہو رہا تھا۔ آخر کار وزراء اور ارکان سلطنت کو اکٹھا کر کے دربار منعقد کیا گیا۔ دوران دربار یہ خبر آئی کہ فارس کا آتش کدہ بجھ گیا ہے۔ کسریٰ پہلے اپنے ایوان کے زلزلہ کی وجہ سے پریشان تھا' اب اس دوسری خبر نے اس کو اور زیادہ پریشان کر دیا۔ موبذان نے کھڑے ہو کر کہا کہ اس رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ بخت اونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچے لیے جا رہے ہیں اور دریائے دجلہ سے پار ہو کر تمام ممالک میں پھیل گئے ہیں۔ کسریٰ نے موبذان سے اس خواب کی تعبیر کی بابت پوچھا۔ موبذان کو تعبیر کا تو کوئی پتہ نہ چلا۔ اس نے صرف اتنا جواب دیا کہ شاید عرب کی طرف سے کوئی عظیم الشان حادثہ پیش آنے والا ہے۔ کسریٰ نے اطمینان قلب کی خاطر نعمان بن منذر کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ کسی بڑے عالم کو میرے پاس بھیجا جائے جو میرے سوالات کا جواب دے سکے۔ نعمان بن منذر نے کسریٰ کا فرمان پہنچتے ہی ایک تجربہ کار اور جہاں دیدہ عالم عبدالمسیح غسانی کو کسریٰ کے پاس روانہ کر دیا۔ عبدالمسیح جب کسریٰ کے دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا کہ میں جس چیز کے بارے میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کیا تجھے اس کا علم ہے؟ عبدالمسیح نے کہا: آپ پوچھیں' اگر مجھ کو علم ہو گا

تو بتا دوں گا۔ ورنہ جو اس کو جانتا ہوگا اس کا پتہ بتا دوں گا۔ بادشاہ نے اسے بتایا کہ اس شے کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں کچھ نہیں جانتا' غالبًا میرے ماموں سطیح آپ کو اس بارے میں کچھ بتا سکیں گے۔ بادشاہ نے پوچھا: وہ کہاں رہتے ہیں؟ عبدالمسیح نے جواب دیا: وہ آج کل ملک شام میں رہتے ہیں۔

بادشاہ نے عبدالمسیح کو کہا کہ تم اپنے ماموں کے پاس جا کر اس واقعہ کی تحقیق کر کے آؤ۔ عبدالمسیح کسریٰ کے حکم کے مطابق اپنے ماموں کے پاس ملک شام گیا۔ دیکھا کہ اس کا ماموں سطیح اپنی آخری سانسوں پر ہے لیکن ابھی کچھ حواس باقی تھے۔ عبدالمسیح نے سارا واقعہ ماموں سے بیان کر کے اس کی تحقیق چاہی۔ سطیح نے جواب دیا: ''اے عبدالمسیح! سن لے اور بغور سن لے۔ جب کلام الٰہی بکثرت تلاوت ہونے لگے اور صاحب عصا ظاہر ہو' اور دریائے ساوہ خشک ہو جائے اور فارس کے آتش کدہ کی آگ بجھ جائے تو سطیح کے لیے شام شام نہ رہے گا۔ بنی ساسان چند مرد اور چند عورتیں بقدر کنگروں کے بادشاہت کریں گے۔ اور جو شے آنے والی ہے وہ گویا آ ہی گئی۔ یہ کہتے ہی سطیح مر گیا۔

سطیح سے یہ جواب سن کر عبدالمسیح واپس آ گیا اور ماموں کی ساری بات کسریٰ کو آ کر سنا دی۔ کسریٰ نے سن کر کہا کہ چودہ بادشاہوں کے گزرنے کے لیے ایک زمانہ چاہیے' لیکن زمانے کو گزرتے کتنی دیر لگتی ہے۔ دس بادشاہ تو چار ہی سالوں میں گزر گئے اور باقی چار بادشاہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کی خلافت تک ختم ہو گئے۔ (۱)

بعض حضرات نے جن میں علامہ شبلیؒ بھی شامل ہیں' اس روایت کو مبالغہ آمیز قرار دیا ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ روایت بخاری اور مسلم میں نہیں ہے۔ (۲)

علامہ شبلیؒ کا اس روایت کو ناقابل اعتبار اور مبالغہ آمیز کہنا اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ کیونکہ کسی روایت کا بخاری اور مسلم میں نہ ہونا اس کے موضوع ہونے کی

۱۔ عیون الاثر لابن سیدالناس: ۱ / ۲۹

۲۔ سیرۃ النبی: ۱ /۳۹

دلیل نہیں ہے۔ خود علامہ شبلیؒ نے اپنی سیرت میں کئی روایات ایسی ذکر کی ہیں جو نہ تو بخاری اور مسلم میں ہیں اور نہ ہی صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں ہیں۔ محدثین نے زیادہ سے زیادہ اس روایت کو مرسل لکھا ہے۔ (۱)

علاوہ ازیں یہ روایت ایک ایسی سند سے بھی مروی ہے جس کے تمام راوی ثقہ (Reliable) ہیں۔

یارب صل وسلم دائما ابدا ۔۔۔ علی حبیبک خیر الخلق کلہم

۱۔ فتح الباری : ۶ / ۲۲۶، البدایہ والنہایہ: ۲ / ۲۶۸

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر قسم کی وحی کا نزول ہونا

ایک خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہے کہ آپ پر ہر قسم کی وحی کا نزول ہوا۔ انبیاء علیہم السلام پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ حافظ ابن قیم قدس سرہٗ نے وحی کی مندرجہ ذیل صورتیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ رویائے صادقہ (سچے خواب)
۲۔ القاء فی القلب (دل میں کسی بات کا ڈالنا)
۳۔ تمثل (فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا)
۴۔ صلصلۃ الجرس (گھنٹے کی آواز کی طرح وحی آنا)
۵۔ فرشتہ کا اصلی صورت میں نظر آنا
۶۔ اللہ تعالیٰ کا آسمانوں سے وحی فرمانا
۷۔ اللہ تعالیٰ کا بلا واسطہ کلام فرمانا (جیسے شب معراج میں ہوا تھا)
۸۔ اللہ تعالیٰ کا بغیر حجاب کے خطاب فرمانا۔ (۱)
۹۔ تفہیم غیبی۔ (۲)

(ا) رویائے صادقہ:

رویائے صادقہ کے معنی ہیں سچے خواب۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو خواب آتے ہیں وہ بھی سچے ہوتے ہیں اور جو کچھ وہ دیکھتے ہیں وہ سپیدۂ صبح

۱۔ زادالمعاد: ۱ / ۱۸

۲۔ مدارج السالکین: ۱ / ۲۲

کی طرح صحیح نکلتا ہے۔ حدیث میں اس کو جزو نبوت فرمایا گیا۔(۱)

چنانچہ امام بخاریؒ نے ابتدائے وحی کا ذکر فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''حضور علیہ السلام جو رات کو دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح واضح ہو جاتا''۔(۲)

یہ تو ایک نبی کے رویاء صالحہ کی بات ہے۔ حافظ ابن قیمؒ تو ایک مومن کے رویاء صالحہ کے بارہ میں سیدنا عبادہ بن صامتؓ کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ

''مومن کا خواب ایک کلام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے خواب میں فرماتے ہیں۔''(۳)

اس سے اندازہ فرمالیا جائے کہ ایک نبی کے رویا کی کیا حقیقت ہو گی کیونکہ نبوت کے افعال دوسروں سے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک نبی کے عالم خواب کے ادراکات دوسروں کی بیداری کے ادراکات (Perception) سے بڑھ کر ہوتے ہیں، اوران کی قطعیت عام انسانوں کے عالم بیداری کے واقعات کی قطعیت سے بھی زیادہ ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ وحیٔ ربانی کی ایک قسم میں سے شمار ہوتے ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ایک خواب ہی تو آیا تھا جس میں انہوں نے دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ بیٹے کو ذبح کرنے کا معاملہ کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ نہ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے اور نہ ہی عقل، بلکہ اس کا تصور کرتے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن جب اللہ کا نبی اپنے خواب میں یہ کیفیت دیکھ لیتا ہے تو اس کی تعمیل و تکمیل میں ذرہ برابر تردد نہیں کرتا اور فوراً اس کی تیاری شروع کر دیتا ہے۔ پھر اپنی منامی وحی (Revelation in sleep) میں تردد کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے بیٹے کی تسلی خاطر اور اطلاع کے لیے مشورہ طلب فرماتا ہے جس کو قرآن حکیم نے نقل فرمایا ہے۔

۱۔ بخاری: ۲ / ۱۳۴

۲۔ فتح الباری، کتاب بدء الوحی، باب اول مابدی به رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرویا الصالحة فی النوم: ۱ / ۱۸

۳۔ مدارج السالکین: ۱ / ۲۸، النبوات: / ۱۶۷

امام رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہی کہ:

''سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کررہے ہیں۔''

اورانبیاء علیہم السلام کا خواب وحی کی اقسام میں سے ہوتا ہے''۔ (۱)

امام بخاریؒ سیدنا عبید بن عمیرؒ کا قول نقل فرماتے ہیں:

''انبیاء علیہم السلام کا رویا وحی ہوتا ہے اور دلیل اس کی قرآن حکیم میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی ہے''۔ (۲)

اسی مضمون کی روایت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے بھی ترمذی میں مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

''انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے''۔ (۳)

یہ مسئلہ کسی ایک گروہ یا فرقہ کا نہیں بلکہ تمام امت کا اتفاقی مسئلہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ:

''انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے' اس لیے کہ وہ شیطان کے اثرات سے محفوظ ہوتا ہے۔ اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ذبح پر آمادہ ہو گئے''۔ (٤)

بخاری میں ہے:

﴿فَكَانَ لا يَرىٰ رُؤْيَا اِلَّا جَاءَ تْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ﴾ (٥)

۱۔ تفسیر کبیر : ۷ / ۱۴۹

۲۔ بخاری، کتاب الوضوء، باب التخفیف فی الوضوء : ۱ / ۲۵، کتاب الأذان، باب وضوء الصبیان ومتیٰ یجبُ علیهم الغسل والطهور وحضورهم الجماعة والعیدین والجنائز وصفوفهم: ۱۱۹

۳۔ ترمذی ،مناقب ابی حفص عمر بن خطابؓ: ۲/ ۲۳۲

٤۔ مدارج السالکین: ۱ / ۲۸

٥۔ بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول الله صلی الله علیه وسلم وقول الله عزوجل حدیث نمبر: ۳

''یعنی آپ جو بھی خواب دیکھتے اس کی تعبیر صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتی۔''

علماء نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوابوں کو ''فَلَقِ الصُّبْحِ'' کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب بالکل واضح ہوتے تھے۔ اور ''فَلَقِ الصُّبْحِ'' کے ساتھ تشبیہ دینے میں اس طرح اشارہ ہے کہ جیسے دنیا کے سورج کے طلوع ہونے سے قبل صبح صادق طلوع ہوتی ہے اسی طرح اس روحانی سورج کے طلوع سے قبل ان رویائے صالحہ، صادقہ اور واضحہ کی شکل میں نور کی صبح طلوع ہوئی۔ اور جس طرح طلوع آفتاب سے قبل رات کو چمکنے والے ستارے غروب ہو جاتے ہیں، رات کی تاریکی چھٹنے لگتی ہے اور صبح صادق کا نور طلوع ہوتا ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا سورج جب طلوع ہونے والا تھا تو شجر وحجر آپ کو سلام کر رہے تھے (فتح الباری، کتاب بدء الوحی، باب حدیث عائشہؓ: اول مابدئ بہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الوحی: جلد ا ص ۲۳) روشنی دکھائی دے رہی تھی (ایضاً) اور سچے خواب نظر آرہے تھے۔ یہ سارا اہتمام وانتظام کیوں ہو رہا تھا۔ اس لیے کہ آفتاب نبوت کے طلوع کا وقت قریب آرہا تھا۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آفتاب نبوت فاران کے افق سے طلوع ہوا تو اس سے پوری کائنات نے روشنی حاصل کی، جہالت کی تاریکیاں چھٹیں، علم وفضل کی روشنیاں پھیلیں اور آپ کے نور سے ہر شخص نے اپنی اپنی صلاحیت اور ظرف کے مطابق کسب فیض کیا۔ (۱)

(۲) القاء فی القلب:

وحی کی دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ نبی کے قلب میں کوئی بات القاء کر دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

''جبرئیل نے میرے قلب میں یہ بات القاء کی کہ کوئی جان جب تک کہ وہ اپنے مقدر کا رزق مکمل نہ کرلے، ہرگز نہیں مرسکتی، لہٰذا حق تعالیٰ شانہٗ سے ڈرتے رہو اور

۱۔ فتح الباری: ۱۲ / ۳۵۵

صبر واعتدال سے رزق کو طلب کرو۔ اور اگر مقدر رزق ملنے میں ذرا دیر ہو جائے تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعہ اسے حاصل کرنے کے لیے تیار نہ ہو جایا کرو۔(۱)

اس طریقہ وحی کو الہام بھی کہتے ہیں اور علم لدنی بھی جس کا ذکر قرآن حکیم میں سیدنا خضر علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے:

﴿وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ (۲)

''ہم نے اس کو اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا۔''

امام غزالیؒ نے اس بارے میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس کا نام ''الرسالہ اللدنیہ'' ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں:

''علم لدنی (Divine Knowledge) وہ علم ہے جس کے حصول میں اللہ تعالیٰ اور نفس کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو۔ اور اس کی مثال اس روشنی کی ہے جو غیبی چراغ سے ایک صاف اور شفاف قلب پر پڑتی ہے''۔(۳)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر القاء فی القلب کا دوسرا نام الہام ہے' تو الہام تو نبی اور غیر نبی دونوں کو ہوتا ہے' پھر اس میں نبی کی کیا خصوصیت رہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اور غیر نبی کے الہام میں اتنا فرق ہے جتنا خود نبی اور ولی میں ہے۔ اس بارہ میں حافظ تورپشتی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں بہت فرق ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا الہام قطعی اور یقینی ہوتا ہے جبکہ اولیاء کے الہام کو یہ مرتبہ حاصل نہیں۔ نیز انبیاء علیہم السلام چونکہ خود خطا سے معصوم ہوتے ہیں' لہٰذا ان کا الہام بھی خطاء سے معصوم ہوتا ہے' لیکن اس کے برعکس اولیاء کرام خطاء سے معصوم نہیں ہوتے۔ اس لیے ان کا الہام بھی

۱۔ رواہ فی شرح السنہ و البیہقی فی شعب الایمان،تفسیر ابن کثیر : ۴/ ۱۲۱

۲۔ کہف: ۶۵

۳۔ الرسالہ اللدنیہ:۲۸

یقینی اور قطعی نہیں ہوتا بلکہ ظنی (Presumptive) ہوتا ہے اور اس میں ہر وقت غلطی کا امکان رہتا ہے"۔(۱)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی قریباً یہی فرق بیان فرمایا ہے۔(۲)

(۳) تمثل (فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا):

وحی کی تیسری صورت یہ ہے کہ بعض دفعہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آتا ہے اور وہ نبی سے خطاب کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں سیدہ مریم علیہا السلام کے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آیا تھا۔ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ پھر بن کر آیا اس کے آگے آدمی پورا۔(۳)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھی جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں کئی دفعہ آئے۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا جس کے کپڑے بہت زیادہ سفید اور بال بہت زیادہ سیاہ تھے۔ اس نے آپ سے اسلام، ایمان، احسان، قیامت اور علامات قیامت کے بارے میں سوالات کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جوابات دیے۔ جب وہ شخص چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: عمر! جانتے ہو یہ سائل کون تھا؟ سیدنا عمرؓ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ جبرئیل تھے اور تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔(٤)

علامہ علی القاریؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"سیدنا جبرئیل ایک ایسے فرشتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مابین واسطہ بنتے ہیں۔ اور فرشتے کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ

۱۔ المعتمد: ٥٦

۲۔ النبوات: ١٦٧

۳۔ مریم: ١٧

٤۔ بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعة و بیان النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ١/ ١٢

وہ انسانی شکل اختیار کر لیتا ہے اور انسان اس کو جسمانی لحاظ سے دیکھ لیتا ہے۔(۱)

ایک اور مقام پر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

''اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جو شکل چاہے اختیار کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ خود فرماتے ہیں ''فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا'' یعنی وہ ایک بھلے چنگے آدمی کے روپ میں اس کے پاس ظاہر ہوا۔ اور جبرئیل علیہ السلام کے انسانی شکل اختیار کرنے میں یہ حکمت ہے کہ فرشتہ اور رسول میں موانست (Familiality) پیدا ہو کیونکہ جنسیت میل جول کا سبب ہوتی ہے۔(۲)

ایسا ہی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے۔(۳)

حدیث میں ہے کہ فرشتہ وحی جب انسانی شکل میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا تو اکثر و بیشتر حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آتا کیونکہ سیدنا دحیہؓ تمام صحابہ کرامؓ میں حسن و جمال کے لحاظ سے ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔(٤)

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کافی دیر تک آپ سے باتیں کرتے رہے۔ سیدہ ام سلمہؓ انہیں دحیہ کلبیؓ سمجھتی رہیں۔ آپ نے جب اپنے خطبہ میں بتایا کہ جبرئیل نے مجھے ابھی آ کر یہ بات بتائی ہے تب سیدہؓ کو پتہ چلا کہ وہ دحیہؓ نہیں تھے بلکہ جبرئیل تھے۔(٥)

۱۔ مرقاۃ، کتاب الایمان، الفصل الاول: ۱ / ٦۴

۲۔ مرقاۃ، کتاب الایمان، الفصل الاول: ۱ / ۵۰

۳۔ ملاحظہ ہو فتح الباری، کتاب بدء الوحی باب حدیث حارث بن ہشامؓ کیف باب الوحی: ۱ / ۱۷

٤۔ عینی: ۱ / ۴۰

٥۔ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی: ۲ / ۷۴۴

ایسا ہی ایک واقعہ سیدہ عائشہؓ کے ساتھ بھی پیش آیا۔(۱)

اس قسم کے بہت سے واقعات کتابوں میں ملتے ہیں جب جبرئیل انسانی شکل میں آپ کے پاس آئے۔کبھی رمضان المبارک میں آپ کے ساتھ قرآن حکیم کا دور فرماتے۔(۲)

جبرئیل کا انسانی شکل میں آپ کے پاس آنا اور آپ سے باتیں کرنا سب وحی میں شامل ہے۔

(۴) صلصلۃ الجرس:

وحی کی چوتھی صورت صلصلۃ الجرس یعنی گھنٹہ کی گونج اور آواز کی طرح کی آواز کا سنائی دینا ہے۔چنانچہ حارث بن ہشامؓ نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: کبھی تو گھنٹہ کی آواز کی طرح آتی ہے۔اور وحی کی یہ قسم مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے۔(۳)

جب اس قسم کی وحی آپ پر آتی تو سیدہ عائشہ ام المومنینؓ فرماتی ہیں: ''میں نے آپ کو سخت سردی کے دنوں میں دیکھا کہ وحی آپ سے منقطع ہوتی تھی اور پسینہ آپ کی جبین مبارک سے ٹپک رہا ہوتا تھا''۔(۴)

محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے وحی کی آواز کو ''صلصلۃ الجرس'' سے تشبیہ دینے کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ جس طرح گھنٹے کی آواز صوت محض کی صورت میں

۱۔ فتح الباری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزول الوحی و اول کا نزول: ۹/۴ ابن سعد: ۸/ ۴۵۱

۲۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملئکۃ: ۱/ ۴۵۷

۳۔ بخاری: ۱/ ۳

۴۔ بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقولہ اللہ عزوجل: ۱/ ۳ کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :۴۵۷

سنائی دیتی ہے اور اس کا کوئی مبداء اور مقطع نہیں ہوتا' اسی طرح یہ آواز مرکب نہیں بلکہ بسیط (Unmixed) ہوتی ہے۔(۱)

سیدنا عمر الفاروق ؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے روئے مبارک کے پاس شہد کی مکھیوں کے بھنبھنانے کی آواز سنائی دیتی۔(۲)

سرکار دو عالم ﷺ جس آواز کو''صلصلۃ الجرس'' کی آواز کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں' سیدنا فاروق اعظمؓ اس کو سن کر''شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ'' کی تشبیہ سے تعبیر کر رہے ہیں۔ الفاظ مختلف ہیں لیکن تعبیر میں کوئی فرق نہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ وحی کی آواز کو فرشتے تو سنتے تھے ''کَسَلْسَلَةٍ عَلٰی صَفْوَانٍ'' اور نبی سنتے تھے ''مثل صلصلة الجرس'' اور نبی کے قریب والے سنتے تھے ''کدوئ النحل''۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کو جو آواز سنائی دیتی تھی وہ تو ''گھنٹے کی آواز'' کی طرح تھی' اس سے احکام الٰہی کا کیسے پتہ چلتا تھا؟ اس سوال کا جواب محدث العصر علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ نے یہ دیا ہے کہ:

گھنٹہ کی آواز ٹیلیگراف کی ٹک ٹک کی طرح ہے جو پیغام رسانی کے لیے کی جاتی ہے۔(۳)

تار گھر میں عام آدمی کو تو صرف ٹک ٹک کی آواز سنائی دیتی ہے جس کو ایک عام آدمی فضول اور لایعنی سمجھتا ہے لیکن تار بابو جو اس فن سے واقف ہے' اسی آواز کو سن کر لکھتا جاتا ہے۔ آواز ایک ہی ہے لیکن ایک کے نزدیک بامعنی اور دوسرے کے نزدیک بے معنی۔ اسی طرح ایک نبی اس بسیط اور بے جہت (Non directional) آواز سے احکام الٰہی اخذ کرتا ہے۔

۱۔ فیض الباری: ۱/ ۱۹

۲۔ مشکوٰۃ، کتاب اسماء اللہ تعالیٰ، باب جامع الدعاء: ۲۱۹، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۱

۳۔ مشکلات القرآن: ۱۲۴

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ وحی کی یہ قسم پیغمبر علیہ السلام پر بہت سخت ہوتی تھی۔ چنانچہ جب یہ وحی آپ پر نازل ہوتی تو آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا اور وحی کی شدت سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ آپ کا دم گھٹ رہا ہو۔ (۱)

ایسا ہی مسند احمد کی ایک روایت میں ہے۔ (۲)

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کی ران میری ران پر رکھی ہوئی تھی کہ آپ پر وحی نازل ہوئی۔ اس نزول سے میری ران پر اس قدر بوجھ آن پڑا کہ مجھے اندیشہ ہو گیا کہ کہیں میری ران چور چور نہ ہو جائے۔ (۳)

اس قسم کی وحی کے نزول کے وقت اگر آپ اونٹنی پر سوار ہوتے تو گراں باری (Heavyloading) کی وجہ سے اونٹنی بھی آواز کرتی اور اس بار گراں کی وجہ سے دونوں پاؤں ادل بدل کرتی رہتی تھی۔ (٤)

وحی کی یہ قسم اتنی سخت اور ثقیل کیوں ہوتی تھی؟ اس کا جواب حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ (٥)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ نے بھی اپنی تفسیر میں اس بارے میں لکھا ہے کہ:

> ''شاید ''علیٰ قَلْبِکَ'' کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہو کہ نزول وحی کی جو دو کیفیتیں احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں (یعنی کبھی صلصلۃ الجرس کی طرح آنا اور کبھی فرشتہ کا آدمی کی صورت میں سامنے آ کر بات کرنا) ان میں سے قرآن کی وحی اغلباً پہلی کیفیت کے ساتھ آتی تھی' کیونکہ

۱۔ بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ: ۱ / ۰۸ کتاب فضائل القرآن، باب نزل القرآن: ۲/ ٧٤٥

۲۔ مسند احمد: ۳/ ۱۰۴

۳۔ بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب مایذکر فی الفخذ: ۱ / ۵۳

٤۔ خصائص: ۱ / ۱۱۹

٥۔ ملاحظہ ہو فتح الباری، کتاب بدء الوحی، باب حدیث الحارث بن ہشام کیف یاتیک الوحی: ۱ / ۱٦، فیض الباری، باب کیف کان بدء الوحی: ۱ / ۲۰: ۲۱

دونوں حالتوں میں محققین کے نزدیک فرق یہ تھا کہ پہلی حالت میں پیغمبر کو بشریت سے منخلع ہو کر ملکیت کی طرف جانا پڑتا ہے۔ گویا اس وقت آلات جسدانیہ (Body Organs) کو بالکل معطل کر کے صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لیتے تھے۔ دل کے کانوں سے وحی کی آواز سنتے تھے۔ اور دل کی آنکھوں سے فرشتوں کو دیکھتے تھے اور دل کی انہی قوتوں سے ان علوم کی تلقی کرتے تھے اور محفوظ رکھتے تھے۔ بخلاف دوسری حالت کے کہ اس میں فرشتہ کو دیکھتے اور ان ہی کانوں کے توسط سے آواز سنتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کی پہلی قسم کو احادیث میں فرمایا کہ ''ھو اشد علی'' (وہ مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے) کیونکہ اس میں آپ کو بشریت سے ملکیت کی طرف صعود (Ascend) کرنا پڑتا تھا۔ (۱) واللہ اعلم

وحی کی اس علمی بحث کے لیے ملاحظہ ہو۔ (۲)

(۵) فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا:

وحی کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ فرشتہ اپنی اصلی شکل میں نبی کے پاس آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہے۔ دو مرتبہ بخاری کی روایت کے مطابق جبرئیل کو آپ نے اپنی اصلی شکل میں بھی دیکھا اور ان کے منہ سے اللہ کا پیغام سنا۔ (۳)

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جبرئیل کو دیکھا اور اس کے چھ سو پر تھے۔ (٤)

۱۔ فوائد عثمانی: ۴۸۶، بجنور

۲۔ امام رازیؒ کی تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۴۰۷ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی فیض الباری، باب کیف کان بدء الوحی، حدیث صلصلة الجرس: ۱/ ۱۴: ۲۲، حجتہ اللہ البالغہ: ۲/ ۲۰۶ وغیرہ

۳۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب والنجم: ۲/ ۷۲۰، ابن کثیر: ۸/ ۲۵۰

٤۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب فکان قاب قوسین او ادنیٰ: ۲/ ۷۲۰، ابن کثیر: ۲/ ۲۴۰، ۲۵۱

سورہ تکویر میں جبرئیل کو دیکھنے کا ذکر ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کی کچھ صفات بیان فرمائیں ''شدید القویٰ''، ''ذومرۃ''، ''رسول کریم''،''ذی قوۃ'' ''مطاع'' اور''امین'' پھر''عندذی العرش مکین'' فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو فرشتہ بارگاہ خداوندی سے وحی لاتا ہے اس کو بارگاہ خداوندی میں رسائی بھی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ اورلوگوں سے سن کر پیغام لاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس جبرئیل کو آپ نے دیکھا بھی ہے افق مبین پر۔

(٦) اللہ تعالیٰ کا آسمانوں سے وحی فرمانا:

وحی کا چھٹا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی فرشتہ یا آواز کے توسط کے بغیر براہ راست کسی نبی کی طرف وحی نازل فرماتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی نازل فرمائی جس کا ذکر سورہ النجم میں آتا ہے۔ (١)

(٧) اللہ تعالیٰ کا بلا واسطہ کلام فرمانا:

وحی کا ساتواں طریقہ اللہ تعالیٰ کا کسی فرشتہ کے بغیر کلام فرمانا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے:

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ (٢)

''اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام فرمایا۔''

اور سورہ اعراف میں فرمایا ''كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ'' اس کے رب نے اس سے کلام فرمایا۔

تفسیر خازن میں ہے کہ علامہ زمخشری نے فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ان سے بغیر واسطہ کے کلام فرمایا جیسے کہ فرشتہ کلام کرتا ہے۔ (٣)

جس طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ایسے ہی بلا واسطہ احادیث نبویہ اور قرآن حکیم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کلام فرمایا۔ (٤)

١۔ ابن کثیر : ۴/ ۲۴۹؛ تفسیر کبیر :۷/ ۵۵

٢۔ النساء:۱۶۴

٣۔ تفسیر خازن : ۲ / ۲۳۱۔ ۲۳۵

٤۔ ملاحظه هو تفسير مظهرى سورة النجم

(۸) اللہ تعالیٰ کا بغیر حجاب خطاب فرمانا:

حافظ ابن قیم ان سات طریقوں کا ذکر فرمانے کے بعد ایک اور طریقہ کا ذکر بھی فرماتے ہیں کہ ایک وہ طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی سے بغیر حجاب کے گفتگو فرمائے۔ چنانچہ محققین علماء کی ایک اچھی خاصی جماعت کے مطابق آپ نے معراج میں اپنے رب کو بغیر حجاب کے دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ (۱)

(۹) تفہیم غیبی (Invisible Communication):

یہ وہ تفہیم غیبی ہے جس کا ذکر قرآن حکیم کی سورۃ الانبیاء میں ہے کہ:

''اور داؤد اور سلیمان (کا واقعہ) جب کہ وہ ایک کھیتی کے معاملہ کا فیصلہ کر رہے تھے جس کو ایک فریق کی بکریوں کے ریوڑ نے خراب کر ڈالا تھا۔ اور ہم ان کے فیصلہ کے وقت (اپنے علم محیط کے اعتبار سے) موجود تھے۔ پھر ہم نے اس کے (بہترین) فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو عطا کی، اور داؤد اور سلیمان کو ہم نے علم و حکمت عطاء کیا''۔ (۲)

وحی کی ان تمام قسموں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حکیم محمود احمد ظفر کی کتاب ''اسلام کا تصور نبوت'' اور علوم القرآن از مولانا محمد تقی عثمانی۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۲۵۰، فوائد عثمانی: ۶۸۳، مشکلات القرآن، تفسیر سورۃ النجم، فیض الباری، باب کیف کان بدء الوحی، الکلام فی انه صلی اللہ علیہ وسلم هل جمع بین الرؤیة والکلام لیلة المعراج: ۱/ ۱۵

۲۔ الانبیاء: ۷۸، ۷۹، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر: ۶/ ۱۱۸، ۱۱۹، خازن: ۴/ ۲۴۷ وغیرہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی امت کے لیے درود وسلام کا وجوب

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام پڑھنا امت پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (۱)

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔"

یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خاص اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کی نسبت پہلے اپنی طرف کی، اس کے بعد اپنے فرشتوں کی طرف، پھر مسلمانوں کو حکم دیا کہ اے مومنو! تم بھی آپ پر "صلوٰۃ" (درود) بھیجو۔ پھر اس آیت کو لفظ "اِنَّ" کے ساتھ شروع کیا جو قطعیت پر دلالت کرتا ہے اور صیغہ مضارع کے ساتھ ذکر فرمایا جو استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک قطعی شے ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔

پھر یہ بھی آپ کا ایک اعزاز ہے کہ اس آیت میں آپ کے لیے نبی کا لفظ استعمال فرمایا یعنی "عَلَى النبی" یہ نہیں فرمایا: "عَلٰى مُحَمَّدٍ" جیسا کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو ان کے ناموں کے ساتھ ذکر کیا۔

اللہ تعالیٰ کے درود کا مطلب آپ کی تعریف کرنا ہے فرشتوں کے سامنے، اور فرشتوں کا درود ان کا دعا کرنا ہے۔ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "یصلون" کا

۱۔ الاحزاب : ۵٦

مطلب ہے ''برکت کی دعا کرتے ہیں''۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ قرآن حکیم میں تو مومنین کو حکم دیا گیا کہ وہ نبی ﷺ پر درود بھیجیں، لیکن ہمیں جو درود بھیجنے کا طریقہ سکھایا گیا وہ یہ ہے: اللھم صل علی محمد یعنی اے اللہ تو محمد ﷺ پر درود بھیج۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی ذات پاک میں کوئی عیب نہیں اور ہم سراپا عیوب و نقائص ہیں، لہٰذا جس شخص میں عیوب و نقائص ہوں وہ ایسے شخص کی کیا ثناء کر سکے گا جو پاک اور معصوم ہے، اس لیے ہم اللہ تعالیٰ ہی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ سرکار دو عالم ﷺ پر درود بھیجے تاکہ رب طاہر کی طرف سے نبی طاہر پر صلوٰۃ ہو۔

حافظ عزالدین بن عبدالسلامؒ نے لکھا ہے کہ ہمارا درود حضور علیہ السلام کے لیے سفارش نہیں ہے، اس لیے کہ ہم جیسا سرکار دو عالم ﷺ کے لیے سفارش کیا کر سکتا ہے؟ حضور علیہ السلام ہماری سفارش سے بے نیاز ہیں، لیکن بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ہمیں محسن کے احسان کا بدلہ دینے کا حکم دیا ہے۔ اور سرکار دو عالم ﷺ سے بڑھ کر اور کوئی محسن اعظم نہیں ہے۔ ہم چونکہ آپ ﷺ کے احسانات کے بدلہ سے عاجز تھے اللہ تعالیٰ نے ہمارا یہ عجز دیکھ کر ہم کو اس کی مکافات (Recompense) کا طریقہ بتایا کہ درود پڑھا جائے۔ اور چونکہ ہم اس سے عاجز تھے اس لیے ہم نے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ تو اپنی شان کے مطابق مکافات فرما۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں ایک اشکال نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے جن کی تعداد کروڑوں اربوں ہے آپ کی ذات اقدس پر درود بھیجتے ہیں تو پھر ہمارے درود کی کیا ضرورت رہی؟ اس اشکال کا جواب امام رازیؒ نے یہ دیا ہے کہ ہمارا سرکار دو عالم ﷺ پر درود پڑھنا آپ کی احتیاج (Need) کی وجہ سے نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے درود کے بعد فرشتوں کے درود کی کوئی ضرورت نہ رہتی، بلکہ ہمارا درود سرکار مدینہ علیہ السلام کے اظہار عظمت کے لیے ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنے پاک ذکر کا بندوں کو حکم دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس کے پاک ذکر کی کوئی حاجت نہیں۔

اوپر دی گئی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو امر کیا کہ وہ نبی ﷺ پر صلوٰۃ

وسلام بھیجیں۔امر کا تقاضا وجوب ہے اس لیے جمہور علماء نے لکھا ہے کہ درود شریف تمام عمر میں کم از کم ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے' لیکن چونکہ درود نہ پڑھنے پر بہت سی وعیدیں بھی حدیث میں وارد ہوئی ہیں جیسا کہ نسائی اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جاوے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ یا جیسا کہ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے اور اس مجلس میں اللہ کا ذکر اور اس کے نبی پر درود نہ پڑھا جائے تو یہ مجلس ان پر قیامت کے دن وبال کا باعث ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ ان کو معاف فرما دے یا عذاب دے۔تو ان وعیدوں کی وجہ سے بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ جب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا جائے اس وقت ہر مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے۔حنفیہ میں امام طحاویؒ کا یہی مسلک ہے۔لیکن بعض علماء نے لکھا ہے کہ فرض کا درجہ تو ایک ہی دفعہ ہے البتہ ہر مرتبہ درود پڑھنا مستحب ہے۔

علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کسی تحریر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھا جائے تو وہاں بھی درود شریف لکھنا چاہیے۔ چنانچہ امام سخاویؒ نے اپنی کتاب ''القول البدیع'' میں لکھا ہے: جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیتے ہوئے زبان سے درود پڑھنا ضروری ہے اسی طرح آپ کا نام مبارک لکھتے وقت بھی انگلیوں سے درود شریف لکھا جانا چاہیے کہ تیرے لیے اس میں بڑا ثواب ہے۔ پھر جب آپ کا نام مبارک لکھے تو اس کے ساتھ پورا درود لکھا جانا چاہیے کاہلوں اور جاہلوں کی طرح صرف ''صلعم'' لکھنے پر قناعت نہ کرے۔علامہ سخاویؒ نے اس بارے میں کچھ احادیث بھی ذکر کی ہیں جن کا مشترک مضمون یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی کتاب میں میرا نام لکھے فرشتے اس وقت تک لکھنے والے پر رحمتیں بھیجتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے۔ایک روایت کا مضمون یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھ سے کوئی علمی چیز لکھے اور اس کے ساتھ درود بھی لکھے اس کا ثواب اس وقت تک اس کو ملتا رہے گا جب تک وہ کتاب پڑھی جائے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اپنی کتاب

''زادالسعید'' میں ایک مستقل فصل اس بارے میں لکھی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ:

ا۔ جب حضور علیہ السلام کا اسم گرامی لکھے، صلواۃ وسلام بھی لکھے یعنی'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' پورا لکھے اس میں کوتاہی نہ کرے۔ یا صرف صلعم پر اکتفا نہ کرے۔

۲۔ ایک شخص حدیث شریف لکھتا تھا اور بسبب بخل نام مبارک کے ساتھ درود شریف نہ لکھتا تھا۔ اس کے سیدھے ہاتھ کو آ کلہ (Cancrum) مرض عارض ہوا یعنی اس کا ہاتھ گل گیا۔

۳۔ علامہ ابن حجر مکیؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص صرف ''صلی اللہ علیہ'' پر اکتفا کرتا تھا ''وسلم'' نہ لکھتا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو خواب میں ارشاد فرمایا! تو اپنے کو چالیس نیکیوں سے کیوں محروم رکھتا ہے۔

درود شریف کے فضائل میں بہت سی احادیث نبویہ بھی کتابوں میں منقول ہیں۔ جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

ا۔ مسلم اور ابوداؤد وغیرہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ صلواۃ بھیجتے ہیں''۔

یہ کتنی بڑی فضیلت ہے کہ ایک دفعہ درود پڑھنے سے دس رحمتیں نازل ہوں۔ اگر کوئی ایک دن میں ایک سو مرتبہ درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ایک ہزار رحمت کا وہ مستحق ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی تو ایک رحمت ہی بندے کی بخشش اور نجات کے لیے کافی ہے۔ امام احمد کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ دس خطائیں معاف فرماتا ہے اور اس کے دس درجات بلند فرماتا ہے۔

علامہ سخاویؒ نے اس بارے میں ایک اشکال نقل کیا ہے کہ قرآن حکیم کی آیت کی رو سے ہر نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے تو پھر درود شریف کی کیا خصوصیت رہی۔ اس کا آسان جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ حسب ضابطہ اس کی دس نیکیاں الگ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا دس دفعہ درود بھیجنا ایک مزید انعام ہے۔

۲۔ امام ترمذیؒ نے سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بلاشک قیامت کے دن لوگوں میں سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے گا''

کثرت درود کے اور بھی احادیث میں بہت سے فوائد اور فضائل مروی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو اس لیے کہ قبر میں ابتداءً تم سے میرے بارے ہی میں سوال کیا جائے گا۔ ایک اور روایت ہے کہ کثرت درود پل صراط کے اندھیرے میں نور کا باعث ہوگا۔ ایک روایت میں ہے کہ کثرت درود عرش کے سایہ کا باعث ہوگا۔ کثرت درود کی کم سے کم مقدار علماء نے تین سو مرتبہ لکھی ہے۔ اسی وجہ سے قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ اپنے متوسلین کو تین سو مرتبہ درود پڑھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

امام نسائی سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے رہتے ہیں''

علامہ سخاویؒ نے سیدنا انس بن مالکؓ سے حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ ''جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے اور میں اس کے بدلہ میں اس کے لیے دعا کرتا ہوں''۔ حضور علیہ السلام کا دعا کرنا کتنی بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو یہ نعمت عطا فرمائے۔ (آمین)

اسی طرح کی ایک اور روایت سیدنا ابو ہریرہؓ سے نقل کی گئی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص میری قبر پر آ کر درود پڑھتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ (۱)

۱۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان

اس سلسلہ میں علامہ سخاویؒ نے القول البدیع میں سلیمان بن سحیمؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ خواب میں سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت کی۔ میں نے آپؐ سے دریافت کیا: یارسول اللہ! یہ جولوگ آپ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوتے اور آپ پر سلام پڑھتے ہیں، کیا آپ اس کو سنتے ہیں؟ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا! ہاں میں سنتا ہوں اور ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔ چنانچہ اسی وجہ سے حضرت ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قبراطہر کے قریب درود شریف پڑھنا افضل ہے دور سے پڑھنے کے۔ کیونکہ قبر اطہر کے پاس کھڑے ہوکر جوحضور قلب اور خشوع و خضوع (Humility) حاصل ہوتا ہے وہ دور سے پڑھنے والے کو حاصل نہیں ہوتا۔

ملاحظہ فرمایئے کہ یہ کتنا بڑا انعام ہے کہ قبر مبارک کے پاس سلام بھیجنے والے کو حضور علیہ السلام خود جواب دیتے ہیں۔ ایک انسان کے تمام عمر کے سلاموں کا ایک جواب آنا ہی اس کی سب سے بڑی سعادت ہے۔

ایک روایت ابن ماجہ نے سیدنا ابوالدرداءؓ سے نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشادفرمایا: ''جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔ اس لیے کہ یہ ایک ایسا مبارک دن ہے کہ ملائکہ اس میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ درود اس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے انتقال کے بعد بھی؟ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ہاں انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین پر یہ بات حرام کردی ہے کہ وہ انبیاء علیھم السلام کے بدنوں کو کھائے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور وہ رزق بھی دیا جاتا ہے''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیھم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور درود ان کے جسم اور روح دونوں پر پیش کیا جاتا ہے۔ انبیاء کی حیات قبریہ کے لیے ملاحظہ ہو حکیم محمود احمد ظفر کی کتاب ''اسلام کا تصور نبوت'' اور حیات انبیاء کرام از مفتی عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ۔

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلھم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا نام لے کر بلانا امت پر ناجائز قرار دیا گیا

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کا تقدیس کا وہ مقام عطا فرمایا کہ امت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لے کر بلانا حرام قرار دیا گیا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ (۱)

''مت سمجھو بلانا رسول کا اپنے اندر برابر اس کے جو بلاتا ہے تم میں ایک دوسرے کو۔''

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''مخاطبات میں حضور کے ادب وعظمت کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ عام لوگوں کی طرح ''یا محمدؐ'' وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے بلکہ ''یا نبی اللہ'' اور ''یا رسول اللہ'' جیسے تعظیمی القاب سے پکارنا چاہیے''۔(۲)

ایسا ہی دوسری تفاسیر میں بھی لکھا ہوا ہے۔

اس بات سے یہ پتہ چلا کہ آپ کا نام لے کر آپ کو بلانا یا آواز دینا جائز نہیں ہے بلکہ اگر بلانا پڑے تو تعظیمی القاب سے آپ کو مخاطب کرنا چاہیے' کیونکہ جب خالق کائنات نے آپ کو نام لے کر نہیں بلایا تو مخلوق کے لیے یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ آپ کا نام لے کر آپ کو بلائے۔

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کے روز جب آپ شفاعت کے لیے

۱۔ النور: ۶۳

۲۔ تفسیر عثمانی: ۴۷۹

اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوں گے تو حق تعالیٰ اس وقت آپ کا نام لے کر بلائیں گے۔ اور فرمائیں گے "اِرْفَعْ رَأْسَکَ یَا مُحَمَّدُ! وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ" اے محمدؐ! اپنا سر اٹھایئے' کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور مانگیے آپ کو دیا جائے گا؟ اس وقت آپ کا نام لے کر بلانے میں علماء نے یہ حکمت لکھی ہے کہ چونکہ "محمد" کا مطلب ہے تعریف کیا گیا۔ اس وقت جب تمام مخلوق دوسرے تمام انبیاء سے خالی ہاتھ واپس آئے گی اور آخر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے شفاعت فرمائیں گے' وہ مقام اس وقت آپ کے لیے ایک تعریف کا مقام ہوگا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اس تعریف کے مقام کی مناسبت سے آپ کا تعریف والا نام "محمد" لے کر پکاریں گے۔

مسئلہ: یہ جو بعض لوگ مسجدوں پر یا دوسرے مقدس مقامات پر "یا محمد" لکھ دیتے ہیں' یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن میں "یا محمد" نہیں کہا تو ہمیں کیا حق ہے کہ ہم مسجدوں پر "یا محمد" لکھیں؟ (فتدبر)

یارب صلّ وسلّم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلهم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے انتقال کے بعد ازواج مطہراتؓ کا نکاح حرام ہونا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ چونکہ امت کی مائیں ہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد نکاح حرام ہے۔ اس کی علماء نے دو وجوہات بیان کی ہیں:

۱۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں ہے:"وازواجہ امھاتھم" یعنی نبی کی بیویاں امت کی مائیں ہیں۔ اور باپ کے انتقال کے بعد ماں سے نکاح حرام ہے اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج سے بھی آپ کے انتقال کے بعد نکاح حرام ہے۔

۲۔ اور دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اس لیے ان عورتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ٹوٹا نہیں بلکہ وہ برابر نبی کے نکاح میں موجود ہیں۔ اس وجہ سے کوئی شخص ان سے نکاح نہیں کر سکتا۔ علامہ ماوردیؒ کے نزدیک پیغمبر کی عورتوں پر عدت وفات بھی واجب نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبر میں حیات ہونے کا مسئلہ تمام امت کے نزدیک ایک متفق علیہ مسئلہ ہے جس کی تفصیل حکیم محمود احمد ظفر کی کتاب "اسلام کا تصور نبوت" اور مولانا عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "حیات انبیاء کرام" میں بیان کر دی ہے۔ اور امام بیہقیؒ اور امام سیوطیؒ نے اس پر رسالے بھی لکھے ہیں۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی ازواج مطہرات کو جو امت کی مائیں کہا گیا' اس سے ان کا احترام' ان کی اطاعت اور ان سے تحریم نکاح تو

ثابت ہوتا ہے، لیکن ان سے خلوت، ان کا نان ونفقہ اور ان کی میراث ثابت نہیں ہوتی جب کہ ایک انسان اپنی حقیقی ماں سے تنہائی میں بیٹھ کر باتیں بھی کر سکتا ہے، اس کا نان و نفقہ بھی اس کے ذمہ ہے اور اس کی میراث میں بھی وہ حصہ دار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات پیغمبر کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے ان کی میراث میں بھی حصہ دار نہیں۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم نہ کی گئی بلکہ ان کو میراث میں سے نان ونفقہ ملتا تھا۔

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی شکل اختیار کرنے سے شیطان کا عاجز ہونا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس نے خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً آپ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان آپ کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبلؒ، بخاریؒ اور ترمذیؒ نے سیدنا انسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا''۔

اس مضمون کی روایات اور کتابوں میں بھی آئی ہیں۔

اس حدیث سے آپ کے مقام کی رفعت اور بلندی بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کی شکل کتنی مطہر تھی کہ شیطان میں تمثل بشری کی طاقت کے باوجود یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ آپ کی صورت مبارکہ میں متمثل ہو سکے۔ دوسرے لفظوں میں یوں ہے کہ خدا کی لعنت اس کی رحمت کی صورت نہیں بن سکتی۔ شیطان لعنت مجسم اور آپ رحمت مجسم۔ ان دونوں میں بعد المشرقین۔ جب وہ خواب میں آپ کی صورت اور شکل بنانے پر قادر نہیں تو بیداری میں تو بدرجہ اولیٰ آپ کی صورت بنانے پر قادر نہ ہوگا' لہٰذا جس طرح خواب کی زیارت میں شیطانی رویت(Sight) کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح عالم بیداری کی زیارت میں بھی یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بات ہم نے اس لیے ذکر کی کہ اللہ کے کئی بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے حالت بیداری میں آپ کی کئی مرتبہ زیارت کی۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے امام سیوطیؒ سے نقل کیا ہے کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت بیداری میں ستر مرتبہ سے

بھی زیادہ زیارت کی''۔ایک مرتبہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں اہل جنت میں سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کیا: کیا عذاب کے بغیر؟ فرمایا: جاؤ تمہارے لیے یہ بھی سہی''۔(۱)

شیخ ابوالحسن شاذلی ؒ فرماتے ہیں کہ ''اگر میرے اور سرور کائنات ﷺ کے درمیان ایک پلک جھپکنے کے برابر بھی حجاب پڑ جائے تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں کے زمرہ میں شمار نہ کروں''۔(۲)

اس سلسلہ میں امام سیوطیؒ نے کچھ لوگوں کے نام بھی ذکر کیے ہیں جن کو بیداری کی حالت میں آپ کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ان حضرات کے نام یہ ہیں:
(۱) ابوعبداللہ قرشی ؒ (۲) سراج الدین بن الملقنؒ (۳) شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ (۴) شیخ خلیفہ بن موسیٰ ؒ (۵) شیخ محمد بن یحییٰ ؒ (۶) شیخ عبدالغفارؒ (۷) شیخ ابوالعباسؒ (۸) شیخ عبداللہ الدلاصیؒ (۹) شیخ ابوالعباس الحرار (۱۰) سید احمد رفاعیؒ (۱۱) سید نورالدین (۱۲) ابونصر کرخی ؒ وغیرہ۔(۳)

حافظ ابن تیمیہ نے اس رویت بیداری کا انکار کیا ہے' لیکن اتنے اولیاء کرام اور امام سیوطیؒ کے مقابلہ میں ان کا انکار کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ پھر اس کی تصریح کرنے والے ائمہ شافعیہ میں امام غزالیؒ امام بارزیؒ، امام تاج الدین سبکیؒ اور امام یافعیؒ جیسے حضرات ہیں اور ائمہ مالکیہ میں سے امام قرطبیؒ حافظ ابن ابی جمرہؒ اور ابن الحاجؒ وغیرہ جید اور ثقہ قسم کے حضرات ہیں۔امام زرقانی ؒ نے اس بارے میں بڑی اچھی بحث کی ہے۔(٤)

رسول اللہ ﷺ کو حالت بیداری میں دیکھنے کی تائید حدیث سے بھی ملتی ہے۔چنانچہ سیدنا ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ الیواقیت والجواهر: ۱ / ۳۳

۲۔ الحاوی: ۲ / ۱٦۳

۳۔ الحاوی: ۲ / ۲٦۱، ۲٦۲

٤۔ ملاحظه هو زرقانی، القسم الرابع ما اختص به ﷺ من الفضائل......الخ ومنها ان من راه فی المنام فقد راه حقا: ۵/۲۸۸

’’مَنْ رَاٰنِي فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِي فِي الْيَقْظَةِ وَلَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِي‘‘

’’جس نے مجھے نیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا، اور شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔‘‘ (۱)

اس مسئلہ پر علامہ سید محمود آلوسی نے اپنی تفسیر میں مفصل بحث کی ہے۔ (۲)

حافظ ابن حجر مکیؒ نے اس معاملہ میں لکھا ہے کہ کیا بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوسکتی ہے اور کیا ان سے علم حاصل کرنا ممکن ہے؟ اس کے جواب میں حافظ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ ہاں یہ ممکن ہے، اور یہ اولیاء اللہ کی کرامات میں سے ہے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ ایک ولی اللہ کی خدمت میں ایک فقیہ آئے اور انہوں نے ایک حدیث بیان کی۔ اس ولی اللہ نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ فقیہ نے پوچھا: ’’اس کے موضوع اور باطل ہونے کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟‘‘ انہوں نے کہا کہ تمہارے سر کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے فرمارہے ہیں کہ یہ بات میں نے نہیں کہی۔ پھر اس ولی اللہ نے فقیہ کے بھی کشف کرادیا اور اس فقیہ نے بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرلی۔ (۳)

رئیس المحدثین امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ بھی بیداری میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کو ممکن سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

۱۔ بخاری، کتاب العبیر، باب من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام: ۲ / ۱۰۳۵، مسلم، کتاب الرؤیا: ۲ / ۲۴۲، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی الرؤیا: ۲ / ۳۲۹، ابن ماجه، ابواب تعبیر الرؤیا، باب رؤیة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام: ص ۲۸۷، مسند امام احمد بن حنبل، الباب السابع فی الصلاة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفصل الثالث فی آداب التلاوة، حدیث ابی قتادة الانصاری: ۱ / ۴۰۰، ۵ / ۳۰۶

۲۔ ملاحظه ہو تفسیر روح المعانی: ۲۲ / ۳۸۔۴۵

۳۔ فتاویٰ حدیثیه: ص ۲۵۴

''میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی حالت بیداری میں زیارت ممکن ہے۔ جس شخص کو حق تعالیٰ شانہ یہ نعمت عطا فرمائے اس کو زیارت ہو جاتی ہے، کیونکہ منقول ہے کہ علامہ سیوطیؒ نے سرکار دو عالم ﷺ کی بیداری میں بائیس (۲۲) مرتبہ زیارت کی۔ اور آپ ﷺ سے بعض احادیث کے متعلق سوال کیا اور نبی ﷺ کی تصحیح کے بعد ان کو صحیح قرار دیا۔ امام شعرانیؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ انہوں نے بھی نبی اکرم ﷺ کی حالت بیداری میں زیارت کی اور آٹھ رفقاء کے ساتھ آپ ﷺ سے صحیح بخاری پڑھی۔ پھر امام شعرانیؒ نے ان میں سے ہر ایک کا نام بھی لیا، اور ان میں سے ایک حنفی تھا اور وہ دعا بھی لکھی ہے جو ختم بخاری پر پڑھی گئی۔''

(آخر میں علامہ کشمیریؒ نے لکھا)

''فَالرُّؤْيَةُ يَقْظَةً مُتَحَقِّقَةٌ، وَإِنْكَارُهَا جَهْلٌ'' (۱)

''آپ ﷺ کی بیداری میں زیارت متحقق ہے اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی قدس سرہ نے بخاری کی حدیث (۲/ ۱۰۳۵) کے بارے میں چھ محمل بیان کیے ہیں۔ ان میں سے چھٹا محمل یہ ہے کہ جس نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا وہ دنیا میں آپ ﷺ کو بیداری میں حقیقتاً دیکھے گا اور آپ سے گفتگو کرے گا کیونکہ صالحین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، پھر آپ کو بیداری میں دیکھا، اور جن چیزوں کے متعلق ان کو خدشات تھے، ان کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ سے سوالات کیے اور آپ ﷺ نے ان امور میں ان صالحین کی عقدہ کشائی فرمائی۔'' (۲)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس محمل پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر اس

۱۔ فيض الباري، باب إثم من كذب......الخ: ۱ / ۲۰۴

۲۔ فتح الباري، كتاب التعبير، من رأى النبي ﷺ في المنام: ۱۲ / ۳۸۵

حدیث کے یہ معنی لیے جائیں تو پھر یہ صالحین صحابہ شمار ہوں گے اور پھر قیامت تک صحابیت کا باقی رہنا ممکن ہوگا۔ پھر حافظ ابن حجرؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ صالحین صحابی نہیں ہوں گے کیونکہ صحابی کی تعریف یہ ہے کہ ''جو شخص ایمان کی حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی حیات ظاہری میں دیکھے اور اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو۔'' لہٰذا ان صالحین پر یہ تعریف صادق نہیں آتی۔ کیونکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حیات ظاہری میں نہیں دیکھا۔

ملا علی قاریؒ نے بھی صحابی کی تعریف میں لکھا ہے:

''والمراد رؤيتهٗ في حال حياته''(۱)

''صحابی کی تعریف میں آپ کو دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دنیوی ظاہری حیات میں دیکھا جائے۔''

یا رب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ شرح، شرح نخبة الفکر: ص ۱۷۷

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی خاطر اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر قسم کھائی جو کہ آپ کے خصوصی امتیازات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی اور نبی کے لیے اس طرح قسم کھا کر اس کی شان کو بیان نہیں کیا۔ قرآن حکیم کے ان متعدد مقامات میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

﴿یٰسٓ وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ، اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ، عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (۱)

(۱) "یٰسین، قسم ہے اس قرآن کی جو حکمت سے پُر ہے، بے شک آپ (اللہ کے) پیغمبروں میں سے ہیں۔ آپ بلا شک وشبہ سیدھے راستے پر ہیں۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

(۲) وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى، مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى. (۲)

"قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے، تمہارا رفیق بہکا نہیں اور نہ بے راہ چلا۔ وہ نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے، وہ تو وہی کہتا ہے جو (اللہ کی طرف سے) اس پر وحی ہوتی ہے۔"

ان آیات کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"رفیق سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی نہ آپ غلط فہمی کی بنا پر

۱۔ یٰس: ۱۔۴

۲۔ النجم: ۱۔۴

راستہ سے بھکے اور نہ اپنے قصد و اختیار سے جان بوجھ کر بے راہ چلے بلکہ جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے لے کر غروب تک ایک مقررہ رفتار سے معین راستہ پر چلے جاتے ہیں، کبھی ادھر ادھر ہٹنے کا نام نہیں لیتے، آفتاب نبوت بھی اللہ کے مقرر کیے ہوئے راستہ پر برابر چلا جاتا ہے، ممکن نہیں کہ ایک قدم ادھر یا ادھر پڑ جائے۔ ایسا ہو تو ان کی بعثت سے جو غرض متعلق ہے وہ حاصل نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے ستارے ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کی راہ نمائی ہوتی ہے، اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب درخشاں طلوع ہوتا ہے، ایسے ہی تمام انبیاء کی تشریف بری کے بعد آفتاب محمدی مطلع عرب سے طلوع ہوا۔ پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے اس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا انتظام کس قدر مضبوط اور مستحکم ہونا چاہیے جن سے ایک عالم کی ہدایت وسعادت وابستہ ہے۔" (۱)

اسی طرح سورۃ القلم میں فرمایا:

(۳) نٓ، وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ، مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ، وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ، وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ. (۲)

"ن، قسم ہے قلم کی اور (قسم ہے) ان (فرشتوں) کے لکھنے کی، آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں، اور بے شک آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں، یقیناً آپ کا خلق عظیم ہے۔"

۱۔ تفسیر عثمانی: ص ۶۹۸

۲۔ القلم: ۱۔۴

اللہ تعالیٰ نے قلم اور اہل قلم کے لکھنے کی قسم کھا کر جو کچھ کہا اس کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا:

''مشرکین مکہ حضور ﷺ کو (العیاذ باللہ) دیوانہ کہتے تھے، کوئی کہتا کہ شیطان کا اثر ہے جو یک بیک تمام قوم سے الگ ہو کر ایسی باتیں کرنے لگے ہیں جن کو کوئی نہیں مان سکتا۔ حق تعالیٰ شانہ نے اس خیال باطل کی تردید اور آپ کی تسلی فرما دی یعنی جن پر اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے فضل و انعام ہوں جن کو ہر آنکھ والا مشاہدہ کر رہا ہے، مثلاً اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور حکمت و دانائی کی باتیں، مخالف و موافق کے دل میں اس قدر قوی تاثیر اور اتنے بلند اور پاکیزہ اخلاق، کیا اسے دیوانہ کہنا خود اپنی دیوانگی کی دلیل نہیں؟ دنیا میں بہت دیوانے ہوئے ہیں اور کتنے عظیم الشان مصلحین گزرے ہیں جن کو ابتداءً قوم نے دیوانہ کہہ کر پکارا ہے، مگر قلم نے تاریخی معلومات کا جو ذخیرہ بطون اوراق میں جمع کیا ہے وہ ببانگ دہل شہادت دیتا ہے کہ واقعی دیوانوں اور دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں کس قدر زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ آج آپ کو (العیاذ باللہ) مجنون کے لفظ سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے کہ جس رنگ میں دنیا کے جلیل القدر اور اولعزم مصلحین کو ہر زمانہ کے شریروں اور بے عقلوں نے یاد کیا ہے۔ لیکن جس طرح تاریخ نے ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقا و دوام کی مہر ثبت کی اور ان مجنون کہنے والوں کا نام ونشان باقی نہ چھوڑا۔ قریب ہے کہ قلم اور اس کے ذریعہ سے لکھی ہوئی تحریریں آپ ﷺ کو دیوانہ بتلانے والوں کا وجود صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہے گا۔ ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ کی حکمت و دانائی کی داد دے گی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور ایک

اجماعی عقیدہ کے تسلیم کرے گی۔ بھلا خداوند قدوس جس کی افضیلت و برتری کو ازل الآزال میں اپنے قلم نور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا، کس کی طاقت ہے کہ محض مجنون و مفتون کی پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو مٹا سکے؟ جو ایسا خیال رکھتا ہو پرلے درجے کا مجنون اور جاہل ہے۔''

پھر سرکار دو عالم، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی کے طور پر فرمایا:

''آپ غمگین نہ ہوں۔ ان کے دیوانہ کہنے سے آپ کا اجر بڑھتا ہے اور غیر محدود فیض ہدایت بنی نوع انسان کو آپ کی ذات سے پہنچنے والا ہے۔ اس کا بے انتہاء اجر و ثواب آپ کو یقیناً ملنے والا ہے۔ کیا دیوانوں اور پاگلوں کا مستقبل ایسا پائدار اور شاندار کسی نے دیکھا ہے؟ یا کسی مجنون کی اسکیم اس طرح کامیاب ہوتے سنی ہے؟ پھر جس کا رتبہ اللہ کے ہاں اتنا بڑا ہو اس کو چند احمقوں کے دیوانہ کہنے کی کیا پرواہ ہونی چاہیے۔''

پھر اگلی آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مزید تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جن اعلیٰ اخلاق و ملکات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرمایا، کیا دیوانوں میں ان اخلاق و ملکات کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ ایک دیوانے کے اقوال و افعال میں قطعاً نظم و ترتیب نہیں ہوتی، نہ اس کا کلام اس کے کاموں پر منطبق ہوتا ہے، برخلاف اس کے آپ کی زبان قرآن ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال و اخلاق قرآن کی خاموش تصویر۔ قرآن جس نیکی، جس خوبی اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپ میں فطرتاً موجود، اور جس بدی اور زشتی سے روکتا ہے آپ طبعاً اس سے نفور و بیزار ہیں۔ پیدائشی طور پر آپ کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپ کی کوئی حرکت اور کوئی چیز حد تناسب و اعتدال سے ایک انچ ادھر ادھر ہٹنے

نہیں پاتی۔ آپ کا حسن اخلاق اجازت نہ دیتا تھا کہ جاہلوں اور کمینوں کے طعن و تشنیع پر کان دھریں۔ جس شخص کا خلق اس قدر عظیم اور مطمح نظر اتنا بلند ہو، بھلا وہ مجنون کے مجنون کہہ دینے پر کیا التفات کرے گا۔ آپ تو اپنے دیوانہ کہنے والوں کی نیک خواہی اور درد مندی میں اپنے کو گھلائے ڈالتے ہیں۔ جس کی بدولت "فلعلک باخع نفسک" کا خطاب سننے کی نوبت آتی تھی۔ فی الحقیقت اخلاق کی عظمت کا سب سے زیادہ عمیق پہلو یہ ہے کہ آدمی دنیا کی ان حقیر ہستیوں سے معاملہ کرتے وقت خداوند قدوس کی عظیم ہستی سے غافل وذاہل نہ ہو۔ جب تک یہ چیز قلب میں موجود رہے گی تمام معاملات عدل واخلاق کی میزان میں پورے اتریں گے۔

کیا خوب فرمایا: شیخ جنید بغدادیؒ نے:

"سُمِّیَ خُلُقُهٗ عَظِیْمًا اِذْ لَمْ تَکُنْ لَهٗ هِمَّةٌ سِوَی اللّٰهِ تَعَالٰی عَاشَرَ الْخَلْقَ بِخُلُقِهٖ وَذَاهَلَهُمْ بِقَلْبِهٖ، فَکَانَ ظَاهِرُهٗ مَعَ الْخَلْقِ وَبَاطِنُهٗ مَعَ الْحَقِّ." وفی وصیۃ بعض الحکماء "عَلَیْکَ بِالْخُلُقِ مَعَ الْخَلْقِ وَ بِالصِّدْقِ مَعَ الْحَقِّ."(۱)

قرآن حکیم کے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی قسم کھا کر نبی اکرم ﷺ پر مخالفین کے کیے گئے اعتراضات کا جواب بڑے نفیس اور زوردار لفظوں میں دیا۔

(۴) وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی، مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی، وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی، وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (۲)

"قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی، اور رات کی جب چھا جائے، نہ چھوڑا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ بیزار ہوا، اور (حقیقت یہ ہے

۱۔ فوائد عثمانی: ص ۷۴۸

۲۔ الضحی: ۱۔۵

کہ) پچھلی حالت بہتر ہے آپ کے لیے اگلی حالت سے، اور
عنقریب آپ کا رب آپ کو اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ راضی
ہو جائیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کی قسم کھا کر آپ کے مرتبۂ عالی اور عظمت کو بیان کیا۔ روایات صحیحہ میں ہے کہ کچھ عرصہ جبرئیل امین آپ کی خدمت اقدس میں نہ آئے۔ یہ شاید زمانہ فترت کی بات ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس زمانہ میں بڑے مغموم اور مضطرب رہتے تھے۔ اس دوران مخالفین نے اس طرح کی چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ آپ کے رب نے آپ کو ناراض ہو کر چھوڑ دیا ہے۔ ان مخالفین کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پہلے قسم کھائی دھوپ چڑھتے وقت کی اور اندھیری رات کی۔ پھر فرمایا کہ آپ کے دشمنوں کے سب خیالات اور پراپیگنڈے غلط ہیں، نہ تیرا رب تجھ سے ناراض ہے اور نہ بیزار ہوا اور نہ تجھ کو چھوڑا، بلکہ جس طرح ظاہر میں وہ اپنی قدرت وحکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا رہتا ہے اور دن کے پیچھے رات اور رات کے پیچھے دن کو لاتا ہے، یہی کیفیت باطنی حالات کی سمجھو۔ اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور خفگی کی دلیل نہیں، اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اجالا کبھی نہ ہوگا تو چند روز نور وحی کے رکے رہنے سے یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ آج کل اللہ تعالیٰ اپنے منتخب کیے ہوئے پیغمبر سے خفا اور ناراض ہے اور ہمیشہ کے لیے اس نے وحی کا دروازہ آپ پر بند کر دیا ہے۔ ایسا کہنا تو اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر اعتراض کرنا ہے، گویا اسے خبر نہ تھی کہ جس کو میں نبی بنا رہا ہوں وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا۔ اور یہ بھی سن لو کہ آپ کی پچھلی حالت پہلی حالت سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔ وحی کی یہ چند روزہ رکاوٹ آپ کے نزول و انحطاط کا سبب نہیں بلکہ بیش از بیش عروج وارتقاء کا ذریعہ ہے، اور اگر پچھلی سے پچھلی حالت کا تصور کیا جائے یعنی آخرت کی شان وشکوہ کا جب کہ آدم اور آدم کی ساری اولاد آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو گی تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز واکرام سے بہت بڑھ کر ہے جس سے آپ راضی ہو جائیں گے۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلہم

باب چہارم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی برزخی خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ کی جن خصوصیات سے نوازا ان میں سے کچھ کا ہم اس باب میں تذکرہ کریں گے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی حیات قبریہ کی خصوصیت

قریباً تمام امت کا یہ عقیدہ ہے جو قرآن وسنت کے دلائل سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ یہ حیات باعتبار عالم کے حیات برزخی، باعتبار بدن کے حیات جسمانی اور باعتبار رزق کے حیات روحانی ہے۔ اہل السنّت والجماعت کا یہی مسلک ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ذکر کرتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:

﴿حَيَاةُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِيْ قَبْرِهٖ هُوَ وَسَائِرُ الْاَنْبِيَاءِ مَعْلُوْمَةٌ عِنْدَنَا عِلْمًا قَطْعِيًّا، لِمَاقَامَ عِنْدَنَا مِنَ الْاَدِلَّةِ فِيْ ذَالِكَ وَتَوَاتَرَتْ بِهِ الْاَخْبَارُ الدَّالَّةُ عَلٰى ذَالِكَ﴾(۱)

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کی اپنی قبروں میں حیات ہمیں علم قطعی سے معلوم ہے، اس لیے اس بارے میں ہمارے پاس بہت سے دلائل ہیں اور احادیث متواترہ اس پر شاہد ہیں۔''

علامہ نورالحقؒ فرزند شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''قول مختار ومقرر جمہور ہمیں است کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بعداز اذاقت موت زندہ اند بہ حیات دنیوی۔''(۲)

جمہور کا طے شدہ اور مختار قول یہی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

۱۔ حیاۃ الانبیاء للسیوطی: ص ۴۵، فتاویٰ للسیوطی: ۲ / ۱۴۷

۲۔ تیسیر الباری: ۳/ ۲۶۲

موت کا مزہ چکھنے کے بعد (قبر میں) دنیوی زندگی کے ساتھ متصف ہیں۔

یہی بات حجۃ الاسلام حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی فرمائی ہے۔(۱)

موت کیا ہے؟

قبل اس کے کہ انبیاء علیہم السلام اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برزخی حیات پر مزید کچھ کہا جائے، یہ جان لینا ضروری ہے کہ موت کیا ہے؟ علماء نے لکھا ہے کہ موت ایک ایسی صفت ہے جو صفت حیات کے تغیر پر بدن کو عارض ہوتی ہے، دوسرے لفظوں میں موت ایک وجودی شی ہے عدمی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے۔

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ﴾(۲)

''یعنی اللہ تعالیٰ نے موت کو پیدا کیا اور حیات کو بھی''

قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت کی تخلیق ہوئی ہے اور یہ محض روح اور بدن کی مفارقت کا نام نہیں ہے جو ایک عدمی چیز ہے۔

اسی وجہ سے صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ

''جمہور اہل سنت کے نزدیک موت ایک وجودی صفت ہے جو حیات کے مقابل ہے اور اس کے وجودی ہونے کی دلیل اس کا فعل خلق ہے کیونکہ فعل خلق عدمی چیزوں سے متعلق نہیں ہوتا۔ عدمیات تو ازلی ہیں۔''(۳)

احادیث نبویہ سے بھی موت کے وجودی چیز ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کرے گا اور ان سے کچھ سوال و جواب کرے گا۔ پھر نیک لوگ پل صراط عبور کر

۱۔ لطائف قاسمیہ: ص ۴

۲۔ الملک: ۲

۳۔ تفسیر روح المعانی: ۲۹ / ۴

کے جنت میں چلے جائیں گے اور جہنمی جہنم میں جا گریں گے۔
پھر موت کو وہاں لایا جائے گا اور اسے اس دیوار پر کھڑا کیا جائے گا
جو اہل جنت اور اہل جہنم کے مابین ہو گی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:
دیکھتے ہو یہ کیا ہے؟ دونوں کہیں گے: ہاں ہم جانتے ہیں یہ موت
ہے جو ہم پر طاری ہوئی تھی۔ اس وقت اسے لٹایا جائے گا اور اسے
ذبح کیا جائے گا...... اس کے بعد موت کسی کو نہ آئے گی۔ (۱)

غرضیکہ موت ایک وجودی شی ہے اور اس کی حقیقت انفکاک روح یا ازالۂ حیات نہیں ہے۔ موت کا معنی ازالۂ حیات کرنے میں یہ دقت پیش آئے گی کہ موت کے لیے پہلے حیات کا ہونا ضروری ہو گا، پھر اموات صرف انہی کو کہا جائے گا جن میں پہلے حیات رہ چکی ہو۔ حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت طیبہ:

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ہے اسی طرح آپ کی موت بھی طیبہ ہے چنانچہ صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال پر جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے:

﴿طبت حیاً و میتاً﴾ (۲)

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات بھی طیب اور آپ کی ممات بھی طیب''

یعنی جس طرح آپ کی حیات میں آپ کے جسد اطہر سے خوشبو نکلتی تھی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر بھی جسد اطہر اسی طرح مہک دے رہا تھا۔ (۳)

مختصر یہ کہ موت نے آپ کی حیات کو زیر پردہ کر دیا آثار حیات آپ سے نہ ہوئے اور بدن آج تک اسی طرح تر و تازہ ہے۔

آپ کی امت کے حق میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جس طرح حیات طیبہ تھی

۱۔ ترمذی، کتاب الزهد عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجا فی الشفعه: ۲ / ۷۹

۲۔ بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب المهاجرین: ۱ / ۵۱۷

۳۔ بخاری رقم: ۳۴۹۸، ۳۹۷۳، مسلم رقم: ۲۴۰۲

اسی طرح آپ کی موت بھی طیبہ ہے۔ دونوں موجب خیروبرکت ہیں جیسا کہ حدیث میں سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ مَوْتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (١)

''میری حیات بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری موت بھی تمہارے لیے خیر ہے۔''

ایک اور روایت میں جو سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے مروی ہے کہ سرور کشور رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

﴿حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ ،تُحَدِّثُوْنَ وَ نُحَدِّثُ لَكُمْ، وَوَفَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ، تُعْرَضُ عَلَيَّ اَعْمَالُكُمْ، فَمَارَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُّ عَلَيْهِ وَمَارَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ اَسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَكُمْ﴾

''میری زندگی تمہارے لیے خیر ہے کیونکہ تم میری احادیث سنتے سناتے ہو اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے کیونکہ (میری قبر میں) تمہارے اعمال میرے سامنے پیش ہوا کریں گے۔ چنانچہ اگر میں تمہاری نیکیاں اور بھلائیاں دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا کروں گا اور اگر میں تمہاری برائیاں دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ سے تمہارے گناہوں کی مغفرت مانگوں گا۔'' (٢)

قریباً اسی مضمون کی ایک اور روایت سیدنا انس بن مالکؓ سے مروی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ ،تُحَدِّثُوْنَ وَ نُحَدِّثُ لَكُمْ، فَإِذَا اَنَا مُتُّ كَانَتْ وَفَاتِيْ خَيْراً لَّكُمْ، تُعْرَضُ عَلَيَّ اَعْمَالُكُمْ،

١۔ شفا قاضی عیاض: ١ / ١٩

٢۔ مسند بزاز: ٥ / ٣٠٨ وقال الهيثمي في مجمع الزوائد: ٩ / ٢٤، رواه البزار بسند صحيح البدايه والنهاية: ٤ / ٢٥٧، شرح الشفا لملاعلى القاريؒ: ١ / ٣٦، وقال سند البزار صحيح، زرقاني شرح المواهب: ٧ / ٧٣ نسيم الرياض: ١ / ١٧٣

فَاِنْ رَاَیْتُ خَیْرًا حَمِدْتُ اللّٰہَ، وَاِنْ رَاَیْتُ غَیْرَ ذَالِکَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لَکُمْ﴾

''میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم مجھ سے ہم کلام ہوتے ہو اور میں تم سے ہم کلام ہوتا ہوں۔ پھر جب میرا انتقال ہو جائے گا تو میری یہ وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے۔ پس اگر میں تمہارے اچھے اور نیک اعمال دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر بجا لاؤں گا اور اگر اس کے علاوہ برے اعمال دیکھوں گا تو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کروں گا۔'' (۱)

اسی سلسلہ میں ایک اور روایت سیدنا بکر بن عبداللہ مزنیؒ سے مروی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ ،تُحَدِّثُوْنَ وَ یُحَدِّثُ لَکُمْ،وَوَفَاتِیْ خَیْرًا لَّکُمْ، تُعْرَضُ عَلَیَّ اَعْمَالُکُمْ، فَمَا کَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمِدْتُ اللّٰہَ عَلَیْہِ، وَمَا کَانَ مِنْ سَیِّءٍ اَسْتَغْفَرْتُ اللّٰہَ لَکُمْ﴾

''میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ تم میری باتیں اور احادیث سنتے ہو، اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہے کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے۔ اگر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے تو میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا، اور اگر برے اعمال ہوں گے تو میں تمہارے لیے اللہ سے مغفرت طلب کروں گا۔'' (۲)

۱۔ القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، حافظ سخاوی: ص ۱۶۰، کنزالعمال رقم حدیث: ۳۱۹۰۳

۲۔ طبقات کبریٰ لابن سعد: ۲ / ۱۹۴، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام سبکی، ص ۳۴، المطالب العالیہ لابن حجر عسقلانی: ۴ / ۲۲، کنزالعمال رقم الحدیث: ۳۱۹۰۴، نسیم الریاض: ۱ / ۱۷۳

بعض روایات میں ہے کہ امت کے اعمال ہر جمعہ کو سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش ہوتے ہیں۔ امت کے اچھے اعمال کو دیکھ کر آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہیں اور برے اعمال دیکھ کر ان کے لیے استغفار کرتے ہیں، حیات اور ممات کے خیر ہونے کی یہ وجہ ایک روایت میں آپ ﷺ نے سیدنا عمرؓ کے سوال پر بھی فرمائی تھی۔(۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اَعْمَالَ اُمَّتِیْ تُعْرَضُ عَلَیَّ فِیْ کُلِّ یَوْمِ الْجُمُعَةِ﴾

''بے شک میری امت کے اعمال ہر جمعہ کے روز مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔''(۲)

یہ تو سرکار دو عالم ﷺ کی ذات گرامی ہے جن کے حضور امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ حدیث میں تو یہاں تک آتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے ان اعزاء واقرباء کے سامنے بھی پیش کیے جاتے ہیں جو اس دنیا سے انتقال کر گئے ہوئے ہیں۔ وہ اچھے اعمال کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور برے اعمال کو دیکھ کر اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ ''اے اللہ! انہیں موت نہ دے جب تک کہ تو انہیں ہدایت نہ دے دے جیسے تو نے ہمیں ہدایت دی۔''(۳)

خارج میں اثرات حیات:

موت کا ایک سریع اور صریح اثر یہ ہوتا ہے کہ میت کسی شی کی مالک نہیں رہتی۔ اس کے تمام اموال منقولہ اور غیر منقولہ اس کی ملکیت سے نکل کر اس کے وارثان کے ہو جاتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کے تمام اموال آپ کی ملکیت میں باقی رہے۔ چنانچہ

۱۔ الوفاء باحوال المصطفیٰ لابن جوزی: ۱/ ۸۲۶

۲۔ حلیة الاولیاء لابی نعیم: ۶/ ۱۷۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۰۱۶

۳۔ مسند احمد، حدیث عبداللہ: ۳/ ۱۶۵، مجمع الزوائد، باب اطعام من ولی شقة: ۲/ ۳۲۸

محدثین کرامؒ نے اپنی کتابوں میں اس مضمون کے باب باندھے ہیں:

﴿بَابُ مَا كَانَ مَالُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ قَائِماً عَلىٰ نَفَقَةٍ وَّمِلْكُهُ﴾ (١)

دوسرے لوگوں کے لیے یہ باب باندھا ہے۔

''جب آدمی مرجائے تو اس کے مال پر اس کا ملک نہیں رہتا۔''

مطلب یہ کہ اثرات حیات میں یہ اثر باقی ہے کہ آپ کے اموال آپ کی ملک میں رہے۔ پھر فوت شدہ انسان کی بیوی عدت کے ختم ہونے تک مرنے والے کے مال میں حق دار ہے اس کے بعد نہیں، پھر اس کا خرچہ اس کے والدین یا اس کے بیٹے دیں، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے لیے یہ نہیں ہے بلکہ وہ تا زندگی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اموال میں حق دار ہیں۔ یہ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مال آپ کی ملکیت میں باقی ہیں۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ روح کے بدن میں مقید رہنے کا نام ہی حیات نہیں بلکہ روح بدن سے نکل جائے لیکن اس کا کوئی خاص تعلق یا اثر بدن کے ساتھ باقی رہے تو اس صورت میں بھی بدن کو صفت حیات حاصل رہے گی۔ اسی سے موت کا شرعی مفہوم بھی معلوم ہو گیا۔ شریعت میں موت فنائے محض کا نام نہیں ہے بلکہ ایک عالم سے دوسرے عالم میں جانے کا نام موت ہے۔

چنانچہ علامہ بدرالدین عینیؒ نے لکھا ہے

﴿اَلْمَوْتُ لَيْسَ بَعَدَمٍ اِنَّمَا هُوَ اِنْتِقَالٌ مِنْ دَارٍ اِلىٰ دَارٍ﴾ (٢)

''موت عدم محض کا نام نہیں بلکہ وہ ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کا نام ہے۔''

قرآن حکیم میں جہاں حشر آخرت کا ذکر ملتا ہے وہاں ہڈیوں کے چورے اور جسم کے منتشر ذرات کو پھر سے جمع کرنے اور زندہ کرنے کا ذکر ملتا ہے، لیکن انبیاء کے بارے میں ایسا نہیں ہے کہ ان کی حشر آخرت ہڈیوں کے چورے اور ذرات منتشرہ سے

١۔ سنن کبریٰ بیہقی: ٧ / ٦٤

٢۔ عمدۃ القاری: ٦ / ٧٨

ہو گی بلکہ ان کے بارے میں حدیث میں ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ

''بے شک اللہ نے حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔''(۱)

لہٰذا ان کو اجساد سالمہ سے اٹھایا جائے گا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم مٹی اور ریزہ ریزہ نہیں ہوتے۔ اس بات کی شہادت قرآن حکیم میں بھی موجود ہے کہ سیدنا عزیر علیہ السلام ایک ایسی بستی پر سے گزرے جو چھتوں پر گری پڑی تھی۔ آپ کے دل میں یہ کیا خیال گزرا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو پھر سے کیسے اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اور ان کی سواری پر موت طاری کر دی۔ اور سو سال اسی حال میں گزر گئے۔ ان کی سواری یعنی گدھا ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عزیر علیہ السلام کو پھر سے اٹھایا اور فرمایا:

﴿وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ وَلِنَجْعَلَکَ آیَۃً لِّلنَّاسِ، وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ کَیْفَ نُنْشِزُھَا ثُمَّ نَکْسُوْھَا لَحْمًا﴾(۲)

''اور دیکھ تو اپنے گدھے کو اور ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشان بنائیں گے۔ اور تو (گدھے کی) ان ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ کس طرح ہم اسے اٹھا کر جوڑتے ہیں اور پھر انہیں کیسے گوشت پہناتے ہیں۔''

یہ سب کچھ ہونے کے بعد انہوں نے کہا مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شی پر قادر ہے۔

اس سو سال کے عرصہ میں گدھے کا جسم تو ریزہ ریزہ ہو گیا لیکن سیدنا عزیر علیہ

۱۔ ابن ماجہ: ۲ / ۱۷، ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب فی نسخ تفسیر العالہ: ۱ / ۳۳۹، نسائی، کتاب الجمعة، باب ذکر فضل یوم الجمعة: ۳ / ۹۱، مستدرک حاکم: ۱ / ۱۹۱، مسند احمد: ۴ / ۸، سنن دارمی: ۱ / ۴۵۵

۲۔ بقرہ: ۲۵۹

السلام پر سو سال کی موت بالکل ایسی تھی جیسے نیند۔ ان کا بدن ہر قسم کے تغیرات سے بالکل محفوظ رہا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

سیدنا عزیر علیہ السلام کے فوت شدہ پڑے رہنے کو قرآن حکیم نے ''لبث'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اصحاب کہف کے سوئے رہنے کو بھی ''لبث'' کے لفظ سے بتایا ہے (کہف:) جس طرح اصحاب کہف کو سوئے ہوئے پتہ نہیں چلا کہ وہ کتنا عرصہ سوئے اسی طرح سیدنا عزیر علیہ السلام کو بھی معلوم نہیں ہوا کہ وہ کتنا عرصہ اس حال میں پڑے رہے جس پر قرآن نے موت کا لفظ بولا ہے۔ صورت حال سے بے خبری نہ یہاں عدم حیات کی دلیل ہے اور نہ وہاں۔

اسی وجہ سے انبیائے کرام علیہم السلام کو آخرت میں دوبارہ لباس حیات پہنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ عام لوگوں کو جو زندگی اور کامل حیات عنصری اس روز ملے گی وہ انبیائے کرام علیہم السلام کو پہلے ہی سے عالم برزخ میں حاصل ہے۔ قیامت کے روز انہیں صرف اپنی اپنی قبور سے نکلنا ہی ہوگا اور ان کا عالم برزخ اچانک عالم آخرت میں بدل جائے گا، اور اب یہ ایک کھلی اور محسوس زندگی ہوگی۔ قدرت خداوندی سے ان کی قبور شریفہ شق ہوں گی بخلاف عامۃ الناس کے کہ وہ خود نکلنے کی حالت میں نہیں ہوں گے بلکہ انہیں قدرت ایزدی سے روح و جسد میں جمع کیا جائے گا۔ اس کے برعکس انبیائے کرام علیہم السلام کے قیامت کے روز زندہ کیے جانے کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ملتا۔ اس بارے میں سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بَعَثُوْا﴾ (۱)

''جب لوگ حشر کے روز اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں قبر سے نکلنے والا ہوں گا۔''

عامۃ الناس کے لیے لفظ ''بعث'' ہے جب کہ آپ ﷺ نے اپنے لیے ''خروج'' (نکلنا) کا لفظ استعمال فرمایا۔

۱۔ مشکوٰۃ: ۵۱۴

وفات کے بعد دنیوی زندگی:

موت کے بعد عالم برزخ شروع ہوتا ہے لیکن برزخی زندگی دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے دنیوی زندگی روح اور بدن کے تعلق اور دنیوی آب و ہوا کے تصرف سے قائم ہوتی ہے۔ جسم کے اندر روح کی بقا اور باہر مادی غذا ہو تو نہ صرف یہ سلسلہ قائم رہتا ہے بلکہ جسم کی نشو ونما بھی ہوتی رہتی ہے جو جسم کے آثار میں سے ہے۔ موت کے بعد یہ حیات باقی نہیں رہتی بلکہ برزخی حیات شروع ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برزخی حیات طیبہ کو دنیویہ صرف اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ دنیا والے جسد اطہر سے ہے۔ گویہ اس عالم کے لیے کھلی زندگی نہیں۔ آپ برزخ میں اسی جسد اطہر سے نماز پڑھتے ہیں اور آپ کی وہ حیات آپ کے لیے بے شک حسی ہے لیکن ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے اور نہ ہمیں اس عالم کی نماز کے رکوع و سجود نظر آتے ہیں۔ ایک سویا ہوا آدمی خواب کی دنیا میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہے مگر اس کے پاس بیٹھنے والے اس کے جسم میں کوئی نقل و حرکت نہیں دیکھتے۔ جو اللہ جل شانہ اس پر قادر ہے کہ عالم خواب کا ایسا سلسلہ بنا دے کہ ادھر پورا عمل ہو اور ادھر حرکت تک محسوس نہ ہو، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد اطہر یہاں اس دنیا کے لوگوں کو بالکل ساکت و صامت اور پرسکون دکھائی دے اور آپ اس برزخی حیات میں نماز بھی پڑھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حیات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں پوری حسی ہو یعنی کہ آپ اسے اسی طرح محسوس کریں جیسا کہ اس عالم دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازیں پڑھتے تھے۔ اللہ جل شانہ بے شک اس پر قادر ہے کہ اس جسد اطہر کو عالم برزخ میں ان تمام واردات سے نوازے جن کا احادیث نبویہ میں ذکر ملتا ہے، اور ان دنیا والوں کو اس جسد اطہر میں کوئی نقل و حرکت محسوس نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ جسد اطہر قبر مبارک میں صرف محفوظ ہوتا اسی طرح نرم و نازک نہ رہتا جیسا کہ وہ قبر مبارک میں دفن کرنے کے وقت تھا۔ ہدایہ میں ہے کہ وہ آج بھی اسی طرح ہے جیسا کہ رکھا گیا تھا:

﴿وَهُوَ الْيَوْمَ كَمَا وُضِعَ﴾ (۱)

۱۔ هدایه: ۱ / ۱۹

''اور وہ آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے جیسا کہ رکھا گیا تھا۔''

ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ اس جسد اطہر کو وہاں برزخی حیات حاصل ہے جس سے آپ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور سلام پیش کرنے والوں کا سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کے عالم برزخ میں اپنے جسد اطہر کے لیے قبر کی وہ وسعتیں نہیں جو ہمیں روضۂ اقدس کی دکھائی دیتی ہیں۔ اس کی مسافتوں اور لطافتوں کو یا تو عالم برزخ میں رہنے والے جانیں یا پھر اللہ رب العزت جانے جو ان کوائف اور عجائب کو پیدا کرنے والا ہے۔

حیات برزخی کا ایک اور پہلو:

انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخی کا ایک اور پہلو بھی ہے، وہ یہ کہ دنیا ایک دار العمل ہے۔ جونہی کوئی انسان موت سے دوچار ہوتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا سلسلہ عمل منقطع نہیں ہوتا بلکہ برزخ میں بھی ان کا سلسلۂ عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لذت پاتے ہیں لہٰذا وہ بایں معنی بھی زندہ ہیں کہ ان کے اعمال ابھی قائم ہیں۔ امام العصر حضرت علامہ انور شاہؒ فرماتے ہیں:

﴿فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ وَاَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ تُسِرُّوَفِیْ ذِکْرِ الْحَیَاۃِ اَفْعَالُھَا لَا اُصِلِھَا اَوْرَادٌ مَعَ الْاَجْسَادِ، فَاِنَّ اَجْسَادَھُمْ حُرِمَتْ عَلَی الْاَرْضِ﴾ (۱)

''پس اللہ کا نبی زندہ ہے، اسے رزق بھی دیا جاتا ہے اور حدیث ''اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ'' اصل حیات کے بیان میں نہیں، افعال حیات کے بیان میں نقل کی جاتی ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اجساد سے زندہ ہیں کیونکہ ان کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی۔''

اعمال حیات مراد ہوں یا اجساد حیات، یہ بات اپنی جگہ صحیح اور درست ہے کہ

۱۔ تحیۃ الاسلام: ص ۳۶

عالم برزخ عالم تکلیف نہیں۔ یہاں انسان اسی وقت تک مکلّف ہے جب تک موت نہ آ جائے۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ عالم برزخ میں عبادت مکلّف ہونے کی صورت میں نہیں قرب الٰہی میں اور بڑھنے کے لیے ہے۔ یہ ذوق عبادت کی مزید لذت پانے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس روحانی لذت سے محروم نہیں کرنا چاہتے۔ جسد کی سلامتی اس عمل کا ایک آلہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی برزخ میں نقل وحرکت:

انبیاء علیہم السلام اس عالم برزخ میں نقل وحرکت بھی کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

﴿سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ، فَمَرَرْنَا بِوَادٍ، فَقَالَ: اَيُّ وَادٍ هٰذَا؟ فَقَالُوْا وَادِيَ الْاَزْرَقُ، فَقَالَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مُوْسٰى فَذَكَرَ مِنْ لَوْنِهٖ وَ شَعْرِهٖ شَيْئًا﴾ (۱)

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان جا رہے تھے کہ ہم ایک وادی کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کی: ''یہ وادی ازرق ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''میں گویا یہاں موسیٰ (علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے پھر ان کے رنگ اور ان کے بال بھی بتائے کہ وہ کیسے ہیں۔''

سرکار دو عالم ﷺ کا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے رنگ اور بالوں کا ذکر کرنا اس تاکید میں تھا کہ آپ ﷺ نے واقعی انہیں کو دیکھا تھا۔ عارضی اور مثالی بدن کے حلیے اور نقشے اس طرح بیان نہیں کیے جاتے اور انبیاء سابقین کا اپنے اصلی اجساد سے یہاں آنا محدثین کے ہاں کوئی امر ممنوع نہیں ہے، وہ برابر اس احتمال کو جگہ دیتے ہیں۔ (۲)

۱۔ مسلم: ۱/ ۹۵

۲۔ فتح الباری، کتاب مناقب الانصار، باب، حدیث الاسراء: ۷/ ۲۱۷

بخاری کی ایک اور روایت میں ہے:

اَمَّا مُوسیٰ کَاَنِّیۡ اَنۡظُرُ اِلَیۡہِ اِذَا انۡحَدَرَ فِی الۡوَادِیۡ یُلَبِّیۡ (۱)

''گویا میں موسیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ آپ وادی میں اتر کر لبیک کہہ رہے ہیں۔''

یہ لبیک کہنا عمرہ اور حج کے اعمال میں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اعمال کی زمین یہ دنیوی زمین ہی ہے۔ حمد و ثناء کے نغمے تو جنت میں بھی ہوں گے لیکن طواف عمرہ اور لبیک حج کعبہ کے سوا اور کہیں نہیں۔ اور حج عرفات کے سوا اور کہیں نہیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اس برزخی زندگی میں بعض اعمال برابر جاری ہیں اور ان کی خبر ہمیں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ انبیاء علیہم السلام گو اپنی قبر کی زندگی میں ہیں لیکن اس کی وسعت انہیں ان اعمال کی انجام دہی میں مانع نہیں ہے۔

حضرت ملا علی القاریؒ حدیث ''فانا موسیٰ قائم یصلی فی قبرہ'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

﴿فان حقیقة الصلوٰة وهی الاتیان بالافعال المختلفة انّما تکون بالاشباح لا بالا رواح فقط﴾ (۲)

''نماز کی شرعی حقیقت مختلف افعال کو عمل میں لانا ہے، اور اعمال بجالانا ابدان سے ہوتا ہے ارواح سے نہیں ہوتا۔''

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا یونس علیہ السلام کے وفات کے بعد حج کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلۡاَنۡبِیَاءُ اَحۡیَاءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ فَلَا مَانِعَ اَنۡ یَّحُجُّوۡنَ، قَالَ الۡقُرۡطُبِیُّ حُبِّبَتۡ اِلَیۡہِمُ الۡعِبَادَۃُ فَھُمۡ یَتَعَبَّدُوۡنَ بِمَا یَجِدُوۡنَ مِنۡ دَوَاعِیۡ اَنۡفُسِہِمۡ (۳)

۱۔ بخاری، کتاب المناسک، باب الاهلال مستقبل القبلة: ۱/۲۱۰

۲۔ مرقات شرح مشکوٰة: ۱۱/۱۵۷

۳۔ فتح الملهم: ۱/۳۳۰

''انبیاء علیہم السلام اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں، انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔ یہ بات ناممکن نہیں کہ وہ حج بھی کرتے ہوں۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ عبادت کی محنت ان کے دلوں میں ڈال دی گئی ہے اوراب وہ اپنے داعیۂ نفس سے اپنے اللہ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔''

امام العصر علامہ انورشاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَعْمَالِ قَدْ ثَبَتَتْ فِي الْقُبُورِ كَالْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ عِنْدَ الدَّارِمِيِّ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ﴾ (۱)

''بہت سے اعمال قبروں میں بھی ثابت ہیں جیسے سنن دارمی کی روایت میں قبر میں اذان اور اقامت کا ہونا اور ترمذی کی روایت قبر میں سے قرأۃ القرآن کی آواز کا سنائی دینا۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال اور املاک باقی ہیں:

موت کے بعد انبیاء علیہم السلام کے جہاں ابدان محفوظ رکھے گئے تو وہاں ان کے اموال بھی تقسیم نہ ہوئے۔ ان کا تصرف وہی رہا جو ان کی زندگیوں میں تھا۔ جس طرح کوئی شخص اپنی زندگی میں مال صدقہ کرے تو اس کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا ہے اسی طرح انبیاء کا مال ان کے اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد صدقہ کیا جائے تو وہ ان کا اپنا صدقہ شمار ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کا سلسلۂ عمل اس دنیا سے کٹا نہیں، اس لیے ان کے اموال ان کی اپنی ملک ہی میں باقی رہیں گے۔ جب وفات کے بعد ان کے اموال ان کی ملک میں باقی رہتے ہیں لہٰذا ان کی نہ توریث ہوگی اور نہ تملیک۔

اسی طرح ان کی ازواج کی زوجیت بھی قائم رہے گی۔ عدت وفات سے ان کے نکاح کا خاتمہ نہ ہوگا۔ یہ امت کا متفقہ فیصلہ ہے۔

۱۔ فیض الباری، کتاب العلم، باب من أجاب الفتیا: ۱/ ۱۸۳

لَاعِدَّةَ عَلٰی اَزْوَاجِهٖ لِاَنَّهٗ حَیٌّ فَتَزَوَّجُهُنَّ بَاقِیَةٌ (۱)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سرکار دو عالم ﷺ کے مقام حیات کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''آپ ﷺ زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی حیات بہت قوی ہے جو کہ دوسروں کو حاصل نہیں۔ ان کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیویوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں۔ اور سب کی بیویوں سے بعد خاوند کے وفات کے شادی کرنا جائز ہے حتیٰ کہ شہداء کی حیات بعد شہید ہونے کے اموات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھا سکتی، مگر ان کی بھی بیویوں سے بعد مرجانے کے نکاح جائز ہے۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے۔ حدیث ابن ماجہ میں ہے ''ان نبی اللّٰہ حی یرزق'' (۲)

سرکار دو عالم ﷺ کی حیات قبریہ:

(۱) پہلی حدیث:

سرکار دو عالم ﷺ اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اجساد بھی قبروں میں سلامت ہیں۔ چنانچہ سیدنا شداد بن اوسؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمُ الْجُمُعَةِ، فِیْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِیْهِ النَّفْخَةُ، وَ فِیْهِ الصَّعِقَةُ، فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِیْهِ، فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَیَّ، قَالَ: قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!

۱۔ زرقانی علیٰ المواهب: ۵ / ۳۳۲، مرقات: ۱۱ / ۲۵۶

۲۔ تعظیم الشعائر: ۱۸

وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتَنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتُ، قَالَ يَقُوْلُوْنَ بَلَيْتَ، فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ(۱)

''تمام دنوں سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اسی روز آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی روز انہوں نے انتقال فرمایا، اسی روز صور پھونکا جائے گا اور اسی روز قیامت کی بیہوشی ہوگی، لہٰذا تم اس روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! ہمارا صلوٰۃ وسلام آپ پر کیسے پیش ہوگا حالانکہ آپ کا جسد اطہر تو بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا۔ آپ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ

''بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام قرار دیا ہے۔''

اس حدیث کو قریباً تمام محدثین نے صحیح کہا ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

﴿رَوَيْنَا فِيْ سُنَنِ اَبِيْ دَاؤُدَ وَالنِّسَائِيْ وَابْنُ مَاجَهْ بِالْاَ

۱۔ سنن ابی داؤد: ۱/ ۵۰، ۲۱۴، ابن ماجه، کتاب ابواب ماجاء فی الجنائز، باب ذکر وفاته ودفنه ۷۷/۱۱۹، رقم الحدیث: ۱۰۸۵، ۱۶۳۶، سنن نسائی، کتاب الجمعه، باب ذکر فضل یوم الجمعة: ۱/ ۱۵۴، رقم الحدیث: ۱۳۷۴، سنن دارمی: ص ۱۹۵، رقم الحدیث: ۱۵۷۲، مستدرک حاکم: ۱/ ۲۷۸، ۴/ ۵۲۰، رقم الحدیث: ۸۶۸۱، مسند احمد بن حنبل: ۴/ ۸، صحیح ابن حبان: ۳/ ۱۹۱، صحیح ابن خزیمه: ۳/ ۱۱، سنن کبریٰ بیهقی: ۳/ ۲۴۸ رقم الحدیث: ۵۷۸۹، نیل الاوطار: ۳/ ۲۱۰، جلاء الافهام لابن قیم: ص ۳۵، کتاب الاذکار نووی: ص ۵۴

سَانِيدِ الصَّحِيحَةِ عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ....﴾(۱)

''ہمیں سنن ابی داؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں صحیح سند کے ساتھ اوس بن اوسؓ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا............''

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ:

﴿قَدْ صَحَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ اِبْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حَبَّانَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالنَّوَوِيُّ فِي الْاَذْكَارِ﴾(۲)

اس حدیث کو ابن خزیمہ، ابن حبان، دارقطنی اور نووی نے الاذکار میں صحیح کہا ہے۔

محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

﴿فَاِنَّهُ صَحَّ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ: اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَأْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ﴾ (۳)

''جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:'' اللہ عزوجل نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کا کھانا حرام کردیا ہے۔

اس حدیث میں مندرجہ ذیل امور کو ذہن میں رکھیں:

۱۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر کثرت سے صلوٰۃ پڑھا کرو ''فَاِنَّ صَلٰوتُكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ'' تمہارا صلوٰۃ وسلام مجھ پر پیش ہوتا ہے۔

۲۔ صحابہ کرامؓ کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ صلوٰۃ کا پیش ہونا تو جسد مع الروح کا خاصہ ہے اور اس وقت نبی اکرم ﷺ ہمارے سامنے موجود ہیں،

۱۔ الاذکار: ص ۱۷۸

۲۔ ابن کثیر: ۳/ ۵۱۴

۳۔ خزائن الاسرار: ص ۱۹

لیکن جب آپ انتقال کے بعد قبر مبارک میں تشریف لے جائیں گے اور آپ کا جسد اطہر اور لوگوں کی طرح مٹی میں گھل جائے گا۔ اس وقت آپ ﷺ پر صلوٰۃ کیسے پیش ہوگی؟ کیونکہ اس وقت تو صرف آپ ﷺ کی روح ہوگی، جسم ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو ریزہ ریزہ کر دے، لہٰذا جس طرح اب مجھ پر تمہارا درود پیش ہوتا ہے، انتقال کے بعد بھی اسی طرح پیش ہوگا۔ اگر صرف اعمال کے پیش ہونے کے لیے جسم کا محفوظ ہونا ضروری نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے کہ تمہیں میرے جسم سے کیا غرض، تمہارا صلوٰۃ وسلام تو میری روح پر پیش ہوگا۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ جسم محفوظ ہونے سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ بھی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جسم کے محفوظ ہونے سے اس کی ایسی محفوظیت مراد ہے جس پر صلوٰۃ وسلام پیش ہو سکے اور اسے اس کا شعور بھی ہو اور شعور ہونے کے لیے جسد کے ساتھ روح کا تعلق ضروری ہے کیونکہ جسم اور روح کے تعلق کے بغیر کسی شی کا شعور حاصل نہیں ہوسکتا۔ روح اور جسم کے اس تعلق کا نام ہی ''حیات'' ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے جسم محفوظ ہونے سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم اپنی قبروں میں بے حس وشعور پڑے ہیں کیونکہ اگر اس سے نبی اکرم ﷺ کی مراد یہ ہوتو پھر صحابہ کرامؓ کے سوال اور آپ ﷺ کے جواب میں کوئی ربط اور مناسبت نہیں رہتی۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ نے اس حدیث سے یہی استدلال کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

﴿وَهٰذِهِ الْاَحَادِيْثُ فِيْهَا مَشْرُوْعِيَّةُ الْاِكْثَارِ مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاَنَّهَا تُعْرَضُ عَلَيْهِ ﷺ وَاَنَّهُ حَيٌّ فِيْ قَبْرِهٖ﴾ (۱)

''ان احادیث میں جمعہ کے روز نبی اکرم ﷺ پر کثرت سے

۱۔ عون المعبود: ۱/ ۴۰۵، نیل الاوطار للشوکانی: ۳/ ۲۶۴

درود پڑھنے کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ (انتقال کے بعد بھی) آپ پر درود پیش ہوتا ہے، اور یہ کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔''

علامہ عظیم آبادیؒ نے مزید لکھا ہے کہ:

''محققین کی ایک جماعت کا یہ مسلک ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر شریف میں وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی نیکیوں سے (جب کہ وہ آپ کی خدمت میں پیش ہوتی ہیں) خوش ہوتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کے جسم مٹی میں گھلتے نہیں (اور ان کے اجسام کو سماع اور شعور حاصل ہوتا ہے، جماد محض نہیں ہوتے) اور مطلق ادراک، علم اور سماع تو تمام مردوں کے لیے ثابت ہے (جیسا کہ حدیث میں آتا ہے اور مولف نے دو تین احادیث بھی نقل کی ہیں) اور شہداء کے بارے میں تو قرآن حکیم میں آتا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے، اور ان میں حیات جسمانی ہوتی ہے (جب شہداء کا یہ معاملہ ہے تو) انبیاء اور مرسلین کی حیات کا کیا حال ہوگا؟ حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ اس کو منذری نے روایت کیا ہے اور امام بیہقیؒ نے صحیح کہا ہے۔'' (۱)

ایسا ہی حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ نے ابوداؤد کی شرح بذل المجہود میں لکھا ہے۔ (۲)

اس بارے میں علامہ تاج الدین سبکیؒ فرماتے ہیں:

﴿لِاَنَّ عِنْدَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَیٌّ یُحِسُّ وَیَعْلَمُ

۱۔ عون المعبود: ۱ / ۳۰۵

۲۔ ملاحظہ ہو بذل المجہود: جلد ۲ ص ۱۶۰

وَتُعرَضُ عَلَيهِ اَعمَالَ الاُمَّةِ وَيُبلُغُ الصَّلٰوةَ وَالسَّلامَ كَمَا بَيَّنا﴾ (١)

''ہمارے نزدیک جناب رسول اللہ ﷺ (اپنی قبر مبارک میں) زندہ ہیں۔ آپ صفت حس اور علم وغیرہ سے موصوف ہیں اور آپ پر اپنی امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور امت کا صلوٰۃ وسلام بھی آپ کو پہنچایا جاتا ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔''

اس ضمن میں حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے اور وہ قریب سے صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں جبکہ دور سے انہیں پہنچایا جاتا ہے۔ رسائل ابن تیمیہ، الکلام فی مناسک الحج: ۱۶/ ۲۹۱

اور سرکار دو عالم ﷺ کا جسد اطہر بالکل تر و تازہ روضۂ اقدس میں ہے۔ جب پوچھا گیا کہ وفات کے بعد آپ پر صلوٰۃ وسلام کیسے پیش ہوگا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے روضۂ اقدس کے ساتھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو آپ کو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں، اور آپ کے بدن اور روح کا آپ کی قبر شریف میں کچھ ایسا قوی اتصال ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔ (وَلَهَا اِتِّصَالٌ فِي الْقَبرِ وَاِشرَافٌ عَلَيهِ وَتَعَلَّقَ بِحَيثُ يَصَلِّيْ فِيْ قَبرِهِ وِ يُرَدُّ سَلامُ مَنْ سَلَّمَ عَلَيهِ وَهِيَ فِي الرَّفِيقِ الاَعْلىٰ) (٢)

دوسری حدیث:

سیدنا ابو الدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَكثِرُوْ الصَّلاةَ عَلَيَّ يَوْمُ الْجُمْعَةِ، فَاِنَّهُ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُ

١۔ طبقات الشافعيه: ٦/ ٨٢

٢۔ زاد المعاد: ١/ ٤٩

اَلْمَلَائِکَۃُ، وَاَنَّ اَحَدًا لَنْ یُّصَلِّیَ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلَاتُہٗ حَتّٰی یَفْرَغَ مِنْھَا﴾

''جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ اس روز فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اور کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ اس کے فارغ ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے۔''

جب سرکار دوعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تو سیدنا ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ ''یا رسول اللہ! کیا آپ کی وفات کے بعد بھی آپ پر درود پیش ہوتا رہے گا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، وفات کے بعد بھی اسی طرح پیش ہوتا رہے گا کیونکہ

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ، فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔''(۱)

اس حدیث میں پہلی حدیث سے زیادہ وضاحت ہے کیونکہ اس میں سیدنا ابوالدرداءؓ کے شبہ کہ صلوٰۃ وسلام کا آپ پر پیش ہونا آپ کی ظاہری حیات تک مختص ہے، کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے کیونکہ کھایا مردہ چیز کو جاتا ہے اور اللہ کے نبی زندہ ہوتے ہیں اور انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے کیونکہ ان کی حیات جسدی حیات ہوتی ہے۔

اس حدیث کو بھی جلیل القدر ائمہ حدیث نے صحیح کہا ہے جن میں حافظ ابن حجرؒ، حافظ ابن قیمؒ، ملا علی القاریؒ اور قاضی شوکانی قابل ذکر ہیں۔ غیر مقلدین کے نزدیک بھی

۱۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹، فیض القدیر: ۲ / ۸۷، جلاء الافہام: ص ۶۳، البدایہ والنہایہ: ۴ / ۲۵۸، تہذیب الکمال، مزی: ۱۰ / ۲۳، نیل الاوطار: ۳ / ۳۰۴، القول البدیع: ص ۱۵۸، شفاء السقام: ص ۶۳، مشکوٰۃ: ۱ / ۳۹۲، تفسیر ابن کثیر: ۳ / ۵۱۴

یہ روایت سند جید کے ساتھ مروی ہے۔ (۱)

تیسری حدیث:

انبیاء علیہم السلام کو قبروں میں نہ صرف رزق دیا جاتا ہے بلکہ وہ اپنی قبروں میں نماز بھی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ﴾

''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔'' (۲)

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی روح مبارک آپ کے جسم سے جدا نہیں ہے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔''

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف یہی نہیں فرمایا کہ ''اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ'' یعنی انبیاء زندہ ہیں کیونکہ شبہ ہوسکتا تھا کہ انبیاء علیہم کی روحانی زندگی کو بیان کیا جا رہا ہے، بلکہ ''فی قبورھم'' اور ''یصلون'' کے الفاظ فرما کر ان کی حیات جسمانی کو واضح فرما دیا۔ ''فی قبور ھم'' کے الفاظ سے اس بات کی وضاحت فرما دی کہ محل حیات وہی ہے جس کو قبر میں رکھا جاتا ہے، اور قبر میں چونکہ جسم کو رکھا جاتا ہے لہٰذا محل حیات جسم

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عون المعبود: ۱ / ۴۰۵، نیل الاوطار، باب فی الجنائز: ۳ / ۲۶۴

۲۔ حیاۃ الانبیاء بیھقی: ۸، مسند ابی یعلی موصلی: ۳/ ۳۷۹، جمع الفوائد، کتاب المناقب، باب من صفاتہ وسفرہ و خاتم النبیین: ۲ / ۱۷۹، مجمع الزوائد: ۸ / ۲۱۱، فیض القدیر، مناوی: ۵ / ۴۶۷، رقم الحدیث: ۷۹۸۶، المواھب اللدنیہ: ۴ / ۵۸۷، زرقانی شرح المؤطا، باب العمل فی السلام: ۴ / ۳۵۷، فتح الباری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ: ۶ / ۴۸۷

ہے۔ پھر "یصلون" کے الفاظ فرما کر حیات جسمانی کو اور زیادہ واضح فرما دیا کیونکہ نماز پڑھنا جسم کا کام ہے صرف روح کا کام نہیں۔

چنانچہ علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

﴿اَلصَّلٰوۃُ تَسۡتَدۡعِیۡ جَسَدًا حَیًّا﴾ (۱)

"نماز زندہ جسم کی مقتضی ہے۔"

پھر لسان نبوت نے "اَلۡاَنۡبِیَاءُ اَحۡیَاءٌ فِیۡ قُبُوۡرِھِمۡ" کو جملہ اسمیہ کے طور پر بیان فرمایا تا کہ اس شبہ کا ازالہ ہو جائے کہ شاید انبیاء کی حیات فی البرزخ وقتی ہے جیسا کہ عام مردوں کی ہوتی ہے اور استمراری اور دوامی نہ ہو۔ جملہ اسمیہ چونکہ دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ قبر میں انبیاء کی حیات وقتی نہیں بلکہ دوامی ہے۔ جیسا کہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے۔ (۲)

اس حدیث میں انبیاء کی حیات کو "یُصَلُّوۡنَ" سے جوڑا گیا ہے۔ نماز ذکر لسانی اور چند جسمانی حرکات چاہتی ہے جن کا تعلق جسد سے ہے۔ معلوم ہوا انبیاء کی روحانی حیات کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان کی جسمانی حیات کا ذکر ہے جس کا قوی قرینہ ان کا نمازیں پڑھنا ہے۔ پتہ چلا وہ بایں معنی حیات ہیں کہ ان کے اعمال طاعت جاری ہیں۔

علامہ انور شاہؒ فرماتے ہیں:

﴿یُرِیۡدُ بِقَوۡلِہِ الۡاَنۡبِیَاءِ اَحۡیَاءٌ مَجۡمُوۡعٌ اَلۡاَشۡخَاصُ لَا الۡاَرۡوَاحُ فَقَطۡ﴾ (۳)

"انبیاء کے احیاء سے جسد اور روح کا مجموع اشخاص مراد ہے نہ کہ صرف ارواح۔"

۱۔ سنن نسائی، کتاب البیعة من المجتبیٰ، النصیحة للامام: ۱/ ۱۸۵، تعلیقه، شفاء السقام: ص ۱۴۳

۲۔ کتاب فضائل صحابه، باب لو کنت متخذاً خلیلاً اتحذت ابوبکرؓ خلیلاً: ۷/ ۲۲

۳۔ تحیة الاسلام: ص ۳۶

ایک اور کتاب میں امام العصر علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

﴿اَرَادَهُ بِالْحَيَاةِ فِعْلُ الْاَعْمَالِ وَاَكْثَرَ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ فِي الْعُطْلَةِ بِخَلَافِ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾(۱)

''حیات سے آپ کی مراد اعمال کا جاری رہنا ہے۔ (جو بدون جسد تقوم نہیں پاتے) اور اکثر اہل قبور بے کار پڑے ہیں، لیکن مقربین بارگاہ ایزدی کی یہ حالت نہیں۔''

اگرچہ انبیاء علیہم السلام کے یہ اعمال ہمیں نظر نہیں آتے لیکن ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ زندگی پردے میں ہے اور ہم اس دنیا میں ہیں۔ اس جہان میں رہتے ہوئے ہم اس جہان کے حالات کو دیکھ نہیں پاتے، نہ اس جہان کی آوازیں سن سکتے ہیں، لیکن بایں ہمہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور جس طرح ہم "یومنون بالغیب" کے تحت عالم غیب کی بہت سی حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہیں ان احوال قبر پر بھی ہم ایمان لاتے ہیں۔ علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ كَثِيْرًا مِنَ الْاَعْمَالِ قَدْ ثَبَتَ فِي الْقُبُوْرِ كَالْآذَانِ وَالْاِقَامَةِ عِنْدَ الدَّارِمِيِّ وَقِرَأَةُ الْقُرْآنِ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ﴾(۲)

''قبروں میں احادیث کی رو سے بہت سے اعمال ثابت ہیں جیسے اذان اور اقامت کہ ان کا ذکر سنن دارمی میں ہے اور قرأۃ قرآن کا ثبوت جامع ترمذی میں ہے۔''

صرف نماز ہی نہیں جو ایک جگہ ادا ہوتی ہے بلکہ انبیاء تو عالم برزخ میں حج تک کرتے ہیں۔ اور دیکھنے والا انہیں کہیں چلتے پھرتے نہیں دیکھتا بلکہ وہ یہی محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں استراحت فرما رہے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ اَفْضَلُ مِنَ الشُّهَدَاءِ، وَالشُّهَدَاءُ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ، فَكَذَالِكَ الْاَنْبِيَاءُ فَلَا يَبْعُدُ اَنْ يُّصَلُّوْا وَيَحُجُّوْا

۱۔ فیض الباری، کتاب العلم، باب من أجاب الفتیا: ۱ / ۱۸۳

۲۔ فیض الباری: ۱/ ۱۸۳

وَيَتَقَرَّبُوْا إِلَى اللّٰهِ بِمَا اسْتَطَاعُوْا مَادَامَتِ الدُّنْيَا وَهِيَ دَارَ تَكْلِيْفٍ بَاقِيَةٍ ﴾(۱)

''انبیاء کرام علیہم السلام شہداء سے افضل ہیں، اور شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں، یہ کوئی امر بعید نہیں کہ وہ نمازیں بھی پڑھتے ہوں اور حج بھی کرتے ہوں اور جہاں تک ہو سکے اللہ رب العزت کے قرب میں اور بڑھتے رہیں جب تک یہ عمل کی دنیا باقی ہے۔''

سیدنا انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر معراج کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿مَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى وَهُوَ يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ﴾

''میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔''(۲)

سیدنا انس بن مالکؓ ہی کی ایک اور روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

﴿مَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْأَحْمَرِ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ﴾

''میں معراج کی رات سرخ وادی میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔''(۳)

اس حدیث میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں زندہ ہونا اور نمازیں پڑھنا

۱۔ فتح الباری، کتاب الأتصام بالکتاب والنسه: ۱۳ / ۲۴۵

۲۔ مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۵، مسندا حمد، روایت حضرت انس: ۳/ ۱۲۰، نسائی: ۱/ ۴۱۹، ابن حبان: ۱/ ۲۴۱، مسند ابی یعلی: ۷/ ۱۲۷

۳۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل موسیٰؑ: ۲/ ۲۶۸، مسند احمد، حدیث عبداللہؓ: ۳/ ۱۴۸، دلائل النبوۃ بیہقی: ۲/ ۳۷۸، القول البدیع، سخاوی: ص ۱۶۸، شفاء السقام: ص ۱۳۷

صراحت کے ساتھ آیا ہے، اور قرآن کریم میں بھی ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَائِهِ﴾ (۱)

''ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، پس ان کی ملاقات میں کسی قسم کا شک نہ کریں۔''

یعنی آپ جو شب معراج میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ملے تھے وہ امر واقع اور سچ ہے، یہ کوئی خواب یا مثالی وجود یا روح کی ملاقات نہ تھی۔ آپ یقیناً صاحب تورات موسیٰ علیہ السلام سے ملے تھے۔ یہ ان کا مثالی وجود نہ تھا اور نہ ہی وہاں روح متمثل ہوئی تھی بلکہ موسیٰ علیہ السلام خود تھے جن کا جسم عنصری تھا۔ انہی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج میں دیکھا تھا۔ اس موسیٰ کی ملاقات میں ہرگز شک نہ کریں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام وغیرہ کے رنگوں اور بالوں کا ذکر بھی فرمایا۔ (۲)

مسلم ہی کی ایک اور حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى مُوسَى هَابِطاً مِنَ الثَّنِيَّةِ، وَلَهُ جُؤَارٌ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى بِالتَّلْبِيَةِ﴾ (۳)

انبیاء علیہم السلام کی اس حیات اور ان کے نمازیں پڑھنے اور حج وغیرہ کرنے کے بارے میں حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں۔

﴿أَنَّهُ لَمْ يَقُلْ أَحَدٌ أَنَّ قُبُورَهُمْ خَالِيَةٌ عَنْ أَجْسَادِهِمْ، وَأَرْوَاحِهِمْ غَيْرَ مُتَعَلِّقَةٍ بِأَجْسَامِهِمْ، لِئَلَّا يَسْمَعُوا سَلَامَ مَنْ يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ، وَكَذَا وَرَدَ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ يُلَبُّوْنَ وَيَحُجُّوْنَ، فَنَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم أَوْلَى بِهَذِهِ الْكَرَامَاتِ﴾ (٤)

۱۔ سجدہ: ۲۳

۲۔ مسلم رقم الحدیث: ۱۶۵، دلائل النبوۃ بیہقی: ۲/ ۳۸٦

۳۔ مسلم: ۱/ ۱۵۲، تہذیب الاسماء والصفات، نووی، ۲/ ۴۲۰

٤۔ مجمع الوسائل فی شرح الشمائل: ۲/ ۳۰۰

''بے شک کسی شخص نے یہ نہیں کہا کہ ان کی قبریں ان کے جسموں سے خالی ہیں اور ان کی ارواح کا ان کے اجسام سے کوئی تعلق نہیں اور جو کوئی ان پر سلام وصلوٰۃ پیش کرتا ہے وہ اسے نہیں سنتے۔ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ایسا ہی آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تلبیہ کہتے ہیں، اور وہ حج کرتے ہیں، اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تو یہ سب کرامات بدرجہ اولیٰ ثابت ہیں۔''

امام العصر علامہ انور شاہ کاشمیریؒ انبیاء کی حیات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ روحانی نہیں بلکہ جسمانی ہے، روحانی حیات تو کافروں کو بھی حاصل ہے، پھر اس میں شہداء اور انبیاء علیہم السلام کا امتیاز کیا رہا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

﴿وَاعْلَمْ أَنَّهُ قَدْ تَكَلَّمْنَا مَرَّةً فِيْ مَعْنَى حَيَاةِ الشُّهَدَاءِ وَالْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامَ، وَحَاصِلُهُ أَنَّ الْحَيَاةَ بِمَعْنَى أَفْعَالِ الْحَيَاةِ، وَإِلَّا فَالْأَرْوَاحُ كُلُّهَا أَحْيَاءٌ وَلَوْ كَانَتْ أَرْوَاحُ الْكُفَّارِ﴾

''جان لو! ہم پہلے شہداء اور انبیاء کی زندگیوں کے بارے میں بحث کر چکے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی حیات کا مطلب یہ ہے کہ وہ زندوں جیسے افعال بجا لاتے ہیں، اور جہاں تک ارواح کا تعلق ہے تو وہ تو تمام (برزخ میں) زندہ ہیں اگرچہ وہ کفار کی ارواح ہی کیوں نہ ہوں۔''(۱)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اگر حیات عنصری تسلیم بھی کر لی جائے تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا اس معراج کی رات بیت المقدس میں اپنے اجساد عنصریہ سے حاضر ہونا اور پھر ملاء اعلیٰ میں اجسام عنصریہ سے پہنچنا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری کے

۱۔ فیض الباری، کتاب الجهاد، باب رفع الصوت: ۳/ ۴۵۲

ساتھ دوسرے آسمان سے بیت المقدس میں آنا اگرچہ قرین قیاس ہے تو دوسرے انبیاء کا اپنی اپنی قبروں سے وہاں پہنچنا کیوں قرین قیاس نہیں ہے؟ پھر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری سے ملاء اعلیٰ میں پہنچنا اگر محال نہیں تو باقی تمام انبیاء علیہم السلام کے اجساد مطہرہ کے ساتھ وہاں پہنچنے میں کون سا استبعاد ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ اس رات انبیائے کرام علیہم السلام کا اصل اجساد عنصریہ کے ساتھ بیت المقدس میں حاضر ہونا، اس سے لازم آتا ہے کہ ان کی قبریں کھلیں، اور ایسا ہونا قرآنی آیت ''اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ'' کے خلاف ہے۔ یہ قبریں صرف قیامت کو اکھاڑی جائیں گی اس سے قبل ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ پھر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا معراج کی رات بیت المقدس میں آنا قرآن وسنت کی ان نصوص کے کیوں خلاف نہیں جن میں ان کا قیامت کے قریب آنا مذکور ہے۔ اذا القبور بعثرت وغیرہ آیات میں قبروں کی جس اکھاڑ کی خبر دی گئی ہے وہ وہ اکھاڑ ہے جو حساب وکتاب اور حشر اجساد کے لیے ہوگی، اور ظاہر ہے کہ لیلۃ المعراج میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی قبروں سے نکل کر بیت المقدس پہنچنا ان مقاصد کے لیے نہ تھا۔ علاوہ ازیں معترض کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ اس رات وہ قبریں نہیں کھلی تھیں۔ رات کا وقت تھا، کون وہاں دیکھ رہا تھا جو یہ کہے کہ وہ قبریں نہیں کھلی تھیں۔ پھر اگر یہ کہا جائے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں سے اصل اجسام عنصریہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے تو کیا اتنا عرصہ وہ اپنی اپنی قبروں سے علیحدہ رہے تھے؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگر رات کے مختصر لمحات میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے ہوکر واپس آسکتے ہیں اور اس کا پتہ کسی کو نہیں چلتا۔ بستر بھی گرم رہتا ہے تو باقی انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں سے ایک نہایت مختصر لمحے کے لیے چلے جاتے ہیں، اور اس طرح چلے جانے میں کسی کو اس کا پتہ نہ چلے، تو اس سے کون سا استحالہ لازم آتا ہے اور کون سا شرعی اصول پامال ہوتا ہے۔ انبیائے کرام اگر اس رات اپنے اجسام عنصریہ سے حاضر تھے تو یہ ضروری نہیں کہ اس حاضری کے تحقق کے لیے جو اسباب کارفرما ہوں وہ بھی سب مادی ہوں۔ جہاتِ مختلفہ یہاں ممکن نہیں۔ ان نفوس قدسیہ کی مذکورہ حاضری کے لیے جو اسباب عمل میں آئے وہ

روحانی تھے مادی نہ تھے۔ لہٰذا روحانی طریق سے قبروں کا کھلنا اور پھر بند ہونا کوئی امر محال نہیں ہے، اور ایسے موقعوں پر بسا اوقات زمان و مکان کی وسعتیں لپیٹ دی جاتی ہیں۔

بایں ہمہ اگر یہ سب انکشافات حقیقت پر مبنی نہ ہوں۔ وادیٔ ازرق، ثنیۃ ہرشیٰ اور وادی عسفان کی یہ ملاقاتیں یا معراج کی رات انبیائے کرام علیہم السلام کا بیت المقدس میں اجتماع اور ملاء اعلیٰ کے مذاکرات، یہ سب امور ابدان مثالیہ سے متعلق ہوں اور یہ سب مشاہدات عالم مثال کے قرار دیئے جائیں تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا یہ بھی ایک عالم مثال ہی کا واقعہ تھا۔ یہ ذہن میں رہے کہ انبیائے کرامؑ کو اپنی اپنی قبور میں جو حیات حاصل ہے وہ عنصری اور جسمانی ہے نیز یہ کہ وہ تلذذاً مصروف عبادت ہیں۔ ان کی یہ عبادت بطور فرض یا واجب کے ادا کرنے کے نہیں بلکہ لذت پذیری کے لیے ہے اور اس عبادت سے انہیں قربت الٰہی میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور ان کی روحیں اور زیادہ منور، روشن تر اور قرب الٰہی سے اور زیادہ متمتع ہوتی ہیں۔

اور جہاں تک ان کے حج اور عمرہ کرنے کا تعلق ہے، اس کے لیے عرض ہے کہ وہ اپنے اجساد مثالی کے ساتھ حج و عمرہ کرتے ہیں۔ اجساد مثالی کا دوسرا نام ''ارواح متجسدہ'' ہے یعنی ان کی روحیں متمثل اور متجسد ہو کر جسم مثالی کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام پر جاتی ہیں اور ان کے اصلی اور حقیقی اجساد کبھی بھی ان کی قبروں سے غائب نہیں ہوتے بلکہ اپنی قبروں میں ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں۔ یہی کیفیت سرکار دو عالم ﷺ کی ہے۔ آپ مثالی طور پر جہاں بھی تشریف لے جائیں، ان کے لیے ممکن ہے۔ اولیائے کرامؒ اور عارفین امتؒ اگر کھلی آنکھ سے بھی آپ ﷺ کی زیارت کر رہے ہوں خواہ ایسا ستر مقامات پر ایک ہی وقت میں کیوں نہ ہو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کی قبر مبارک آپ کے جسد اطہر سے خالی ہوگئی۔ باہر جو کچھ ہوتا ہے یہ آپ کے جسد مثالی کی کرامات ہیں جب کہ جسد حقیقی اپنی پوری تروتازگی اور شان بان کے ساتھ روضۂ اقدس میں محو استراحت رہتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ انبیائے کرام کے اجساد تو اپنی اپنی قبروں میں استقرار پذیر ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انہیں معراج کی رات آسمانوں پر دیکھنا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ان کی ارواح قدسیہ اس رات متجسد کر دی گئی تھیں یا ان کے اجساد ہی (ان کی قبور سے) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف اور تکریم کے لیے لاکر حاضر کر دیئے گئے تھے اور اس دوسری صورت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول اور مروی ہے۔" (۱)

امت کے سلام کا جواب دینا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَامِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ﴾

"کوئی شخص ایسا نہیں کہ وہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ میری روح کو لوٹا دے گا یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔" (یعنی وعلیک السلام کہوں) (۲)

ابو نعیم رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے اس مضمون ایک اور روایت ان الفاظ میں نقل

۱۔ فتح الباری، کتاب مناقب الانصار، باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحبه من المشرکین بمکة: ۷ / ۱۶۶

۲۔ ابو داؤد، کتاب المناسک، باب زیادۃ القبور: ۱ / ۲۷۹، مسند احمد، الفصل الثالث فی انواع الصدقة فیه فروع: ۲ / ۵۲۷، سنن کبریٰ بیهقی: ۵ / ۲۴۵، مجمع الزوائد: ۱۰ / ۱۶۲، فتح الباری، کتاب الجزیه والموادعة، باب الوصاۃ بافعل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم: ۶ / ۲۶۷، نیل الاوطار: ۵ / ۱۸۰، المغنی لابن قدامه: ۳ / ۲۹۷، زرقانی شرح المؤطا: ۴ / ۳۵۷، القول البدیع، سخاوی ص ۱۵۴

کی ہے:

﴿مَامِنْ مُسْلِمٍ سَلَّمَ عَلَيَّ فِيْ شَرْقٍ وَلَا غَرْبٍ اِلَّا اَنَا وَمَلَائِكَةُ رَبِّيْ نَرُدُّ عَلَيْهِ السَّلَامَ﴾

''مشرق و مغرب کا کوئی مسلمان بھی جو مجھ پر سلام بھیجتا ہے، میں اور میرے رب کے فرشتے اس کے بھیجے ہوئے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ (یعنی وعلیک السلام کہتے ہیں)۔''

حافظ ابن قدامہ نے اس روایت میں ''عند قبری'' کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں یعنی

﴿مَامِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ﴾(۱)

معلوم ہوا کہ جو شخص سرکار دو عالم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس سلام کہتا ہے آپ ﷺ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں بلکہ دور سے پڑھنے والوں کا سلام بھی فرشتے آپ کو پہنچاتے ہیں۔ اور روح اقدس کی کچھ جہات ان کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ آفتاب کی کروڑوں کرنیں زمین پر جلوہ ریز ہوں اسے تو نہایت آسانی سے تسلیم کر لیا جاتا ہے کیونکہ یہ عام ہے لیکن روح اقدس کی کروڑوں روحانی کرنوں کا تسلیم کرنا بعض حضرات کے لیے سوہان روح بن جاتا ہے۔ کیونکہ یہ جلوے برزخ میں ہونے کی وجہ سے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

﴿وَاتَّفَقَ الْاَئِمَّةُ عَلٰى اَنَّهٗ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ عِنْدَ زِيَارَتِهٖ وَعَلٰى صَاحِبَيْهِ لِمَا فِي السُّنَنِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: مَامِنْ مُسْلِمٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ﴾(۲)

''اس بات پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی قبر کی زیارت کے وقت آپ پر اور آپ کے دونوں ساتھیوں (سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ) پر سلام عرض کیا جائے، کیونکہ سنن میں سیدنا

۱۔ المغنی: ۳/۲۹۷

۲۔ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۴/۳۶۱

ابوہریرہؓ سے مروی ہے اور وہ اسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جب بھی کوئی مسلمان مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے۔ طبرانی اور بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔''

علامہ عزیزی نے ''روحی'' سے مراد ''نطقی'' لیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں

﴿اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ اَیْ رَدًّا للّٰہُ عَلَیَّ نُطْقِیْ لِاَنَّہٗ حَیٌّ دَائِمًا وَرُوْحُہٗ لَا تُفَارِقُہٗ﴾

''مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یعنی میرا نطق اور تکلم مجھے دیا جاتا ہے کیونکہ آپ ہمیشہ زندہ ہیں اور آپ کی روح مبارک آپ سے جدا نہیں ہوتی۔''

اس حدیث کی تمام محدثین کرام نے تصحیح کی ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں:

﴿قَالَ النَّوَوِیُّ فِی الْاَذْکَارِ اِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ وَقَالَ اِبْنُ حَجَرٍ رُوَاتُہٗ ثِقَاتٌ﴾ (۱)

قبل ازیں سیدنا ابوالدرداءؓ کی روایت میں ہے کہ ''جو کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ اس کے فارغ ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے۔ (۲)

اس میں جو پہلے یوم جمعہ کی فضیلت اور صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کا بیان ہے۔ اس میں فضیلت کے اوقات میں درود جیسے اعمال صالحہ کی ترغیب ہے۔ صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کے لیے جمعہ کی تخصیص نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اوقات فاضلہ میں اعمال صالحہ کا درجہ اور زیادہ بلند ہو جاتا ہے۔ جمعہ کے روز کی فضیلت کے بارے میں فرمایا:

﴿فَاِنَّہٗ یَوْمٌ مَّشْھُوْدٌ تَشْھَدُہُ الْمَلَائِکَۃُ﴾

''یعنی اس روز فرشتے حاضر رہتے ہیں۔''

۱۔ دلیل الطالب: ص ۸۴۳

۲۔ ابن ماجہ: ۲ / ۳۰۴، فیض القدیر مناوی: ۲ / ۸۷، رقم الحدیث: ۱۴۰۳

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جمعہ کے علاوہ باقی دنوں میں فرشتے بالکل حاضر نہیں ہوتے بلکہ یہاں مراد کثرت شہود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیاح فرشتوں کی ایک مستقل جماعت مقرر ہے جو ہر وقت لوگوں کی صلوٰۃ وسلام خدمت اقدس میں پیش کرتی ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ اُمَّتِيْ السَّلَامَ﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔" (۱)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہی وہ بارگاہِ رسالت میں پیش ہو جاتا ہے اس میں جمعہ وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں۔ درود پڑھنے اور پہنچنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو روضہ اقدس کے پاس پڑھنا، اس کو تو سرکار دو عالم ﷺ خود سنتے ہیں اور دوسرا دور سے پڑھنا یہ فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے۔ چنانچہ ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں:

"درود وسلام پہنچانے کے لیے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو روضۂ مبارک سے دور ہو۔" (۲)

روح کے لوٹانے کا معنیٰ:

روح کے لوٹانے کا معنیٰ کیا ہے؟ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جونہی کوئی شخص آپ پر سلام پڑھتا ہے تو آپ ﷺ پر آپ کی روح لوٹا کر آپ کو زندہ کیا جاتا ہے اور پھر آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، بلکہ روح کے لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو متوجہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں:

۱۔ نسائی، کتاب الکلام فی الصلوٰۃ، باب مایفعل من صلی خمساً: ۳ / ۳۱، دارمی ص ۳۷۲، مسند احمد: ۳۸۷، مسند ابی یعلی: ۹ / ۱۳۷

۲۔ مرقات: ۲ / ۶

''اس صورت میں معنی حدیث شریف یہ ہوں گے کہ جب کوئی سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ وتجلیات اللہ سے ہوش فرما دیتا ہے جونسا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا، ارتداد جملہ شعب لازم نہیں، اور ظاہر ہے اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام معلوم تو ہوگا پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا۔''(۱)

ایک اور مقام پر حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زائر کے سلام کا جواب دینا یقینی اور متفق علیہ، اور غیر زائر کو جواب دینا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ بعض روایات کی بنا پر علماء نے جمع کی صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ سلام غائب کی صرف بذریعہ ملائکہ تبلیغ ہوتی ہے اور سلام حاضر کی تبلیغ بھی ہوتی ہے اور سماع بھی لٰہذا قریب صلوٰۃ وسلام کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ زائر کی آواز کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گوش مبارک تک پہنچنا بڑے شرف اور مجد کی بات ہے۔''(۲)

رئیس المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ

﴿رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ فِيْ رَدِّ رُوْحِهِ علیہ السلام حِيْنَ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ علیہ السلام لَيْسَ مَعْنَاهُ أَنَّه يَرُدُّ رُوْحُهُ أَيْ أَنَّهٗ يُحْيِيْ فِيْ قَبْرِهٖ بَلْ تَوَجَّهَ مِنْ ذَالِكَ إِلٰى هٰذَا الْجَانِبُ فَهُوَ علیہ السلام حَيٌّ فِيْ كِلْتَا الْحَالَتَيْنِ﴾(۳)

''ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ سلام کے وقت آپ کی روح لوٹائی جاتی ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ کی روح اس طرح لوٹائی

۱۔ مکتوب شیخ الاسلام: ۱ / ۲۴۵

۲۔ مکتوبات شیخ الاسلام: ۱ / ۲۴۳

۳۔ فیض الباری، کتاب الصلوٰۃ، باب رفع الصوت : ۲/ ۶۵

جاتی ہے کہ آپ کو آپ کی قبر مبارک میں زندہ کیا جاتا ہے بلکہ اس
سے مراد آپ کو اس طرف متوجہ کرنا ہے، زندہ تو آپ دونوں حالتوں
میں ہیں۔ (سلام پیش ہونے کے وقت بھی اور اس سے پہلے بھی)''

قبر کے قریب سلام پڑھنے والے کا حکم:

اس سلسلہ میں ایک اور حدیث سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ مِنْ بَعِيْدٍ اَعْلَمْتُهُ. وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا اَبْلَغْتُهُ﴾

''جو میری قبر کے پاس درود پڑھے اسے میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔'' (۱)

اس روایت میں ''من صلی'' عام ہے۔ جس نے بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا وہ انسان ہو یا فرشتہ یا جن، ہر ایک کا صلوٰۃ وسلام آپ کو پہنچتا ہے۔ البتہ جو آپ کی قبر مبارک کے قریب پڑھے اس کو آپ خود سنتے ہیں اور جو دور سے پڑھے وہ آپ کی خدمت میں پہنچایا جاتا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہاں بعض حضرات ایک اشکال پیش کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت سماعت کیا اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ منوں مٹی کا فاصلہ اسے روک نہیں سکتا۔ اس اشکال کا جواب ایک تو یہ ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود دنیا میں تشریف فرما تھے تو کیا آپ نے منوں مٹی کے فاصلہ سے ان مردوں کی آوازیں نہ سنیں جن کو عذاب ہو رہا تھا۔ اور کیا یہ احادیث بخاری اور مسلم میں موجود نہیں؟

۱۔ شعب الایمان، بیهقی: ۲ / ۲۱۸، فتح الباری، کتاب أحادیث الانبیاء، باب، واذکر فی الکتاب مریم: ۶ / ۴۸۸، فیض القدیر، مناوی: ۶ / ۱۷۰، خصائص کبریٰ، سیوطی: ۲ / ۲۸۰، کنزالعمال: ۱/۴۹۲

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

﴿إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهِ، وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ، وَإِنَّهُ يَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ﴾

''بے شک بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس کے دفن سے واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ بھی سنتا ہے۔''(۱)

جب ایک عام شخص اسے دفن کر کے واپس جانے والوں کے جوتوں کی آہٹ سن لیتا ہے تو سرور کائنات ﷺ اپنی قبر مبارک کے اندر باہر کھڑے شخص کا صلوٰۃ و سلام نہیں سن سکتے؟

پھر جب حدیث صحیح میں ہے کہ میں خود سنتا ہوں تو ہمارے انکار کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿لَئِنْ قَامَ عَلٰى قَبْرِيْ، فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ! لَأُجِيْبَنَّهُ﴾(۲)

''اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے بلائیں، میں ضرور ان کا جواب دوں گا۔''(۳)

''فرشتوں کا یہ درود پہنچانا اس شخص سے مخصوص ہے جو حضور ﷺ

۱۔ بخاری: ۱ / ۴۶۲، ص ۴۴۹، مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۰، ابوداؤد: ۳/ ۱۷۰، نسائی: ۴ / ۷۳، مسند احمد، حدیث عامر بن ربیع: ۳ / ۱۷۰، ص ۴۴۵، مستدرک حاکم: ۱ / ۳۷۹، ابن حبان: ۷ / ۳۸۰، ۳۹۰

۲۔ رواہ ابو یعلی فی مسندہ ورجالہ رجال الصحیح

۳۔ مجمع الزوائد: ۸ / ۲۱۱، الحاوی للفتاوی، سیوطی: ۲ / ۲۹۰، مسند احمد، الباب الثانی فی الاحکام الجهاد فیه تسعة: ۲ / ۲۹۰، مستدرک حاکم: ۲ / ۵۹۵، روح المعانی: ۲۲ / ۳۵

کی قبر مبارک سے دور ہو، اور اس میں حیات دائمہ کا اشارہ بھی ہے اور آپ کی اس خوشی کا بھی جو آپ کو اپنی امت کاملہ کا سلام پہنچنے سے ہوتی ہے، اور اس میں سلام کرنے والے کے قبول سلام کا اشارہ بھی ہے بایں طور کہ فرشتوں نے اسے قبول کر لیا اور اسے آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔"(۱)

صلوٰۃ وسلام کے پہنچنے پر علماء کی شہادت:

سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿صَلُّوْا عَلَیَّ ، فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تُبَلِّغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ﴾

"تم مجھ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے رہو بے شک تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔"(۲)

اس مضمون کی اور بھی کئی روایات کتابوں میں موجود ہیں۔ چنانچہ سیدنا حسن بن علیؓ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

﴿حَیْثُمَا کُنْتُمْ فَصَلُّوْا عَلَیَّ، فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تُبَلِّغُنِیْ﴾

"جہاں کہیں بھی تم ہو مجھ پر درود بھیجتے رہو، بے شک تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔"(۳)

اسی طرح حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿صَلُّوْا عَلَیَّ وَسَلِّمُوْا، فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ وَ سَلَامُکُمْ تُبَلِّغُنِیْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ﴾

۱۔ مرقات: ۲ / ۳۴۱

۲۔ مسند احمد، قصص المعراج : ۴ / ۲۶۷، فتح الباری ،کتاب أحادیث الانبیاء، باب وذکر فی الکتاب مریم: ۶ / ۴۸۸، شعب الایمان، بیهقی : ۳ / ۴۹۱، جلاء الافهام لابن قیم :ص ۴۲ ،مصنف ابن ابی شیبه: ۲/ ۱۵۰

۳۔ معجم کبیر، طبرانی: ۳/ ۸۲، مسندا حمد، فصل فی نزول نبی ومایتعلق بہ من المناسک وفیه فروع : ۲/ ۳۶۷ عن ابی هریرةؓ

"مجھ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے رہا کرو، بے شک تمہارا صلوٰۃ وسلام مجھ تک پہنچتا رہتا ہے اگر چہ تم جہاں کہیں بھی ہو۔"(۱)

ان روایات کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

﴿صَلُّوا عَلَيَّ حَيْثُمَا كُنْتُمْ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي، قَالَ فَأَخْبَرَ ﷺ أَنَّهُ يَسْمَعُ الصَّلوٰةَ مِنْ قَرِيْبٍ وَيُبَلَّغُ ذَالِكَ مِنْ بَعِيْدٍ﴾(۲)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر درود پڑھا کرو جہاں بھی تم ہو، کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے بتایا یہ ہے کہ آپ ﷺ قریب سے پڑھے ہوئے درود کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا ہوا آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔"

علامہ ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اور ابن ابی شیبہ اور دار قطنی نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر میری قبر پر آ کر درود پڑھے اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے لیکن اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں۔ آپ کو دور سے صلوٰۃ وسلام کا پہنچایا جانا ائمہ حدیث نے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے۔

(فَإِنَّ إِبْلَاغَ الصَّلوٰةِ وَالسَّلَامِ عَلَيْهِ مِنَ الْعَبْدِ قَدْ رَوَاهُ أَهْلُ السُّنَنِ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ)(۳)

حافظ ابن القیمؒ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ قبر کے

۱۔ مسند ابی یعلی موصلی : ۱۲ / ۱۳، جلاء الافھام لابن قیم: ص ۴۲،

۲۔ رسائل ابن تیمیه: ص ۲۹۱، رساله رقم: ۱۶

۳۔ فتاویٰ ابن تیمیه : ۲۷ / ۱۱۶

پاس پڑھے ہوئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا ہوا اللہ کے فرشتے آپ کو پہنچاتے ہیں۔(۱)

حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس حدیث کے صحیح ہونے کا اقرار کیا ہے۔فرماتے ہیں:

﴿اَخْرَجَ اَبُوْ الشَّیْخِ فِیْ کِتَابِ الثَّوَابِ بِسَنَدٍ جَیِّدٍ بِلَفْظِ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ، وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا بَلَغْتُهٗ﴾ (۲)

''ابو الشیخ نے کتاب ثواب اعمال میں سند جید (عمدہ سند) کے ساتھ یہ الفاظ روایت کیے ہیں کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے وہ میں خود سنتا ہوں گا اور دور سے پڑا ہوا مجھے پہنچایا جاتا ہے۔''

حافظ شمس الدین سخاویؒ نے اس بارے میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ، وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِنْ بَعِیْدٍ اَعْلَمْتُهٗ رَوَاهُ اَبُوْ الشَّیْخِ وَسَنَدُهٗ جَیِّدٌ﴾

''جو میری قبر پر آ کر مجھ پر درود پڑھے اسے میں خود سنتا ہوں اور دور سے جو پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔اس روایت کو ابو الشیخ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید اور عمدہ ہے۔''(۳)

اس روایت کی توثیق و تصحیح حافظ ابن کثیرؒ، علامہ شہاب الدین خفاجیؒ، علامہ عبدالروف مناویؒ، ملا علی قاریؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ، نواب صدیق حسن خانؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ

۱۔ ملاحظہ ہو جلاء الافہام: ۲۵، کتاب الروح: ص ۵۴

۲۔ فتح الباری: جلد ٦

۳۔ القول البدیع: ص ١١٦

وغیرہ نے بھی کی ہے۔

وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مندرجہ ذیل خصوصیات تھیں۔

(۱) آپ کو ان کپڑوں میں غسل دیا گیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنے ہوئے تھے۔ عامۃ الناس کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں کو اتارا نہیں گیا۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ عام لوگوں کی طرح نہیں پڑھی گئی بلکہ اسے دوسرے طریقہ سے پڑھی گئی۔ آپ کی نماز جنازہ میں صرف صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا۔

(۳) آپ کے دفن میں تاخیر کی گئی حالانکہ عام مردوں کے دفن میں تاخیر نہ کرنے کا تاکیدی حکم شریعت میں ہے لیکن آپ کو پونے دو روز گزر جانے کے بعد دفن کیا گیا۔ چنانچہ کسی صحابیؓ نے بھی جلدی دفن کرنے کا تقاضا نہیں کیا۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہیں دفن کیا گیا جہاں آپ کی وفات ہوئی تھی اور وہ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کا حجرہ تھا جو آپ کی دائمی آرام گاہ بنا دیا گیا۔

(۵) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی املاک میں عام لوگوں کی طرح ترکہ اور وراثت کا عام قانون جاری نہیں کیا گیا بلکہ آپ کی حیات طیبہ میں آپ کے اموال کا جو مصرف تھا، خلفاء نے اس کا متولی بن کر اسی کو جاری رکھا۔

(۶) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے حجرات کو تازیست اپنے استعمال میں رکھیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے املاک سے تاحیات اپنا نفقہ حاصل کرتی رہیں، جب کہ عامۃ الناس کی بیویوں کو شوہروں کے مرنے کے بعد صرف عدت کی مختصر مدت تک یہ حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

روضہ مبارک پر ستر ہزار فرشتے:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس پر ستر ہزار فرشتے اتر کر عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ چنانچہ روایات میں ہے کہبنیہ بن وہب بیان کرتے ہیں کہ

ایک روز کعب احبار نے سیدہ عائشہؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ چھیڑا اور دوران گفتگو کعب احبار نے کہا:

''ہر روز صبح سویرے ستر ہزار فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور قبر انور کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ وہ اپنے پر قبر مبارک سے مس کرتے ہیں اور سرکار دو عالم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اور سارا دن ایسا کر کے رات کو واپس آسمان کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ پھر رات کو ستر ہزار فرشتے آسمانوں سے اتر کر قبر مبارک کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور اپنے پر قبر مبارک پر تبرکاً مس کرتے ہیں۔ اور آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ستر ہزار فرشتے رات کو اور ستر ہزار دن کو سرکار دو عالم ﷺ پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب قیامت کے دن آپ ﷺ کی قبر مبارک شق ہو جائے گی تو آپ ستر ہزار فرشتوں کے جھرمٹ میں جلوہ افروز ہوں گے جو آپ کی عظمت وتوقیر کے ڈنکے بجا رہے ہوں گے۔''(۱)

قبر مبارک سے اذان واقامت کی آواز:

سیدنا حسین بن علیؓ کی شہادت کے بعد ۶۳ھ میں واقعہ حرہ ہوا۔ اس میں اہل مدینہ پر فوج کشی کی گئی۔ اس واقعہ میں سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں پناہ گزین ہو گئے اور اس وقت مسجد نبوی میں صرف ایک شخص رہ گیا اور وہ سیدنا سعید بن مسیبؒ تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ گھروں میں تھے میں اکیلا مسجد نبوی میں چھپا ہوا تھا۔ میرے سوا اور کوئی شخص مسجد میں نہ تھا:

﴿اِذَا حَانَتِ الصَّلٰوۃُ اَسْمَعُ اَذَاناً یَخْرُجُ مِنْ قِبَلِ الْقَبْرِ

۱۔ التذکرہ لقرطبی: ص ۲۱۳، سنن دارمی: ۱/ ۵۷، شعب الایمان، بیهقی: ۳/ ۴۹۲، حلیة الاولیاء لابی نعیم: ۵/ ۳۹۰، جلاء الافهام لابن قیم: ص ۶۸

الشَّرِيْفِ...... لَايَاْتِيْ وَقْتُ الصَّلٰوةِ اِلَّا سَمِعْتُ الْاَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ ثُمَّ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَتَقَدَّمْتُ، فَصَلَّيْتُ وَمَا فِي الْمَسْجِدِ اَحَدٌ غَيْرِيْ﴾(۱)

''جب نماز کا وقت ہوتا تھا میں قبر شریف سے اذان کی آواز سنتا تھا۔ پھر اقامت بھی ہوتی تھی اور میں اسی اقامت سے نماز پڑھتا۔ ان دنوں میرے سوا اور کوئی شخص مسجد نبوی میں نہیں تھا۔''(۲)

سعید بن عبدالعزیزؒ نے بھی یہ روایت کی ہے کہ ایام الحرہ میں مسجد نبوی میں تین روز تک اذان نہ ہوئی اور نہ ہی اقامت ہوئی، اورسیدنا سعید بن المسیبؒ مسجد سے اس عرصہ میں باہر نہیں نکلے:

﴿وَكَانَ لَايَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلٰوةِ اِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم﴾

''اور وہ نماز کا وقت نہیں جانتے تھے مگر اس گنگناہٹ سے جو وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک سے سنتے تھے۔''(۳)

بعض حضرات اس بارے میں یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ قبر سے آواز کیسے آسکتی ہے، جب کہ اس بارے میں سیدنا ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ کرامؓ نے بے خبری میں ایک قبر پر خیمہ نصب کر دیا۔ قبر سے

۱۔ خلاصۃ الوفاء للسمہودی: ص ۳۸

۲۔ یہ واقعہ الفاظ کے کچھ اختلاف سے ابونعیم نے دلائل النبوۃ: ص ۴۹۶، خصائص کبریٰ سیوطی: ۲ / ۲۸، الحاوی للفتاویٰ، سیوطی: ۲ / ۲۶۶، جذب القلوب: ص ۱۸۸، طبقات ابن سعد: ۵ / ۱۳۲، مدارج النبوۃ: ۲ / ۴۰۵، زرقانی شرح المواہب: ۷ / ۳۶۵

۳۔ سنن دارمی: ۱ / ۵۶، مشکوٰۃ، رقم الحدیث: ۵۹۵۱، الوفا باحوال المصطفےٰ: ص ۸۱۸

سورۃ الملک پڑھنے کی آواز آرہی تھی حتیٰ کہ اس نے تمام سورۃ ختم کی۔ صحابہ کرامؓ نے آکر یہ واقعہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا:

﴿هِیَ الْمَانِعَةُ الْمُنْجِيَةُ وَتُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ﴾

''یہ سورت عذاب قبر سے نجات دینے والی ہے۔''

اس کو امام ترمذی نے اور امام بیہقیؒ اور امام حاکمؒ نے روایت کیا ہے۔

یہ ہیں چند وہ خصائص جو سرکار دو عالم ﷺ کو حاصل ہیں۔ اور ان خصائص میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ اور یہی اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ اور مذہب ہے۔

یا رب صل وسلم دائما أبدا　　علی حبیبک خیر الخلق کلهم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پر بغیر امام کے نماز جنازہ پڑھنا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لوگوں نے گروہ در گروہ بغیر امام اور بغیر دعاء جنازہ کے نماز جنازہ پڑھی جیسا کہ امام بیہقیؒ اور ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ اس بارے میں امام زرقانیؒ نے سیدنا علیؓ سے روایت نقل کی ہے کہ لوگ حجرہ عائشہ میں داخل ہو کر صف میں باادب کھڑے ہو جاتے اور تکبیر کہہ کر یہ پڑھتے:

﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ، اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا قَدْ بَلَغَ مَااُنْزِلَ عَلَیْہِ، وَنَصَحَ لِاُمَّتِہٖ، وَجَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِکَ حَتّٰی اَعَزَّ اللّٰہُ کَلِمَتَہٗ، فَاجْعَلْنَا نَتَّبِعُ مَااُنْزِلَ اِلَیْہِ، وَثَبِّتْنَا بَعْدَہٗ، وَاجْمَعْ بَیْنَنَا وَبَیْنَہٗ﴾

"یعنی اے نبی! آپ پر اللہ کی سلامتی اور اس کی رحمتیں ہوں۔ اے اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پیغام ہمیں پہنچا دیا جو ان پر نازل کیا گیا، اور آپ نے امت کی خیر خواہی فرمائی اور تیرے راستہ میں جہاد کیا حتی کہ اللہ نے اپنے کلمہ کو دنیا میں عزت عطا فرمائی اور اسے غالب فرمایا۔ پس اے اللہ! تو ہمیں اس کی اتباع کی توفیق عطا فرما جو آپ پر نازل کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہمیں اس پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں جمع فرما"۔

دوسرے لوگ جو کھڑے ہوتے یا نہ پڑھ رہے ہوتے وہ اس پر آمین کہتے۔(۱) آپ پر اس نماز کی تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب "خاتم النبیین" از حکیم محمود احمد ظفر

۱۔ زرقانی: ۷/ ۳۵۹

یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ تین دن تک آپ ﷺ کے جسد اطہر کو بلا دفن رکھا گیا اور جب آپ ﷺ کو دفن کیا گیا تو ترمذی کی روایت کے مطابق جو سیدنا انس بن مالکؓ سے مروی ہے سارے مدینہ میں اندھیرا سا چھا گیا۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری تجہیز و تکفین کے بعد مجھے میری مرقد کے کنارے رکھ دینا اور پھر کچھ وقت کے لیے تمام لوگ باہر نکل جائیں۔ یہ آپ نے شاید اس لیے فرمایا تا کہ ملائکہ میری نماز جنازہ پڑھ لیں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ منگل کے روز آپ کی تجہیز و تکفین سے فراغت ہو گئی تو جسد اطہر کو آپ کی قبر کے کنارے پر رکھ دیا گیا۔ اب ایک ایک گروہ حجرہ مبارکہ میں آتا تھا اور نماز جنازہ پڑھ کر باہر آ جاتا تھا۔ ان میں سے کوئی امامت نہ کراتا تھا بلکہ ہر شخص تنہا نماز پڑھتا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جس طرح دوسرے لوگوں کی نماز جنازہ ایک امام کو آگے کھڑا کر کے پڑھی جاتی ہے آپ ﷺ کی نماز جنازہ اس طرح نہیں ہوئی بلکہ اس طرح ہوئی جیسا کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ایک ایک گروہ حجرہ میں جاتا، تکبیر کہتا، پھر درود اور دعا پڑھتا اور باہر آ جاتا۔ پھر دوسرا گروہ جاتا اور وہ بھی اسی طرح کر کے واپس آ جاتا۔ ایک روایت کے مطابق یہ طریقہ اپنی نماز جنازہ کا رسول اللہ ﷺ نے خود ہی بتایا تھا۔ (۱)

اس طریقہ سے قریباً تیس ہزار لوگوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔ (۲)

حافظ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ مہاجرین و انصار کے ایک گروہ کے ساتھ حجرہ مبارکہ میں داخل ہوئے اور بارگاہِ نبوت میں اس طرح سلام عقیدت پیش کیا

﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ﴾

۱۔ ملاحظہ ہو شرح شمائل للمناوی: ۲/ ۲۷۴، زرقانی: ۸/ ۲۹۱، زرقانی شرح المؤطا: ۲/ ۱۶

۲۔ زرقانی: ۸/ ۲۹۱

ان مہاجرین اور انصار نے بھی آپ کی اقتداء کی۔ پھر سب نے صفیں بنائیں اور بغیر کسی امام کے نماز جنازہ ادا کی۔ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ پہلی صف میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو کھڑے تھے۔ انہوں نے بارگاہ الوہیت میں یوں عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَشْھَدُ اَنَّہٗ قَدْ بَلَغَ مَااُنْزِلَ عَلَیْہِ، وَنَصَحَ لِاُمَّتِہٖ، وَجَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی اَعَزَّاللّٰہُ دِیْنَہٗ وَتَمَّتْ کَلِمَتُہٗ وَاُومِنَ بِہٖ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ فَاجْعَلْ اِلٰھَنَا مِمَّنْ یَتَّبِعُ الْقَوْلَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مَعَہٗ وَاَجْمِعْ بَیْنَنَا وَبَیْنَہٗ حَتّٰی تَعْرِفُہٗ بِنَا وَتَعْرِفُنَا بِہٖ فَاِنَّہٗ کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رُؤُفًا رَحِیْمًا لَانَبْتَغِیْ بِالْاِیْمَانِ بِہٖ بَدَلًاوَلَا نَشْتَرِیْ بِہٖ ثَمَنًا اَبَدًا۔(۱)

"اے اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف نازل کردہ احکامات کی تبلیغ کر دی، اپنی امت کو سامان نصیحت فراہم کیا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دین کو عزت دی اور ان کی بات کو پورا کیا۔ میں اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان لاتا ہوں، اے ہمارے معبود! ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کردہ قول کی اتباع کرتے ہیں اور ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جمع کر دے تاکہ تو انہیں ہمارے ذریعہ اور ہمیں ان کے ذریعہ پہچان لے۔ بے شک اللہ مومنین کے ساتھ نرمی اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔ ہم ایمان کا بدلہ نہیں چاہتے اور نہ ہی ہم اس کے بدلہ کسی قسم کی قیمت وصول کرنے پر راضی ہیں۔"

اسی کتاب میں ایک اور موقع پر اس مسئلہ کو اس سے زیادہ وضاحت سے بیان فرمایا:

"فرماتے ہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین میں مثل حیات فرق ہے۔ ہاں فرق ذاتیت اور عرضیت مقصود نہیں۔ وجہ اس فرق کی وہی

۱۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر : ۵۲۲/۴

تفاوت حیات ہے یعنی حیات نبوی بوجہ ذاتیت قابل زوال نہیں اور حیات مومنین بوجہ عرضیت قابل زوال ہے، اس لیے وقت موت حیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زائل نہ ہو گی، مستور ہو جائے گی اور حیات مومنین ساری یا آدھی زائل ہو جائے گی۔ سو درصورت تقابل عدم و ملکہ اس استشعار حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو مثل آفتاب سمجھئے کہ وقت کسوف قمر اوٹ میں، حسب مزعوم حکما اس کا نور مستور ہو جاتا ہے، زائل نہیں ہوتا۔ یا مثل شمع چراغاں خیال فرمایئے کہ جب اس کو ہنڈیا یا مٹکے میں رکھ کر اوپر سے سر پوش رکھ دیجئے تو اس کا نور بالبداہیت مستور ہو جاتا ہے، زائل نہیں ہو جاتا، اور دوبارہ زوال حیات مومنین کو مثل قمر خیال فرمایئے کہ وقت خسوف اس کا نور زائل ہو جاتا ہے، فقط وہ صقالت و صفائی اصل باقی رہ جاتی ہے یا مثل چراغ سمجھئے کہ گل ہو جانے کے بعد اس میں نور بالکل نہیں رہتا۔'' (۱)

مختصر یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی وفات، اس کی حقیقت، نوعیت اور کیفیت عامہ مومنین کی موت، نوعیت اور کیفیت سے مختلف ہوتی ہے۔ عامۂ مومنین کی موت ''مزیل حیات'' ہوتی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات ''ساتر حیات'' ہوتی ہے۔ انبیاء کرام کی وفات ظاہری ہے جس سے باطن میں ان کی حیات مستور ہوتی ہے جس طرح بادلوں کے نیچے نور آفتاب منور ہو جاتا ہے، اسی طرح زیر پردۂ ممات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات مستور ہو جاتی ہے۔ جب انبیاء کرام کی وفات کی کیفیت یہ ہے تو ان کی نماز جنازہ میں بھی کوئی امام نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ وہ ایک لحاظ سے زندہ ہیں۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

۱۔ آب حیات: ۱۶۰

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کی خصوصیت

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن کی بھی ایک خصوصیت تھی جس کے بارے میں سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب وفات ہوگئی تو آپ کے دفن کے بارے میں لوگوں کی رائیں مختلف تھیں۔ اس پر سیدنا صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود یہ سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَاقَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ يُحِبُّ اَنْ يُّدْفَنَ فِيْهِ، اُدْفُنُوْا فِيْ مَوْضِعِ فِرَاشِهِ﴾

"اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو وفات نہیں دی مگر اسی مقام پر جہاں وہ چاہتا ہے کہ اس کو دفن کیا جائے، لہٰذا آپ کو وہیں دفن کردو جہاں آپ کا بچھونا تھا۔" (۱)

جس طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور وفات کے حالات میں امتیازی شان تھی اسی طرح آپ کے دفن میں بھی ایک امتیازی خصوصیت پائی جاتی تھی۔ انبیاء علیہم السلام عام دستور کے مطابق ہر جگہ دفن نہیں ہوتے بلکہ وہیں دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی تمنا اور خواہش ہوتی ہے چونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سیدہ عائشہؓ کے گھر میں ہوئی اس لیے یہ اس بات کی دلیل تھی کہ اسی جگہ دفن ہونے کی آپ کی تمنا تھی لہٰذا آپ وہیں دفن کیے گئے۔ گویا جو آپ کی قیام گاہ تھی وہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدفن ہوا۔ اب غور فرمائیں کہ وہ بشر کیسے بشر ہوں گے جن کی وفات کے بعد محل آرائش کا بھی فرق نہیں پڑا، صرف اس کی صورت ذرا تبدیل ہوگئی۔ اور جب ایک قدم اور بڑھائیں تو احادیث

۱۔ رواه الترمذی، فی کتاب الجنائز عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، رقم الحدیث: ۹۳۹

پتہ دیتی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم زندوں کی طرح زمین کے تخریبی اثرات سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور اگر اس سے ذرا اور آگے قدم اٹھایئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں، مگر پھر ان سب فضائل سے ان کی بشریت اور عبدیت ہی کا ثبوت ملتا ہے۔ جب دنیا میں ایک محسوس حیات کے مالک ہو کر وہ بشر ہی رہے تو وفات کے بعد ان کی غیر محسوس حیات سے آپ اپنا عقیدہ کیوں خراب کرتے ہیں۔ (۱)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

۱۔ ترجمان السنہ: ۳/ ۳۶۵

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا قبر میں زندہ ہونا

آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اس میں اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔ ویسے تو حدیث کی رو سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں جیسا کہ سیدنا انس بن مالکؓ کی روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ﴾ (۱)

''انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔''

اس حدیث میں ''الانبیـــاء'' سے مراد نبیوں کی ارواح (Souls) نہیں بلکہ روح اور جسم دونوں مراد ہیں۔ جیسا کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔ (تحیۃ الاسلام ص ۳۶) پھر ''حیاۃ'' سے مراد اعمال کا جاری رہنا ہے جو بدون جسد تقوم نہیں پاتے۔ ان کے اعمال اگرچہ ہمیں نظر نہ آئیں پھر بھی ان کے اعمال سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کی وہ زندگی پردے میں ہے لیکن ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ چنانچہ محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ''قبروں میں بہت سے اعمال (حدیث سے) ثابت ہیں مثلاً اذان اور اقامت جیسا کہ سنن دارمی میں روایت ہے۔ اور قبر میں قرآن پڑھنے کا ثبوت ترمذی میں ہے''۔ (۲)

۱۔ مسند ابی یعلی: ۳/ ۳۷۹، حیات الانبیاء بیھقی: ۳، جامع صغیر: ۱۰۳، مجمع الزوائد: ۸/ ۲۱۱

۲۔ فیض الباری: جلد ۱

بعض حضرات انبیاء کی حیات قبریہ سے مراد ان کی صرف روحانی حیات مراد لیتے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ ارواح تو سب کی زندہ ہیں بلکہ انبیاء کی یہ زندگی جسم اور روح کا مجموعہ ہے اور ان کی روح کا ان کے جسموں کے ساتھ قبر میں ایک خاص تعلق ہے چنانچہ قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس آپ کے جسم اطہر سے کبھی جدا نہیں ہوتی کیونکہ یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں''۔ (۱)

حدیث میں یہ بھی کہا گیا کہ وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور بقول محدثین

﴿اَلصَّلَاةُ تَسْتَدْعِیْ جَسَدًا حَیًّا﴾ (۲)

''نماز پڑھنا زندہ جسم کا تقاضا کرتا ہے۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز تو بقول امام شعرانیؒ یہ ہے کہ:

﴿قَدْ صَحَّتِ الْاَحَادِیْثُ اَنَّهٗ صلی اللہ علیہ وسلم حَیٌّ فِیْ قَبْرِهٖ یُصَلِّیْ بِاَذَانٍ وَّ اِقَامَةٍ﴾ (۳)

''احادیث صحیحہ میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔''

انبیاء علیہم السلام کی حیات کے سلسلہ میں ایک اور مشہور حدیث سیدنا اوسؓ بن اوس سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تمام دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی روز ان کی روح قبض ہوئی، اسی روز صور (Trumpet) پھونکا جائے گا اور اسی روز قیامت کی بے ہوشی

۱۔ تحفته الذاکرین : ۲۸

۲۔ حاشیه سنن نسائی : ۱ / ۱۸۵

۳۔ منح المنه : ۹۲

ہو گی۔ پس جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود بے شک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب آپ قبر میں گھل چکے ہوں گے اس وقت ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے"۔ (۱)

اس حدیث کو تمام محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔ (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ مٹی انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی اور ان کے ابدان قبروں میں محفوظ ہیں بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کا صلوٰۃ وسلام بھی سنتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مبارک آج بھی بالکل اسی طرح ہے جیسے اس وقت تھا جب آپ کو قبر میں اتارا گیا تھا۔ (۳)

اور بقول امام شوکانیؒ "محققین کی ایک جماعت کا یہ فیصلہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے بعد پھر زندہ ہیں"۔ (٤)

حیات انبیاء کے بارے میں ایک حدیث یہ بھی ہے جو سیدنا انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: معراج کی رات میں سرخ ٹیلے کے قریب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں"۔ (٥)

اس سلسلہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ ابوداؤد: ۱/ ۱۵۰، نسائی: ۱/ ۱۵۴، ابن ماجہ: ۷۷، ۱۱۹، سنن کبریٰ بیہقی: ۳/ ۲۴۸

۲۔ خزائن الاسرار: ۹۹ علامہ انور شاہ کشمیریؒ

۳۔ بنایہ: ۱/ ۱۰۹٦

٤۔ نیل الاوطار: ۳/ ۲۱۱

٥۔ مسلم: ۲/ ۲٦۸، نسائی: ۱/ ۱۸۵

''جو شخص میری قبر کے پاس درود و سلام پڑھتا ہے اسے میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے''۔ (۱)

بہر حال یہ بات اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر مبارک میں اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں، جیسا کہ سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ منقول ہے کہ وہ واقعہ حرہ میں مسجد نبوی میں اکیلے مقیم تھے اور وہ باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب ظہر کا وقت ہوا تو میں نے قبر نبوی سے اذان کی آواز سنی اور نماز ظہر ادا کی۔ اور مسند دارمی میں بھی ہے کہ ایام حرہ میں مسجد نبوی میں تین روز تک اذان و اقامت نہ ہوئی اور سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ تین روز تک برابر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر نماز کے لیے اذان و اقامت کی آواز سنتے اور اس کے مطابق اپنی نماز ادا فرماتے۔

اس روایت کو ابو نعیم نے بھی سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (۲)

یا رب صل وسلم دائما ابدا — علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ رواہ ابن حبان بسند جید مرقاۃ: ۲ / ۲۴۷

۲۔ زرقانی: ۷ / ۳۶۴، ۳۶۵

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اور منبر کی درمیانی جگہ کا باغ جنت ہونا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر کے مابین جو جگہ ہے، وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَابَيْنَ بَيْتِيْ وَ مِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ(۱)

''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے، وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن عساکر کی روایات میں یہ حدیث ''مَابَيْنَ بَيْتِيْ وَ مِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ'' کے الفاظ سے آئی ہے۔ لیکن بیت کی جگہ قبر کا لفظ خطا ہے۔(۲)

ممکن ہے حافظ ابن حجرؒ کی مراد یہ ہو کہ سیدنا ابو ہریرہؓ کی روایت میں بیت کی جگہ قبر کا ذکر کرنا خطاء ہے۔ بہر حال علامہ عینیؒ نے حافظ ابن حجرؒ کا رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ قبر کے لفظ کو خطا قرار دینا خود خطا ہے کیونکہ امام بزار نے سند صحیح کے ساتھ قبر کا لفظ روایت کیا اور امام طبرانیؒ نے معجم اوسط میں رجالہ ثقات کے ساتھ اس لفظ کو روایت کیا ہے۔ اور بیت اور قبر کے لفظوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ بیت سے مراد بیت عائشہؓ ہے اور اسی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر ہے۔(۳)

۱۔ مسلم حدیث نمبر: ۳۲۶۴

۲۔ فتح الباری جلد ۴ ص ۱۰۰

۳۔ عمدۃ القاری جلد ۱۰ ص ۲۴۹

بہر حال مسند بزار میں ایک روایت ''قبری و منبری '' کے الفاظ سے بھی مروی ہے۔(۱)

چونکہ اس جگہ کو جنت پر محمول کرنا خلاف ظاہر تھا اس وجہ سے محدثین اور فقہاء نے اس حدیث کی کئی تاویلات کی ہیں۔علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ یہ جگہ نزول رحمت میں جنت کی مثل ہے۔اور ایک قول یہ ہے کہ اس جگہ عبادت کرنا دخول جنت کا سبب ہے یا یہ جگہ جنت میں منتقل کر دی جائے گی۔(۲)

لیکن علامہ دشتانی مالکیؒ نے ان تمام تاویلات کا رد کرتے ہوئے اس کو ظاہر پر محمول کیا ہے، اور فرمایا کہ اس میں کوئی امتناع یا استبعاد نہیں کہ یہ جگہ بنفسہ جنت کا ایک ٹکڑا ہو۔ چونکہ شارع علیہ السلام نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے اس لیے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔(۳)

باقی جہاں تک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کا تعلق ہے اس کے بارے میں تمام متقدمین اور متاخرین علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کائنات کی ہر جگہ سے افضل ہے۔حتیٰ کہ کعبہ اور عرش سے بھی۔ چنانچہ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا خِلَافَ اَنَّ مَوْضِعَ قَبْرِهِ اَفْضَلُ بِقَاعِ الْاَرْضِ﴾(٤)

''اس بات میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی جگہ تمام روئے زمین سے افضل ہے۔''

بعض روایات میں قبر کا لفظ آیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ لیکن طبرانی کی روایت جو سیدنا ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ اس میں لفظ ''قبری'' آیا ہے۔ اس پر بعض علماء نے لکھا ہے کہ بیت سے مراد صرف ایک بیت ہے۔ سارے بیت مراد نہیں ہیں اور وہ بیت ''بیت عائشہ'' ہے جس میں آپ کی قبر مبارک ہے۔ اور طبرانی نے

۱۔ ملاحظہ ہو کشف الاستار عن زوائد البزار : ۲/ ۵٦

۲۔ عمدۃ القاری : ۱۰/ ۲۴۹

۳۔ اکمال اکمال المعلم: ۳/ ٤٧٦

٤۔ شفاء : ۲/ ۷۵

اپنی اوسط میں بھی اس بارے میں ایک روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ:

مَابَیْنَ بَیْتِیْ وَ مِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ ''منبر اور حجرہ عائشہؓ کے مابین جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ٹکڑا حقیقی طور پر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا مجازی طور پر باغ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حقیقی طور پر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے جیسے کہ حجر اسود۔ کیونکہ اس کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

﴿اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ﴾ (۱)

''حجر اسود جنت کے پتھروں میں سے ہے۔''

اور خطیب اور ابن عساکر کی یہ مرفوع روایت بھی اس حدیث کی موید (Confirmatory) ہے کہ ''حجر اسود جنت کے سفید یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے۔ مشرکین کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔ یہ قیامت کے روز احد پہاڑ کے برابر ہو گا' اور دنیا کے جن جن لوگوں نے اس کا استلام کیا ہو گا یا اس کو بوسہ دیا ہو گا' ان کے بارے میں یہ گواہی دے گا۔''

تو جس طرح حجر اسود حقیقی معنوں میں جنت کا پتھر ہے۔ اسی طرح یہ ٹکڑا بھی جنت میں سے لا کر یہاں بچھایا گیا ہے۔ اور قیامت کے روز یہ بعینہ یہاں سے جنت میں منتقل کیا جائے گا۔

حافظ ابن ابی جمرہؒ فرماتے ہیں کہ یہ مجازی معنوں میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یعنی یہ ٹکڑا جنت سے لایا تو نہیں گیا' لیکن اس ٹکڑے پر جو نماز پڑھی جائے گی یا کوئی عبادت کی جائے گی وہ دخول جنت کا سبب بنے گی' لیکن اس بات پر ان کا بھی اتفاق ہے کہ یہ بقعہ مبارکہ بعینہ جنت میں منتقل کیا جائے گا۔ ان دونوں اقوال میں کوئی تخالف نہیں ہے۔ ان میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ یہ ٹکڑا جنت کا ٹکڑا ہے۔ اور اس پر نیک عمل کرنا موجب دخول جنت ہے اور یہ ٹکڑا قیامت کے روز جنت میں بعینہ منتقل کیا جائے گا۔ (۲)

۱۔ رواہ احمد عن انس والنسائی عن ابن عباس

۲۔ زرقانی : ۷ / ۳۷۶، ۳۷۷

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے بارے میں قبر میں سوال

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت مبارکہ کے ہر فرد سے قبر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فتنہ قبر یہ ہے کہ "فبی تفتنون و عنی تسئلون" میری وجہ سے تم آزمائے جاؤ گے اور میرے بارے میں تم سے سوال ہوگا''۔

سیدنا انس بن مالکؓ کی ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی بندہ مومن کو قبر میں رکھ کر اس کے ساتھی اور اہل وعیال واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اس وقت اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ اگر وہ شخص مومن ہے تو کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ دوزخ میں تیری جگہ تھی، اسے دیکھ لے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس تجھے جنت کا مقام عطا فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ دونوں مقام دیکھ لیتا ہے۔ ایک کافر اور منافق آدمی سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ تم اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ تو وہ کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں۔ میں وہی کہتا ہوں جو لوگ کہا کرتے تھے''۔ (۱)

اس مضمون کی احادیث اور کتابوں میں بھی موجود ہیں۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ''نقش ممات'' ص ۱۱۷ از حکیم محمود احمد ظفر

بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ " مَاعَلَّمکَ بِھٰذَا الرَّجُلِ؟"'' تم اس شخص کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ یہ سوال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہو

۱۔ بخاری حدیث نمبر: ۱۳۳۸، ۱۳۷۴ مسلم حدیث نمبر: ۲۸۷۰، ابوداؤد: ۳/ ۲۱۷

گا۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتے بجائے ''ھذا الرجل'' کے ''رسول اللہ'' کیوں نہیں کہتے؟ اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ فرشتے تلقین کی صورت سے بچتے ہیں۔اگر وہ سوال کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کلمات تعظیم واکرام استعمال کریں تو جواب دینے والا اپنے اعتقاد واقعی کا اظہار نہ کرے گا بلکہ فرشتوں کی تقلید کرتے ہوئے کہہ دے گا کہ ہاں میں بھی جانتا ہوں کہ وہ خدا کے رسول ہیں۔

یہاں ایک بحث کتابوں میں اور نقل کی گئی ہے کہ یہ جو اشارہ کر کے دریافت کیا جاتا ہے اس کا مشار الیہ کیا ہے؟ یعنی یہ اشارہ کس کی طرف کیا جاتا ہے۔اس بارے میں احادیث و آثار میں کوئی تصریح نہیں ملتی۔اس لیے اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) اشارہ معہود ذہنی کی طرف ہے کہ یہ شخص جو تمہارے اندر مبعوث ہوا تھا۔تم اس کے بارے میں کیا علم رکھتے ہو؟۔ترمذی کی روایت میں ہے ''مَا کُنْتُ تَقُوْلُ فِیْ ھَذَا الرَّجُلِ؟'' (تم اس شخص کے بارے میں کیا کہا کرتے تھے؟) اور مسند احمد کی روایت میں ہے''مَنْ ھَذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ؟'' (یہ کون شخص ہیں جو تم میں مبعوث کیے گئے تھے؟) اور مسند احمد کی دوسری روایت میں ہے مَنْ رَّبُّکَ ؟ مَادِیْنُکَ؟ مَنْ نَبِیُّکَ؟ اس طرح تین سوال ہوں گے۔(۱)

(۲) اشارہ خود ذات اقدس کی طرف ہے کہ قبر مبارک تک درمیان کے سب حجابات اٹھا دیے جاتے ہیں اور میت آپ کے جمال جہاں آرا کا مشاہدہ کرتی ہے۔علامہ قسطلانی ؒ نے یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہو تو ظاہر ہے کہ مومن کے لیے بہت ہی بڑی خوشخبری اور بشارت عظیمہ ہے۔ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے اس کے قائل نے صرف اس بات سے استدلال کیا ہے کہ یہاں اشارہ قریب ہے اور وہ حاضر موجود ہی کے لیے ہوتا ہے، لیکن احتمال اشارہ ذہنی کا بھی ہے لہٰذا مجاز ہوگا۔

۱۔ الفتح الربانی: ۷ / ۷۸۔۷۹

(۳) اشارہ سرکار دو عالم ﷺ کی شبیہ مبارک کی طرف ہے جو اس وقت میت کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ قاضی عیاضؒ نے فرمایا: احتمال ہے کہ قبر میں حضور علیہ السلام کی شبیہ میت کے لیے پیش کی جاتی ہو اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ صرف آپ کا اسم مبارک لیا جاتا ہے اس لیے کہ بخاری اور مسلم میں سیدنا انسؓ کی روایت "مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هَذَا الرَّجُلِ محمد" سے بھی متبادر ہوتا ہے۔ اور اسی طرح مسند احمد میں بھی ابن المنکدر کی روایت ہے۔ (۱)

علامہ ابن ابی جمرہؒ نے لکھا ہے کہ "ماعملک بهذا الرجل؟" میں رجل سے مراد ذات اقدس ﷺ ہے اور آپ کی رویت عینی ہو گی جو حق تعالیٰ شانہٗ کی عظیم قدرت پر شاہد ہے کیونکہ ایک وقت میں کتنے ہی لوگ دنیا کے مختلف خطوں میں مرتے ہیں اور وہ سب ہی سرکار دو عالم ﷺ کو اپنے قریب سے دیکھتے ہیں، اس لیے کہ لفظ "ھذا" عربی زبان میں صرف قریب ہی کے لیے بولا جاتا ہے، جس طرح نبی کریم ﷺ کو ایک وقت میں زمین کے مختلف حصوں میں لوگ خواب کے ذریعے دیکھیں۔ اور آپ کا خواب میں دیکھنا حق ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔ نہ اس میں کوئی استبعاد (Unlikelihood) ہے،...... لہٰذا جو لوگ رویت کا انکار کرتے ہیں وہ گویا حدیث مذکور کا انکار کرتے ہیں اور خدا کی غیر محصور قدرت کو محدود کرتے ہیں"۔ (۲)

علامہ ابن ابی جمرہؒ کی اس بات کو عقلی طور پر کچھ اس طرح سمجھنا چاہیے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی مثال آئینہ جیسی ہے۔ ہر انسان اس میں اپنی صورت اچھی یا بری دیکھتا ہے، لیکن آئینہ کا حسن اپنی جگہ ہے وہ نہیں بدلتا۔ موجودہ دور کی ایجاد ٹیلی ویژن (Television) سے بھی اس کو سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک شخص دنیا کے ایک حصہ میں بیٹھ کر جو کچھ کہتا یا کرتا ہے۔ اس کے تمام اقوال و افعال اور اس کی شکل و صورت زمین کے ہر حصہ میں ہر شخص ایک ہی وقت میں بذریعہ ٹیلی ویژن اور ریڈیو دیکھ اور سن سکتا ہے۔

---

۱. فتح الملهم : ۲ / ۴۶۱، ایسا ہی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے لکھا ہے اوجز المسالک : ۲ / ۳۰۵

۲. بهجته النفوس : ۱ / ۱۲۳

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی ازواج مطہراتؓ سے تا ابد نکاح کا حرام ہونا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ سے ہمیشہ کے لیے نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا، اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا﴾ (۱)

''اور یہ تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو اذیت دو، اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔''

اس آیت کی تفسیر وتشریح میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''یعنی کافر اور منافق جو چاہیں بکتے پھریں اور ایذا رسانی کریں، مومنین جو دلائل و براہین کی روشنی میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی راست بازی اور پاک بازی کو معلوم کر چکے ہیں، انہیں لائق نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں یا وفات کے بعد کوئی بات ایسی کہیں یا کریں جو خفیف سے خفیف درجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا کا سبب بن جائے۔ لازم ہے کہ مومنین اپنے محبوب و مقدس پیغمبر کی عظمت شان کی ہمیشہ رعایت رکھیں، مبادا غفلت یا تساہل سے کوئی تکلیف دہ حرکت صادر ہو جائے، اور دنیا و آخرت کا

۱۔ الاحزاب: ۵۳

خسارہ اٹھانا پڑے۔ ان تکلیف دہ حرکات میں سے ایک بہت سخت اور بڑا بھاری گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص ازواج مطہراتؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نکاح کرنا چاہے یا ایسے نالائق ارادہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں اظہار کرے۔ ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات کی مخصوص عظمت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق کی وجہ سے قائم ہوئی ہے کہ روحانی حیثیت سے وہ تمام مومنین کی محترم مائیں قرار دی گئیں۔ کیا کسی امتی کے عقد نکاح میں آنے کے بعد ان کا یہ احترام کما حقہ ملحوظ رہ سکتا ہے یا آپ کے بعد وہ خانگی بکھیڑوں میں پڑ کر تعلیم و تلقین دین کی اس اعلیٰ غرض کو آزادی کے ساتھ پورا کرسکتی ہیں جن کے لیے ہی فی الحقیقت قدرت نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت کے لیے ان کو چنا تھا، اور کیا کوئی پرلے درجے کا بے حس و بے شعور انسان بھی باور کرسکتا ہے کہ سید البشر، امام المتقین اور پیکر خلق عظیم کی خدمت میں عمر گزارنے والی خاتون ایک لمحہ کے لیے بھی کسی دوسری جگہ رہ کر قلبی مسرت وسکون حاصل کرنے کی امید رکھ سکے گی خصوصاً جبکہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وہ منتخب خواتین تھیں جن کے سامنے دنیا و آخرت کے دو راستوں میں سے ایک راستہ انتخاب کے لیے پیش کیا گیا تو انہوں نے بڑی خوشی اور آزادی سے دنیا کے عیش و بہار پر لات مار کر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی اور آخرت کا راستہ اختیار کر لینے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کیسے عدیم النظیر زہد و ورع اور صبر و توکل کے ساتھ ان مقدس خواتین جنت نے عبادت الٰہی میں اپنی زندگیاں گزاریں اور احکام دین کی اشاعت اور اسلام کی خدمات مہمہ کے لیے اپنے کو وقف کیے رکھا۔ ان میں سے کسی ایک کو کبھی بھول کر بھی دنیا کی لذتوں کا

خیال نہیں آیا، اور کیسے آ سکتا تھا جب کہ پہلے ہی حق تعالیٰ نے ﴿يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ فرما کر ان کے تزکیہ وتطہیر کی کفالت فرمائی تھی۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُنَّ وَأَرْضَاهُمْ وَجَعَلَنَا مِمَّنْ يُعَظِّمُهُنَّ حَقَّ تَعْظِيمِهِنَّ فَوْقَ مَانُعَظِّمُ أُمَّهَاتَنَا الَّتِي وَلَدَتْنَا آمِين." (۱)

اس سلسلہ میں حضرۃ العلام شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ نے بھی بڑی پتے کی باتیں لکھی ہیں، مولاناؒ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اور ازواج مطہراتؓ سے بلا حجاب باتیں کرنا یہ تو ایذاء رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی موجب ہے، اور تمہارے لیے یہ بات کسی طرح جائز نہیں کہ تم کسی چیز میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچاؤ۔ ہر طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب کا لحاظ رکھو، ایسا نہ ہو کہ تم سے کوئی ایسا امر سرزد ہو جائے جو مزاج نبوی کو ناگوار گزرے، اور نہ تمہارے لیے یہ جائز ہے کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کبھی بھی آپ کی بیویوں کو نکاح میں لاؤ، البتہ تمہارا یہ فعل یعنی اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء دینا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی بیبیوں سے نکاح کر لیں گے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ عظیم ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی بیویوں سے نکاح اللہ کے نزدیک جرم عظیم ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچانا حرام ہے، اسی طرح وفات کے بعد بھی آپ کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور احترام فرض اور لازم ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی فرض اور لازم ہے۔

۱۔ تفسیر عثمانی: ص ۵٦٧

بالجملہ نبی کریم ﷺ کو ظاہراً اور باطناً ایذاء پہنچانا حرام ہے حتیٰ کہ ایذاء کا تصور اور خیال بھی حرام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر تم اس قسم کی کوئی چیز ظاہر کرو اور بعض ازواج نبی سے نکاح کر لینا لفظ زبان پر لاؤ یا اس بات کو دل میں چھپائے رکھو اور زبان پر نہ لاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو چھپی ہوئی یا کھلی خوب جانتا ہے اور تم کو اس پر سزا دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ازواج مطہراتؓ دنیا و آخرت میں آپ کی بیویاں ہیں اور تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ان سے نکاح کا تصور اور خیال بھی گناہ عظیم ہے۔ (۱)

ازواج مطہرات سے حرمت نکاح کی حکمتیں و مصلحتیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی بیویوں سے نکاح حرام قرار دیا جو بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہے:

(۱) اول یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے شرف اور عظمت ظاہر کرنے کے لیے یہ حکم دیا گیا۔ ہر انسان پر طبعی طور پر یہ گراں ہوتا ہے کہ اس کی بیوی اس کے بعد دوسرے کے نکاح میں جائے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کی فضیلت اور بزرگی ظاہر کرنے کے لیے یہ رعایت خاص سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ کی گئی کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہراتؓ کا دوسروں سے نکاح کرنا حرام ہے۔

(۲) دوم یہ کہ اگر فتنہ کا انسداد ہو جائے کیونکہ بالفرض اگر آپ کے بعد ازواج مطہراتؓ سے نکاح کی اجازت ہو جاتی تو ہر شخص کو آپ کی جانشینی کے دعوے کی گنجائش مل جاتی، اور اندیشہ تھا کہ وہ شخص اس ذریعہ سے لوگوں کو اپنی خلافت کی طرف بلاتا۔

۱۔ معارف القرآن: ۵/۵۳۹

(۳) سوم یہ کہ باہم تنافس اور تحاسد کا دروازہ کھل جاتا۔ ہر شخص یہ چاہتا کہ میں زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کروں تا کہ مجھے لوگوں میں خاص عزت اور امتیاز حاصل ہو۔ اس امر کے انسداد کے لیے شریعت نے آپ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج ؓ سے نکاح کو قطعی حرام قرار دیا۔

(۴) چہارم یہ کہ اگر ازواج مطہرات ؓ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی سے نکاح جائز ہوتا تو ازواج مطہرات ؓ کا وہ عالی مرتبہ جو زوجیت رسول کی بنا پر حاصل تھا، وہ ختم ہو جاتا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی سے نکاح کرنا بلندی سے پستی میں گرنے کے مترادف ہے۔

(۵) پنجم یہ کہ دوسروں کے نکاح میں جانے کے بعد ان کی روایات لوگوں کی نظر میں مشکوک ہو جاتیں۔ ممکن ہے کہ لوگ یہ خیال کرتے کہ یہ عورت اپنے جدید شوہر کے خیال سے ان امور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر رہی ہے۔ اس صورت میں امت ان علوم سے محروم ہو جاتی جو ازواج مطہرات کے ذریعہ سے پہنچے ہیں۔ (۱)

چنانچہ عام طور پر شوہر کی عدت وفات کے بعد بیوی دوسری شادی کر سکتی ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے لیے اجازت نہیں۔ وہ امہات مومنین ہیں اگر چہ ان کے امہات ہونے کا اثر ان کی روحانی اولاد میں تو نہیں پڑتا کہ وہ سب باہم بہن بھائی ہو جائیں اور ان کا نکاح جائز نہ رہے، مگر خود امہات کی ذات کی حد تک حرمت نکاح کا اثر رہے گا۔ اول تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر مبارک میں حیات ہیں، اور آپ کی حیات ایسی ہے جیسے کسی عورت کا شوہر پردیس چلا جائے۔ بظاہر وہ غائب ہوتا ہے مگر واقعہ میں موجود ہوتا ہے۔ اسی لیے نہ آپ کی ازواج سے دوسرے کے نکاح کا کوئی سوال اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ کی تقسیم کا کوئی مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ حیات انبیاء کا تیسرا اثر یہ ہے کہ ان کے مبارک اجسام قبور میں محفوظ رہتے ہیں، اور آپ کی ازواج کے نکاح نہ کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ شرعی ضابطہ کے مطابق جنت میں بیویاں آخری شوہر کے

۱۔ معارف القرآن: ۵ / ۵۳۹، ۵۴۰

ساتھ رہیں گی۔ چنانچہ سیدنا حذیفہؓ نے اپنی اہلیہ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر تم جنت میں میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو میرے بعد نکاح نہ کرنا۔ اسی لیے ازواج مطہراتؓ کے لیے بھی دوسرے نکاح کی اجازت نہیں ہے۔

اسی سلسلہ میں امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے

﴿فَحَرَّمَ اللّٰهُ نِكَاحَ اَزْوَاجِهِ مِنْ بَعْدِهِ، وَجَعَلَ لَهُنَّ حُكْمَ الْاُمَّهَاتِ، وَهٰذَا مِنْ خَصَائِصِ، تَمِيْزِ الشَّرَفِ وَتَنْبِيْهًا عَلٰى مَرْتَبَتِهِ﴾ (۱)

''اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح حرام قرار دیا اور انہیں امت کی ماؤں کا درجہ دیا اور یہ خصوصیت آپ کے شرف اور علو مرتبت کی وجہ سے ہے۔''

اس کے بعد امام شافعیؒ کا ایک قول نقل فرمایا ہے کہ

﴿لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ نِكَاحُهُنَّ، وَمَنِ اسْتَحَلَّ ذٰلِكَ كَانَ كَافِرًا﴾ (۲)

''کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ازواج مطہرات سے نکاح کرے، جو کوئی اس نکاح کرنے کو جائز سمجھے وہ کافر ہے۔''

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

۱۔ تفسیر قرطبی

۲۔ تفسیر قرطبی

باب پنجم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی اخروی خصوصیات

قیامت کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس عظیم مقام پر فائز کیا جائے گا اور وہاں جو خصائص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوں گے، ان کا اجمالی تذکرہ۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ستر ہزار فرشتوں کی معیت میں ہونا

یہ بات تفصیل سے بیان کی جا چکی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھانا زمین پر حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ (۱)

لہٰذا ان کو ان کی قبروں سے عام انسانوں کی طرح نہیں بلکہ اجساد سالمہ سے اٹھایا جائے گا۔ کیونکہ انبیاء کرام کے اجسام مٹی اور ریزہ ریزہ نہیں ہوتے جیسا کہ قرآن حکیم میں سیدنا عزیر علیہ السلام کے واقعہ میں بتایا گیا ہے، لہٰذا انبیائے کرام کو آخرت میں دوبارہ لباس حیات پہنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ عام لوگوں کو جو زندگی اور کامل حیات عنصری اس روز ملے گی وہ انبیائے کرام کو پہلے ہی سے عالم برزخ میں حاصل ہو گی۔ قیامت کے روز انہیں صرف اپنی اپنی قبور سے نکلنا ہی ہو گا اور ان کا عالم برزخ اچانک عالم آخرت میں بدل جائے گا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ وسلم محشر کے روز ایک تو سب سے پہلے اپنی قبر مبارک سے اٹھیں گے جیسا کہ فرمایا:

﴿اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا﴾ (۲)

''جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے

۱۔ ابن ماجہ، کتاب اقامة الصلاة والسنة فيها باب فی فضل الجمعة: ۲ / ۱۷، ابوداؤد، کتاب الصلاة، باب فضل يوم الجمعة وليلة الجمعة: ۱/ ۳۹۴، نسائی، کتاب الجمعة، باب ذكر فضل يوم الجمعة: ۳ / ۹۱، مسند احمد، حدثنا عبدالله حدثنی ابی ثنا حسين بن علی: ۴ / ۸

۲۔ ترمذی، ابواب المناقب، باب حدثنا الحسين بن يزيدالكوفی: ۲/۶۷۹

اپنی قبر سے باہر آؤں گا۔"

یعنی ہر شخص اکیلا اپنی قبر سے اٹھے گا اور اکیلا ہی میدان حشر میں آئے گا جب کہ آپ قیامت کے روز ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں اپنی قبر مبارک سے باہر تشریف لائیں گے، اور سیدنا کعبؓ فرماتے ہیں:

﴿إِذَا انْشَقَّتْ عَنْهُ الْأَرْضُ خَرَجَ فِي سَبْعِينَ أَلْفاً مِنَ الْمَلَائِكَةِ يَزِفُّونَهُ﴾(۱)

"قیامت کے روز جب آپ ﷺ کی قبر مبارک شق ہوگی تو آپ ستر ہزار فرشتوں کے جھرمٹ اور جلو میں باہر تشریف لائیں گے۔"

یہ وہ اعزاز اور خصوصیت ہے جو قیامت کے روز سوائے آپ کے اور کسی کو عطا نہ ہوگی۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً أَبَداً عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

۱۔ سنن دارمی، کتاب مقدمہ، باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ بعد موتہ: ۱ / ۵۷

محمد رسول اللہ ﷺ
کی امت کا سب سے زیادہ ہونا

سرورکائنات ﷺ کی قیامت کے روز ایک خصوصیت یہ ہوگی کہ آپ کی امت سب سے زیادہ ہوگی۔ امت کی اتنی زیادہ تعداد کسی اور نبی کی نہیں ہوگی۔ چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کو ایسی نشانیاں عطا کی گئی ہیں جن پر لوگ ایمان لے آئے، اور مجھ کو جو نشانی عطا کی گئی وہ وحی ہے جو کہ اللہ نے میری طرف کی۔ پس میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے روز میرے متبعین تمام نبیوں سے زیادہ ہوں گے۔ (۱)

سیدنا ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

﴿اَنَا لَاَكْثَرُ الْاَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (۲)

''قیامت کے روز میرے پیروکار تمام انبیاء علیہم السلام کے پیرو کاروں سے زیادہ ہوں گے۔''

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے:

﴿اَنَا اَكْثَرُ الْاَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾

۱۔ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی: رقم الحدیث ۴۶۹۶، مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد ﷺ: رقم الحدیث ۱۵۲، مسند احمد بن حنبل، حدثنا عبدالله حدثنی ابی ثنا حجاج: ۲ / ۴۵۱

۲۔ ابن ماجه، کتاب الزهد، باب ذکر الحوض: رقم الحدیث ۴۳۰۱، مسند ابی یعلی: ۲ / ۳۰۳

''قیامت کے روز میرے پیروکار تمام نبیوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے۔''(۱)

ایک اور روایت میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز مجھ پر امتوں کو پیش کیا جائے گا تو میں کسی نبی کو دیکھوں گا کہ اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی جماعت ہے، اور کوئی نبی ایسا ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک آدمی ہوگا۔ کوئی نبی ایسا ہوگا کہ اس کے ساتھ دو آدمی ہوں گے اور کوئی نبی ایسا ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں ہوگا۔ اچانک میرے سامنے ایک عظیم جماعت لائی جائے گی تو میں یہ گمان کروں گا کہ شاید یہ میری امت ہے۔ مجھے کہا جائے گا کہ یہ (سیدنا) موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکار ہیں۔ آپ آسمان کے کنارہ کی طرف دیکھیں تو میں دیکھوں گا کہ لوگوں کی ایک بہت بڑی کثرت اس طرف بھی ہے۔ اس پر مجھے کہا جائے گا کہ یہ آپ کی امت ہے۔ (فَاِذَا سَوَادٌ عَظِیْمٌ، فَقِیْلَ لِیَ هٰذَا اُمَّتُکَ) اور ان کے ساتھ ستر ہزار وہ آدمی بھی ہیں جو کہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔

﴿یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾(۲)

بخاری کی روایت میں ہے کہ مجھ سے کہا جائے گا کہ آسمان کے اس کنارے کو بھی دیکھئے، میں دیکھوں گا کہ آدمیوں کی کثرت نے آسمان کے کنارے کو بھر دیا ہے۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا کہ یہ آپ کی امت ہے۔

یا رب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب فی قول النبی انا أول الناس یشفع فی الجنة: رقم الحدیث: ۱۹۶، سنن کبریٰ بیهقی، کتاب السیر، باب مبتدأ الخلق: ۹ / ۴

۲۔ بخاری، کتاب الطب، باب من لم یرق: رقم الحدیث: ۵۳۷۸، ۵۴۲۰، مسلم، کتاب المساجد، باب النحی بناء المسجد علی القبور: ۱ / ۱۹۹

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا پل صراط پر سے سب سے پہلے گزرنا

آپ ﷺ پوری مخلوق میں سے سب سے پہلے اپنی امت کو لے کر پل صراط سے گزریں گے۔ مسلم کی روایت کے مطابق پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی، لیکن بعض لوگوں کے لیے یہ وسیع وادی کی طرح ہوگی۔

سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَهَنَّمَ، فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَجُوزُ مِنَ الرُّسُلِ بِأُمَّتِهِ﴾

''پل صراط جہنم کے اوپر ہوگا اور تمام رسولوں میں سے سب سے پہلے میں اپنی امت کے ساتھ اس پر سے گزروں گا۔'' (۱)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں:

﴿فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُجِيزُ﴾

''پس میں اور میری امت سب سے پہلے پل صراط پر سے گزریں گے۔''

جب میدان حشر میں ایک عجیب نفسا نفسی کا عالم ہوگا تو سرکار دو عالم ﷺ اس موقع پر پل صراط، میزان اور حوض کوثر پر امت کے گنہ گار لوگوں کی غم گساری کر رہے ہوں گے، چنانچہ سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز رسول اللہ ﷺ

۱۔ بخاری، کتاب الاذان، باب فضل السجود، رقم الحدیث: ۷۷۳، رقم الحدیث: ۷۰۰۰، ترغیب و ترهیب: ۴ / ۲۲۰

سے قیامت کے روز اپنی شفاعت کا سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں شفاعت کرنے والا ہوں۔'' میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں قیامت کے روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہاں تلاش کروں؟'' فرمایا: ''پہلے مجھے پل صراط پر تلاش کرنا۔'' عرض کیا کہ ''اگر آپ کو وہاں نہ مل سکوں؟'' فرمایا: ''پھر میزان کے پاس تلاش کرنا۔'' میں نے عرض کی: ''اگر وہاں بھی آپ کو نہ مل سکوں؟'' فرمایا: ''پھر مجھے حوض کوثر پر تلاش کرنا۔''

﴿فَإِنِّيْ لَا أُخْطِئُ هَذِهِ الثَّلَاثَ الْمَوَاطِنَ﴾

''کیونکہ میں ان تینوں مقامات میں سے کسی ایک مقام پر ہوں گا۔''(۱)

یارب صل وسلم دائما أبدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ ترمذی، کتاب صفة القیامة والرقائق، باب ماجاء فی شأن الصراط، رقم الحدیث: ۲۴۳۳، مسند احمد، حدثنا عبدالله حدثنی أبی ثنا یونس بن محمد ثنا حرب: ۳/ ۱۷۸

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

انبیاء علیہم السلام کے امام اور خطیب ہونا

قیامت کے روز سرکار دو عالم ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام کے امام اور خطیب ہوں گے۔ چنانچہ سیدنا ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

﴿إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، كُنْتُ اَمَامَ النَّبِيِّيْنَ وَخَطِيْبُهُمْ﴾

''قیامت کے روز میں سب نبیوں کا امام اور ان کا خطیب ہوں گا۔''(۱)

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ ترمذی، ابواب المناقب، باب حدثنا محمد بن بشارنا ابو عاصم، رقم الحدیث: ۳۶۱۳، مسند احمد، کتاب مسند الانصار، باب حدیث الطفیل بن ابی بن کعب عن أبیہ: ۵ / ۱۳۵، مستدرک حاکم: ۱ / ۱۴۳، ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر الشفاعة، رقم الحدیث: ۴۳۱۴

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے جھنڈے تلے قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم السلام ہوں گے

جہاں تمام انسانوں کے نبی تھے وہاں آپ انبیاء علیہم السلا کے بھی نبی تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں بھی فرمایا: ''انا نبی الانبیاء'' یعنی میں نبیوں کا بھی نبی ہوں۔ احادیث میں آتا ہے کہ قیامت کے روز ہر نبی کا الگ الگ جھنڈا نصب ہوگا اور ہر نبی کی امت اس نبی کے جھنڈے کے نیچے ہوگی، لیکن وہ نبی کہاں ہوگا؟ اس کا ذکر اس حدیث میں نہیں ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ:

﴿آدَمُ وَمَنْ دُوْنَهُ تَحْتَ لِوَائِیْ وَلَا فَخْرَ﴾ (۱)

''آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ دوسرے تمام نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہہ رہا۔''

ایک اور روایت میں ہے جو سیدنا عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس بارہ میں الفاظ یہ ہیں:

﴿مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا هُوَ تَحْتَ لِوَائِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَنْتَظِرُ الْفَرَجَ﴾ (۲)

''ہر شخص قیامت کے روز میرے جھنڈے تلے کشادگی کا انتظار کر رہا ہوگا۔''

۱۔ مسند احمد، کتاب ومن مسندینی هاشم، باب بداية، مسند عبدالله بن عباس: ۱ / ۲۸۱، مجمع الزوائد: ۱۰ / ۳۷۲

۲۔ مستدرک حاکم: ۱ / ۸۳، مجمع الزوائد: ۱۰ / ۳۷۶

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ مروی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت کے روز ہر نبی آپ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے ہوگا۔ چنانچہ سیدنا عبادہ بن صامتؓ ہی سے ایک روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ، مَامِنْ اَحَدٍ اِلَّا هُوَ تَحْتَ لِوَائِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَنْتَظِرُ الْفَرَجَ، وَاِنَّ مَعِیْ لِوَاءَ الْحَمْدِ، اَنَا اَمْشِیْ وَیَمْشِی النَّاسُ مَعِیْ حَتّٰی آتِیْ بَابَ الْجَنَّةِ فَاَسْتَفْتِحُ، فَیُقَالُ مَنْ هٰذَا؟ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ، فَیُقَالُ! مَرْحَباً بِمُحَمَّدٍ، فَاِذَا رَاَیْتُ رَبِّیْ صِرْتُ لَهٗ سَاجِداً نَظَرَ اِلَیْهِ﴾(۱)

''قیامت کے روز میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، اور مجھے اس پر فخر نہیں، قیامت کے روز ہر شخص میرے جھنڈے کے نیچے کشادگی کا منتظر ہوگا، میرے ساتھ لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) ہوگا۔ میں چلوں گا اور لوگ میرے ساتھ چلیں گے یہاں تک کہ جنت کا دروازہ آ جائے گا، پس میں اسے کھولنے کے لیے کہوں گا، پوچھا جائے گا: کون ہے؟ ''میں جواب دوں گا: محمد (ﷺ) اس پر کہا جائے گا: محمد ﷺ کو خوش آمدید۔ پس اچانک اسی لمحہ مجھے رب کریم کا دیدار ہوگا تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے میں سجدہ میں گر جاؤں گا۔''

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر نبی کو ایک دعا کا حق ملا جس کو اس نے اس دنیا ہی میں پورا کر لیا۔ میں نے اپنی امت کی شفاعت کے لیے اس دعا کو محفوظ کر لیا ہے قیامت کے روز میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں گا۔ اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ میں پہلا شخص ہوں جو قبر سے نکلوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں۔''

۱۔ مستدرک حاکم: ۱/ ۳۰

﴿وَبِيَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ، آدَمُ فَمَنْ دُوْنَ تَحْتَ لِوَائِیْ وَلَا فَخْرَ﴾ (۱)

''اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ آدم اور ان کے علاوہ جتنے انبیاء علیہم السلام ہیں، وہ (قیامت کے روز) میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور مجھے اس پر فخر نہیں۔''

ایک اور حدیث میں سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے تمام انبیاء پر چھ ایسی چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے جو مجھ سے پہلے کسی اور نبی کو عطا نہیں کی گئیں: میرے اگلے پچھلے تمام گناہوں کو بخش دیا گیا، میرے لیے مال غنیمت کو حلال کیا گیا جب کہ مجھ سے پہلے یہ کسی نبی کے لیے حلال نہیں تھا۔ اور میری امت کو تمام امتوں سے بہتر بنایا گیا، اور میرے لیے تمام زمین کو سجدہ گاہ اور پاک بنایا گیا، اور مجھ کو کوثر عطا کیا گیا، اور میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی۔

﴿وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ! اَنَّ صَاحِبُكُمْ لَصَاحِبُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَهُ آدَمُ فَمَنْ دُوْنَهُ﴾ (۲)

''اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، قیامت کے روز تمہارا یہ صاحب حمد کے جھنڈے والا ہوگا اور اس کے نیچے آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ دوسرے نبی ہوں گے۔''

یارب صل وسلم دائما ابدا　　علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ مسند احمد، کتاب ومن مسند بنی هاشم، باب بدایه، مسند عبدالله بن العباس: ۱ / ۲۸۱، ۲۹۵

۲۔ خصائص کبریٰ: ۲ / ۱۹۶، مجمع الزوائد: ۸ / ۲۶۹

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تمام اولاد آدم کی سیادت کریں کرنا

سرکار دو عالم ﷺ کی قیامت کے روز ایک امتیازی خصوصیت یہ ہو گی کہ آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہوں گے اوران کی سیادت آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہو گی۔ ویسے تو آپ اس دنیا میں بھی سردار ہیں اور عالم برزخ میں بھی سردار ہیں لیکن اس روز آپ کی سیادت کا تمام بنی نوع انسان کے سامنے مظاہرہ ہو گا۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَنَا سَیِّدُ وُلْدُ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ﴾

''میں قیامت کے روز تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔''(۱)

آپ نہ صرف سب اولاد آدم کی سرداری فرمائیں گے بلکہ ان سب کی قیادت بھی آپ ہی فرمائیں گے۔ یہ بھی آپ کی ایک اخروی خصوصیت ہے۔ چنانچہ سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاَنَا قَائِدُهُمْ اِذَا وَفَدُوْا﴾

''اور میں ان تمام لوگوں کا قائد ہوں گا جب وہ اکٹھے ہوں گے۔''

یعنی قیامت کے روز جب تمام لوگ جمع ہوں گے اور کسی کو کچھ علم نہیں ہو گا کہ کہاں جانا ہے اور کیا کہنا ہے۔ اس وقت جو شخص ان کی قیادت کرے گی وہ سرکار دو عالم ﷺ کی شخصیت ہو گی۔

۱۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا علی جمیع الخلائق، رقم الحدیث: ۲۲۷۸، ترمذی، ابواب المناقب، باب حدثنا محمد بن بشارنا ابو عاصم: ۵ / ۳۰۸، مسند احمد، حدثنا عبداللہ حدثنی أبی محمد بن مصعب: ۲/ ۵۴۰،سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی التخییربین الانبیاء: ۴ / ۲۱۸ ،مسند ابی یعلی موصلی: ۱۳/ ۴۸۰

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا قبر سے سب سے پہلے اٹھنا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے شخص ہیں جن کی قبر سب سے پہلے پھٹے گی اور آپ اس میں سے خروج فرمائیں گے۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿فَاَكُوْنَ اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ﴾ (۱)

''میں سب سے پہلا شخص ہوں جس پر سے زمین (قبر) سب سے پہلے شق ہوگی۔''

حاکم کی ایک روایت میں ہے کہ میں اس پر فخر نہیں کرتا' پھر ابوبکرؓ اٹھیں گے' پھر عمرؓ اٹھیں گے' پھر تمام اہل بقیع میرے ساتھ اٹھیں گے۔ پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا۔''

امام سمہودیؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں ہر اس شخص کے لیے ایک بہت بڑی خوش خبری ہے جس کا انتقال مدینہ طیبہ میں ہوا۔

ترمذی میں سیدنا انس بن مالکؓ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ سرکار مدینہ علیہ السلام نے فرمایا:

''جب لوگ حشر (Resurrection) کے دن (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے قبر سے نکلنے والا میں ہوں گا۔ جب وہ اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو میں ان کی طرف سے بات کروں گا' جب وہ مایوس ہوں گے تو میں انہیں خوش خبری اور بشارت دینے والا ہوں گا۔ اس روز لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اولاد

۱۔ بخاری، کتاب فی الخصومات، باب مایذکر فی الاشخاص والخصومة بین المسلمین والیهودی : ۱ / ۳۲۵

آدم میں سب سے زیادہ اللہ کے ہاں مکرم ہوں' لیکن میں فخر نہیں کرتا''۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ قیامت کے روز انبیاء کرام علیھم السلام کا اٹھایا جانا اسی طرح کا ہوگا جس طرح سیدنا عزیر علیہ السلام اٹھائے گئے تھے جن کا ذکر قرآن حکیم میں ہے کہ بدن بھی محفوظ اور اس میں زندگی کی آثار بھی موجود جنہیں یہاں کے رہنے والے محسوس نہ کر پائیں۔ جب ان کا برزخ کا پردہ اُٹھے گا تو وہ کھلی زندگی میں سامنے آجائیں گے۔ یہی ان کا حشر ہوگا۔ اسی لیے حدیث میں ان کے لیے خروج کا لفظ آیا ہے اور دوسروں کے لیے بعثت (اٹھایا جانا) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے:

﴿انَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجاً اِذَا بُعِثُوْا﴾

''جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے قبر سے نکلنے والا میں ہوں گا۔''

اور یہ اولیت صرف قبر سے نکلنے ہی میں نہیں بلکہ نفخہ ثانیہ (Second Blowing) کے بعد جب موت کے آغوش میں گئے ہوئے لوگ اٹھیں گے اور انبیاء کرام علیھم السلام چونکہ قبروں میں پہلے ہی زندہ ہیں اس لیے وہ موت کی آغوش سے نہیں بلکہ بے ہوشی کی نیند سے بیدار ہوں گے یا حدیث کے الفاظ کے صحیح ترجمہ کی رو سے بے ہوشی سے افاقہ میں آئیں گے۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿فَاکُوْنُ اَوَّلَ مَنْ یَفِیْقُ﴾ (١)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:

﴿اِنِّیْ اَوَّلُ مَنْ یَّرْفَعُ رَاْسُهٗ بَعْدَ النَّفْخَةِ الْاٰخِیْرَةِ﴾ (٢)

''میں نفخہ ثانیہ کے بعد سر اٹھانے والا پہلا شخص ہوں گا۔''

بخاری کی ایک حدیث میں نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کا تذکرہ کچھ یوں ہے کہ قیامت کے دن جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو وہ سب انسان جو زمین کی پشت پر زندہ ہوں گے،

١۔ بخاری، کتاب فی الخصومات، باب مایذکر فی الاشخاص: ١ / ٣٢٥، کتاب الانبیاء، باب وفاۃ موسی علیہ السلام: ٤٨٤

٢۔ فتح الباری: ١٣/ ١٩٦

موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔ پھر جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے جس کی قبر پھٹے گی یعنی کھلے گی وہ میری ہوگی۔ اور جب میں قبر سے نکلوں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ (علیہ السلام) عرش الٰہی کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوشی میں آئے یا انہیں وہی بے ہوشی طاری ہوگئی جو انہیں کوہ طور پر پیش آچکی ہے"۔ (۱)

اس حدیث سے یہ پتہ چلا کہ دو نفخے ہوں گے اور ان دونوں کے مابین کچھ وقت ہوگا۔ وہ کتنا وقت ہوگا؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ واللہ اعلم۔ البتہ نفخہ اولیٰ اس وقت ہوگا جب تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں ہوں گے اور دنیا آباد ہوگی۔ اس نفخہ سے تمام زندہ انسان مر جائیں گے۔ پھر دوسرا نفخہ ہوگا جس سے وہ تمام لوگ جو اپنی قبروں میں مرے ہوئے یا ذرات منتشرہ (Dispersed Particles) کی شکل میں ہوں گے، زندہ ہو جائیں گے اور قیامت کے ہولناک مناظر کا سامنا کریں گے۔ (۲)

یہ تو عام لوگوں کا حال ہوگا۔ انبیاء کرام چونکہ پہلے ہی اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوں گے، وہ نفخہ اولیٰ سے بے ہوش ہو جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے ان کی بے ہوشی جاتی رہے گی اور وہ اپنی اپنی قبروں سے نکلیں گے۔

(نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ اور قیامت کے ان ہولناک مناظر اور واقعات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب "البدور البازغہ فی کشف علوم الآخرۃ" از حکیم محمود احمد ظفر)

پھر افاقہ بے ہوشی ہی میں آپ پہلے شخص نہیں ہیں بلکہ پل صراط سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے گزریں گے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ پل صراط پر سے سب سے پہلے میں اور میری امت گزرے گی اور اس کے بعد دوسرے نبی اور ان کی امتیں گزریں گی۔ اور ہر نبی اور رسول گزرتے وقت "اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ" (اے اللہ! بچانا، بچانا) کہتا ہوا گزرے گا۔ یہ اس گزرگاہ کی ہولناکی اور نزاکت کے باعث ہوگا۔

۱۔ بخاری، کتاب الانبیاء، باب وفاۃ موسی علیہ السلام و ذکرہ: ۱/ ۳۲۵، کتاب فی الخصومات، باب مایذکر فی الاشخاص والخصومۃ بین المسلم والیہودی: ۴۸۴

۲۔ کمافی فتح الباری: ۱۳/ ۱۹۸

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا سب سے پہلے جنت میں داخل ہونا

تمام مخلوق میں آپ ﷺ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو جنت کے دروازے کے حلقہ کو ہلاؤں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے داخل کرنے کے لیے اس کو کھولیں گے اور میرے ساتھ فقراء مومنین جنت میں داخل ہوں گے۔(۱)

فقراء مومنین کے ساتھ داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے میں داخل ہوں گا اور میرے بعد فوراً وہ داخل ہوں گے۔

یہاں ایک اشکال ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔ وہ یہ کہ مسلم کی حدیث نمبر ۶۲۰۲ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال ؓ سے فرمایا: میں نے آج رات کو جنت میں اپنے آگے تمہاری جوتیوں کی آہٹ سنی ہے (فَاِنِّیْ سَمِعْتُ اللَّیْلَةَ خَشْفَ نَعْلَیْکَ بَیْنَ یَدِیَّ فِی الْجَنَّةِ) یہ حدیث امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح جلد ا ص ۱۵۴ میں نقل کی ہے۔ اس حدیث کی شرح میں امام بدرالدین عینیؒ نے فرمایا ہے: علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اس سماع کو خواب پر محمل کرنا چاہیے کیونکہ موت سے قبل کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اور یہ واقعہ بیداری کا بھی ہوسکتا ہے کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ معراج کی رات جنت میں داخل ہوئے۔'' امام کرمانیؒ کا یہ قول نقل کر کے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

''کرمانی کی عبارت میں تضاد ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ موت سے

۱۔ ترمذی، کتاب المناقب لمن رسول اللہ ﷺ، باب فی فضل النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۵۴۹

قبل جنت میں نہ جاسکنا یہ کوئی کلیہ قاعدہ نہیں ہے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سات آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ کی حدود کو پار کر گئے، اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وفات سے قبل جنت میں جانا ممتنع نہیں ہے۔ اور میں اس جواب میں منفرد ہوں۔''

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے سیدنا بلالؓ جنت میں کیسے داخل ہو گئے حالانکہ آپ سے قبل کسی شخص کو بھی جنت میں داخل ہونا حرام ہے۔ علامہ کرمانیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس حدیث سے سیدنا بلالؓ کا جنت میں داخل ہونا لازم نہیں آتا۔ اور جہاں تک سیدنا بلالؓ کی جوتیوں کی آہٹ کا تعلق ہے تو اس سے بھی بلالؓ کا جنت میں ہونا ضروری نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سیدنا بلال جنت سے باہر ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت میں ان کی جوتیوں کی آواز سن لی ہو۔ بعض علماء کے نزدیک علامہ کرمانیؒ کا یہ جواب مستبعد ہے کیونکہ اس حدیث کا سیاق وسباق یہ بتاتا ہے کہ سیدنا بلالؓ کو ہر وضوء کے بعد نماز پڑھنے کی وجہ سے یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت میں اپنے آگے ان کی جوتیوں کی آہٹ اور آواز سنی۔ اس بارے میں علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

''تحقیق یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب میں سیدنا بلالؓ کو اپنے آگے جنت میں دیکھنا برحق ہے کیونکہ حدیث کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے خواب برحق ہوتے ہیں۔ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ باقی سیدنا بلالؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل جنت میں داخل ہونا بہ طور حقیقت نہیں ہے بلکہ بطور تمثیل ہے کیونکہ سیدنا بلالؓ کی بیداری میں یہ عادت تھی کہ وہ آپ کے آگے آگے چلا کرتے تھے، اس لیے نیند میں بھی آپ کو اسی طرح دکھایا گیا، اس سے سیدنا بلالؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جنت میں داخل ہونا لازم نہیں آتا۔(۱)

۱۔ عمدة القاري: ۷ / ۲۰۷-۲۰۸

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کولواء الحمد کا عطا فرمایا جانا

قیامت کے روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کولواء الحمد دیا جائے گا۔ لواء جھنڈے (Flag) کو کہتے ہیں اور ''حمد'' یہ موقف میں ایک بہت بڑا منصب ہوگا اور جو اس منصب پر فائز ہو گا جس کا جھنڈا وہاں نصب ہوگا۔ قیامت کے روز ہر نبی کا ایک ایک جھنڈا ہوگا جس کے نیچے اس کی امت اور قوم ہوگی۔ ان جھنڈوں سے ان کی قدر و منزلت کا بھی اندازہ ہوگا۔ ان میں سب سے بڑا قدر و منزلت کا مقام ''مقام الحمد'' ہوگا لہٰذا آپ کو ''لواء الحمد'' عطا کیا جائے گا۔ وہ میدان حشر میں تمام لوگوں کے سامنے آپ کی قدر و منزلت اور مقام و منصب کے اظہار کے لیے لہرایا جائے گا۔ اور اس لواء الحمد کے نیچے آدم علیہ السلام اور دوسرے تمام انبیاء بھی ہوں گے۔ چنانچہ بزار کی روایت میں ہے کہ آدم اور ان کے علاوہ دوسرے تمام انبیاء علیھم السلام اس لواء الحمد کے نیچے ہوں گے۔ (۱)

ایک اور حدیث سیدنا ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً مروی ہے:

﴿ اَنَا سَیِّدِ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَبِیَدِیْ لِوَاءَ الْحَمْدُ وَلَافَخْرَ، وَمَامِنْ نَبِیِّ یَوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ ﴾

''قیامت کے روز میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا' میں یہ فخر سے نہیں کہہ رہا۔ لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا' میں یہ فخر سے نہیں کہہ رہا۔ اور اس روز آدم علیہ السلام اور دوسرے سب نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔'' (۲)

۱۔ اخرجہ احمد، رقم الحدیث:۴۷، والترمذی ،رقم الحدیث: ۳۵۴۹ وقال حسن صحیح

۲۔ زرقانی : ۷ / ۳۸۴

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو مقام محمود کا عطاء ہونا

آپ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ذکر کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کو قیامت کے روز مقام محمود عطا کیا جائے گا جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے "عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا"

مقام محمود کیا ہے؟ اس بارے میں کئی اقوال ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آپ کا عرش پر بیٹھنا مقام محمود ہے۔ لیکن بخاری اور ترمذی کی روایت جو سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام محمود اس شفاعت کبریٰ کا نام ہے جو آپ تمام مخلوق کے لیے کریں گے۔ آپ کی شفاعت (Intercession) ہی سے کئی لوگ بغیر حساب جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ آواز آئے گی' اے محمد! اپنا سر اٹھایئے۔ میں سر اٹھاؤں گا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کروں گا اے میرے رب! میری امت' اے میری رب! میری امت۔ کہا جائے گا: اپنی امت کے لوگوں کو جن کے ذمہ کوئی حساب نہیں جنت کے دائیں جانب کے دروازوں سے داخل کرو۔ اور دیلمی نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی شفاعت کے لیے کہا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا! ستر ہزار افراد بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: اے میرے رب! زیادہ کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے دائیں بائیں سے دولپ بھرے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اور بھی بہت سارے۔ (۱)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے جس پر فائز ہونے

۱۔ زرقانی: ۷ / ۲۸۷

والے کی تمام اولین و آخرین حمد کریں گے۔ جب سرکار دو عالم ﷺ کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور شفاعت کبریٰ کا منصب آپ ﷺ کو عطا کیا جائے گا اور آپ تمام اہل محشر کی شفاعت کریں گے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم موذن سے اذان سنو تو اذان کے کلمات کی طرح کہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو۔ وہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید یعنی یقین ہے کہ وہ بندہ میں ہوں جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (۱)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کلام عطا کیا اور مجھے دیدار عطا کیا اور مجھے مقام محمود اور حوض مورود (یعنی وہ حوض جس پر لوگ وارد ہوں گے) کی فضیلت عطا کی۔'' (۲)

یارب صل وسلم دائما ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب بدأ الاذان : ۱/ ۱۶۶، ترمذی : ۵۸

۲۔ مختصر تاریخ دمشق: ۲/ ۱۰۸، بیروت

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے شخص ہیں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ چنانچہ مسلم اور صحاح کی دوسری کتابوں میں ہے کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ میری امت کے لوگ ہوں گے اور میں پہلا شخص ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ اور وہ سب سے پہلے میرے لیے کھولا جائے گا۔ اور خازن جنت یہ کہے گا: مجھے اسی کا حکم کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو خازن جنت پوچھے گا: آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا محمدؐ، وہ کہے گا مجھے اسی کے لیے کھولنے کا حکم دیا گیا ہے۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ داروغہ جنت اٹھے گا اور کہے گا کہ میں نے آپ سے پہلے یہ دروازہ کسی اور کے لیے نہیں کھولا اور نہ ہی آپ کے بعد کسی اور کے لیے اٹھوں گا۔ گویا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور خصوصیت ہے کہ خازن جنت کسی اور کے لیے نہیں اٹھے گا۔ اور اس کا یہ اٹھنا آپ کی تعظیم و تکریم اور علو مرتبت کے لیے ہوگا۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

محمد رسول اللہ ﷺ
کے دست مبارک سے جنت کا افتتاح

سرکار دو عالم ﷺ سب سے پہلے شخص ہوں گے جو جنت کا دروازہ کھلوائیں گے اور اس میں داخل ہوں گے۔ یہ بھی آپ کے خصائص اور امتیازات میں سے ہے کہ جنت کا دروازہ سب سے پہلے آپ کے لیے کھولا جائے گا۔ چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿اَنَا اَوَّلُ مَنْ يَّقْرَعَ بَابَ الْجَنَّةِ﴾

''قیامت کے روز میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔'' (۱)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز میں جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور دروازہ کھولنے کے لیے کہوں گا۔ دربان جنت پوچھے گا: ''آپ کون ہیں؟'' میں جواب دوں گا: محمد (ﷺ) اس پر وہ کہے گا

﴿بِكَ اُمِرْتُ، لَا اَفْتَحُ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ﴾

''مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ آپ سے پہلے جنت کا دروازہ کسی اور کے لیے نہ کھولوں۔'' (۲)

۱۔ مسلم، كتاب الايمان، باب فی قول النبی انا اول الناس يشفع فی الجنة: رقم الحديث: ۱۹۶، بیهقی: ۹ / ۴، مسند احمد، كتاب مسند العشرة المبشر بن بالجنة باب مسند أبی بكر الصديق: ۱ / ۴، مسند ابی یعلی: ۷ / ۴۹، ابن حبان: ۱ / ۴۰۱

۲۔ مسلم، كتاب الايمان، باب فی قول النبی اذا اول الناس يشفع فی الجنة: رقم الحديث: ۱۹۷، حدثنا عبدالله أبی ثنا هاشم ثنا سليمان: ۳ / ۱۳۶

سیدنا عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿اِنَّ الْجَنَّةَ حُرِمَتْ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ كُلِّهِمْ حَتّٰى اَدْخُلَهَا، وَحُرِمَتْ عَلَى الْاُمَمِ حَتّٰى تَدْخُلَهَا اُمَّتِيْ﴾

''بے شک جنت دوسرے تمام انبیاء پر حرام کر دی گئی ہے جب تک کہ میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں، اور دوسری امتوں پر بھی جنت اس وقت تک حرام قرار دے دی گئی ہے جب تک کہ میری امت اس میں داخل نہ ہو جائے۔''(۱)

ایک اور روایت سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿اَنَا اَوَّلُ مَنْ يَفْتَحُ بَابَ الْجَنَّةِ﴾(۲)

''میں پہلا شخص ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھولے گا۔''

جس طرح جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والے اور کھولنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے اسی طرح جنت میں داخل ہونے والے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوں گے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اَنَا اَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ﴾

''میں قیامت کے روز سب سے پہلا شخص ہوں گا جو جنت میں داخل ہوں گا، میں یہ فخر سے نہیں کہتا۔''(۳)

سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا، پس حق تعالیٰ شانہ اسے میرے لیے کھول دے گا اور مجھے اس میں داخل فرما دے گا اور میرے فقراء مومن ہوں گے۔ میں اس پر فخر

۱۔ مجمع الزوائد: ۱۰ / ۶۹، فیض القدیر، مناوی: ۱ / ۳۹

۲۔ مجمع الزوائد: ۱۶۲/۸

۳۔ مسند احمد، حدثنا عبدالله حدثنی ابی ثنا یونس: ۳ / ۱۴۴، سنن دارمی، کتاب المقدمة، باب ما اعطی النبی عن الفعل: ۱ / ۴۱، مجمع الزوائد: ۷ / ۳۴۹

نہیں کرتا۔ (۱)

ایک اور روایت سیدنا انس بن مالکؓ سے ہے، فرماتے ہیں گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''میں جنت کے دروازہ کی کنڈی کو پکڑوں گا اور اسے ہلاؤں گا۔

﴿فَيَقُوْلُ: مَنْ هٰذَا؟، فَيُقَالُ مُحَمَّدٌ، فَيَفْتَحُوْنَ لِيَ، وَيُرَحِّبُوْنَ، فَيَقُوْلُوْنَ: مَرْحَبًا﴾

''دربان جنت کہے گا: کون ہے؟ کہا جائے گا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرشتے میرے لیے دروازہ کو کھول دیں گے اور کہیں گے خوش آمدید، مرحبا۔'' (۲)

یارب صل وسلم دائما أبدا — علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ ترمذی: رقم الحدیث: ۳٦۱٦، فیض القدیر: مناوی: ۳ / ۴۴

۲۔ ترمذی، کتاب التفسیر القرآن عن رسول اللہ، باب و من سورة بنی اسرائیل

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی اہل جنت سے مشابہت

ویسے تو تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنی صفات میں اہل جنت کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل جنت سے ایک خصوصی مشابہت تھی جس کا اظہار دنیا میں بھی کئی مواقع پر ہوتا رہا۔

اہل جنت کے ساتھ پہلی مشابہت:

عام انسانوں کے جسموں میں تو صرف ایک جز وایسا ہوتا ہے جو تمام جسم کے فنا ہونے کے بعد بھی فنا نہیں ہوتا، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے پورے کے پورے عنصری اجسام کی ساخت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ وہ زمین کے تخریبی اثرات سے یک قلم محفوظ رہتے ہیں۔ یوں تو ادویات کے ذریعہ جسموں کو محفوظ رکھنا زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے اور ایک زمانہ میں اہل مصر کی یہ ایک عام صفت تھی۔ قاہرہ کے میوزیم میں آپ کو ہزاروں سال کی انسانوں اور کتوں کی لاشیں ملیں گی۔ خود ماسکو میں لینن کی لاش کو ادویات کے ذریعہ محفوظ کیا ہوا تھا، لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی لاشوں کو بغیر کسی دوائی اور مصالحہ کے قبروں میں محفوظ رکھا گیا، یہ ان کے جسموں کی ساخت کی وجہ سے بھی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کو اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں کو مٹی کے اثرات سے محفوظ کرنے کے لیے ان کے جسموں میں عناصر ہی وہ رکھے ہیں جن کو زمین کے اثرات متغیر نہیں کر سکتے۔ لوہا اور سونا دونوں زمین ہی سے نکلتے ہیں۔ لیکن اگر آپ لوہے کو زمین میں دبا دیں تو چند ماہ میں زمین کے اثرات کے باعث وہ زنگ آلود ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھے گا اور اکثر و بیشتر ریزہ ریزہ ہو جائے گا لیکن

سونے کو اگر آپ سو سال بھی زمین میں دبائے رکھیں تو زمین کے عناصر اس کے رنگ، اس کی ماہیت اور اس کی شکل وصورت میں کوئی تغیر وتبدل نہیں کر سکیں گے۔

اصل بات یہ ہے کہ جس طرح عناصر کی تلطیف وتکثیف سے کون وفساد ہو سکتا ہے اسی طرح مرکبات عناصر میں بھی تلطیف وتکثیف سے مادیت اور روحانیت کا تغیر ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر پانی کو اگر آگ پر رکھا جائے تو وہ ایک دوسرے لطیف تر عنصر کی شکل اختیار کر لیتا ہے یعنی ہوا بن جاتا ہے، پھر اس کے خواص بھی بدل جاتے ہیں۔ اسی طرح بھاپ کو اگر ٹھنڈا کر دیا جائے تو پھر وہ پانی کی شکل اختیار کر لیتی ہے جو اس سے کثیف عنصر ہے۔ یہاں بھی اس کے خواص میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسانی جسم جو عناصر اربعہ کا مرکب ہے اس میں بھی ریاضت ومعصیت کے اثرات سے لطافت وکثافت کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں میں صوفیاء کرام کا طبقہ، نصاریٰ میں راہبین اور ہندوؤں میں جوگیوں کی تاریخ پڑھنے سے یہ بات حد یقین تک پہنچ جاتی ہے کہ ان کے ظاہری اجسام ریاضات کے اثرات سے اتنے لطیف ہو جاتے تھے کہ عام جسمانی انقلابات ان پر کم اثر انداز ہوتے تھے۔ اس کے برعکس جو جماعت تن پروری کی ریاضت میں منہمک ہے، ان کے اجسام بھی اسی قدر کثیف ہو جاتے ہیں۔ آج کل کی اصطلاح میں اس مسئلہ کا نام "تجسد ارواح" اور "تروح الاجساد" ہے یعنی روحوں میں یہ طاقت ہو جاتی ہے کہ وہ کسی جسم کی صورت اختیار کر لیں اور جسم لطیف ہو کر روح کے خواص پیدا کر لے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش چونکہ عام دستور کے خلاف صرف نفخۂ جبریل سے ہوئی تھی، اس لیے ان کے جسم عنصری میں بھی روح کے اثرات اتنے نمایاں تھے کہ موجودہ انجیل کے بیان کے مطابق بعض دفعہ بات کرتے کرتے ان کی شکل تبدیل ہو جایا کرتی تھی، اور ہماری شریعت میں بھی ان کا لقب "روح اللہ" رکھا گیا ہے۔ ان کا آسمان پر جانا اور پھر اترنا بھی اسی کے اثرات میں سے ہے۔ اسی طرح ان کے معجزات میں احیاء موتیٰ کا ایک معجزہ ہونا بھی ان کے "روح اللہ" ہونے کی مناسبت سے تھا۔

احادیث نبویہ سے پتہ چلتا ہے کہ معصیت کا اثر مادیت میں ترقی ہے اور

طاعات کا اثر روحانیت میں اضافہ ہے، اس لیے اہل جہنم پر مادیت غالب کر دی جائے گی اور ان کی جسامت دنیوی جسامت سے سینکڑوں گنا بڑھا دی جائے گی تاکہ ایک طرف ان کے عذاب میں شدت ہو اور دوسری طرف جہنم کے بھرنے کا وعدہ تکثیر افراد کے بجائے ایک ایک فرد کی جسامت میں اضافہ کر کے پورا کر دیا جائے۔ اس کے برعکس اہل جنت پر روحانیت غالب ہو جائے گا اور اس وجہ سے جنت کی نعمتوں سے لطف اندوزی اور پروردگار عالم کی رؤیت جو عالم مجردات سے بھی وراء الوراء ہے، ان کے لیے آسان ہو جائے گی۔ جو اجسام اپنی ساری عمر ریاضت وعبادت میں صرف کر کے یہاں بھی روح کے کچھ خواص حاصل کر چکے تھے، جنت میں پہنچ کر ان کی اس صفت میں اور ترقی ہو جانی چاہیے۔ حیرت ہے کہ جب اس دنیا میں بھی موسم، زمین کے شور ہونے اور نہ ہونے اور خود جسم کے بلغمی غیر بلغمی ہونے کے اختلاف سے لاش کے بگڑنے اور نہ بگڑنے میں فرق آ سکتا ہے تو معصیت و طاعت کے اثرات سے بھی اگر یہ اختلاف رونما ہو تو اس کا انکار کیوں کیا جائے۔ اگر مشاہدہ اور کچھ واقعات وہاں تصدیق کے لیے مجبور کرتے ہیں تو یہاں بھی اس سے زیادہ قوی ثبوت کے ساتھ مشاہدہ موجود ہے۔ یہ سب کچھ کسب واکتساب کے اثرات ونتائج تھے۔

انبیاء کے وجود کے اثرات وامتیازات:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت چونکہ صفت اصطفاء اور اجتباء کے ماتحت ہوتی ہے، اس لیے اس کے اجسام کی ابتدائی نہاد ہی ان کمالات سے بالاتر ہوتی ہے جو کسب واکتساب کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ قالب انسانی ان کو بھی ملتا ہے مگر وہ قالب جو منور ہو، روح بشری ان میں بھی ہوتی ہے مگر وہ روح جو نشۂ عبودیت سے سرشار ہو، اور اس طرح وہ ظاہر و باطن سے منور ہستیاں جب اس دنیا میں ظاہر ہوتی ہیں تو کفر کا تیرہ وتاریک عالم ان کے وجود سے منور ہو جاتا ہے۔ پسینہ ان کو بھی آتا ہے مگر وہ پسینہ نہیں جو دماغ کو متعفن کر دے۔ بلکہ وہ جو مشام جان کو معطر کر دے۔ سوتے وہ بھی ہیں مگر وہ نیند نہیں سوتے جو دل کو غافل کر دے۔ بلکہ عین نیند کی حالت میں ان کے دل دوسرے تمام

بیداروں سے زیادہ بیدار ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان کا خواب وحی ہوتا ہے اور ان کی نیند ناقض وضوء نہیں ہوتی۔ کھاتے وہ بھی ہیں مگر وہ کھانا نہیں جس کی احتیاج عام لوگوں کی طرح ہو وہ روزہ رکھتے ہیں تو کئی کئی روز کھانے کے قریب نہیں جاتے۔ پھر اس وجہ سے ان کو کوئی ضعف بھی لاحق نہیں ہوتا۔ اس پر جب آپ کے فداکار آپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ بڑی شفقت کے انداز میں ان سے یہ فرما دیتے ہیں کہ ''تم میری طرح نہیں ہو۔'' میں اگر جسمانی غذا ترک کرتا ہوں تو میرا پروردگار مجھے روحانی غذا سے سرفراز فرماتا ہے۔ تم لہسن پیاز سب کچھ کھا سکتے ہو مگر میں نہیں کھا سکتا کہ میرے اصحاب محفل تمہارے علاوہ نوع ملائکہ بھی ہیں۔ نکاح وہ بھی کرتے ہیں مگر وہ نکاح نہیں جس سے مقصود کسی وجہ سے بھی تلذذ ہو بلکہ وہ نکاح جس کا مقصد صرف عبادت اور تقرب ہو۔ قوت باصرہ، قوت سامعہ اور قوت ذائقہ وہ بھی رکھتے ہیں مگر وہ قوت نہیں جو عالم مادیت تک محدود ہو بلکہ وہ جو ماوراء مادیت کو بھی نفوذ کر جائے۔ زبانیں اگر صرف خوش مزہ اور بدمزہ کا ادراک کرتی ہیں تو ان کی زبان حلال وحرام غذا کا بھی ادراک کر لیتی ہیں حتیٰ کہ بول و براز میں بھی وہ انسانوں کے شریک نظر آتے ہیں مگر یہاں ان کے متعلق جذب کر لینا بھی منقول ہے، اور سب سے آخر میں موت کا فرشتہ ان کے پاس بھی آتا ہے مگر اجازت کے بغیر جبر واکراہ سے نہیں بلکہ اذن واجازت سے۔ اور دفن اگرچہ وہ بھی ہوتے ہیں لیکن یہاں بھی اپنی جائے وفات میں دفن ہونے کا امتیاز باقی رہتا ہے۔ اب غور فرمائیں کہ اگر ان کے جسم عنصری ہی میں کوئی امتیاز اور خصوصیت نہیں ہوتی تو جس غذا کے اثر سے دوسرے جسموں کو متعفن پسینہ آتا ہے، وہ ان کو کیوں نہیں آتا؟ وہ عام انسانوں کی طرح غذا کے محتاج کیوں نہیں ہوتے؟ ان کے حواس ادراک کا دائرہ عام انسانوں کے حواس کے دائرہ سے بالاتر کیوں ہوتا ہے اور ان کی نیند عام انسانوں کی سی نیند کیوں نہیں ہوتی۔ دنیا میں غفلت کی نیند صحت کی علامت ہو اور ان کے ہاں تیقظ (جاگنے) کی نیند موجب کمال ہو۔ اس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کے اجسام عنصریہ کی نہاد ہی کچھ عام اجسام سے نرالی ہوتی ہے۔ بعض ضعیف حدیثوں میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس عالم میں بھی اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں۔ ایک

السلام کا قدم سرمو بھی بشریت سے باہر گیا ہو، ہرگز نہیں، جو لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کے منکر ہیں، ان کو نہ تو بشریت کے کمالات سے آگاہی ہے اور نہ ہی خدائی صفات کا اندازہ ہے۔ ان جملہ کمالات میں سے ایک کمال بھی ایسا نہیں جو بشر کو اللہ تعالیٰ کی کسی ایک صفت میں بھی شریک وسہیم بنا سکے۔ انسان کے سارے کمالات کے بعد بھی قبائے بشریت پر حدوث وامکان کا ایک داغ ہی اس کو خالق بشر سے ممتاز کر دینے کے لیے کافی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے اجسام میں خواہ کتنی ہی خصوصیات ہوں مگر وہ پھر جسم کی خصوصیات ہوں گی جو ان کے عام اجسام سے بالاتر ہونے کی دلیل تو بن سکتی ہیں مگر جو ذات کہ جسم اور جسمانیات ہی سے بالاتر ہو بھلا اس کے ساتھ کوئی ادنیٰ سا اشتراک کیسے پیدا کر سکتی ہیں۔ انصاف کیجیے کہ جسم کی پیدائش خواہ کتنی ہی نرالی ہو پسینہ خواہ کتنا ہی معطر سے معطر ہو، بول و براز کی خصوصیات خواہ کتنی ہی عجیب درعجیب ہوں، موت و دفن کے واقعات اور سلامتی جسم کی حقیقت خواہ کتنی ہی حیرت انگیز ہو مگر کیا ان عوارض یا ان سے بھی برتر عوارض کے ساتھ کسی انسان کو اس ذات اقدس کے ساتھ کوئی اشتراک پیدا ہوسکتا ہے جو ان صفات کی خالق ہے اور ان میں سے ہر صفت جس کے لیے نقص در نقص اور عیب در عیب ہے۔ پس نہ تو آپ کے کمالات بشریت کے اقرار سے خدائی توحید کو مکدر کرنا چاہیے اور نہ خدائی توحید کا کمال آپ کے کمالات بشریت کے انکار میں مضمر سمجھنا چاہیے۔ (۱)

اہل جنت کے ساتھ دوسری مشابہت:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خصوصی طور پر سید المرسلین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل جنت کے ساتھ دوسری مشابہت یہ ہے کہ اہل جنت کو دائمی حیات اور دائمی عبادت حاصل ہوگی۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اپنی وفات کے بعد بھی عبادات اور نیک اعمال سے معطل نہیں رہتے بلکہ دوسروں کے درود اور صلوٰۃ وسلام بھی اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ ان کے جسموں کو زمین کوئی نقصان نہیں پہنچاتی اور ان کو رزق بھی ملتا ہے۔ یہ جملہ صفات حیات

۱۔ از افادات اما م العصر سید محمد بدر عالم مدنی، ترجمان السنہ: ص ۲۹۵

کی صفات ہیں، اس لیے ان کی حیات اور عبادت اس عالم میں بھی اہل جنت کی حیات اور عبادت کی شان رکھتی ہے۔

لہٰذا جب اس مسئلہ پر غور وفکر کرنا ہو تو احادیث نبویہ کی روشنی میں کرنا چاہیے۔ اپنی جانب سے محض قیاس آرائیاں کرنا بے وجہ عقائد کو خطرہ میں ڈالنا ہے، اور ان کی موت کو بالکل عام انسانوں والی موت سمجھنا بھی محدثین کے نظریہ کے خلاف ہے جب کہ ان کے غسل، ان کے دفن، ان کی نماز جنازہ، ان کے ترکہ اور ان کی بیویوں سے حرمت نکاح کے مسائل صاف صاف احادیث میں موجود ہیں تو ان کے حق میں بالکل عام موت کا عقیدہ رکھنا کبھی صحیح ہوسکتا ہے؟

اہل جنت کے ساتھ تیسری مشابہت:

اہل جنت سے رسول اللہ ﷺ کو تیسری مشابہت کثرتِ ازواج کی ہے۔ شریعت میں عام طور پر ایک مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک مرد میں یقیناً اتنی طاقت بھی ضرور ودیعت فرمائی گئی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا معاملہ جسمانی اور روحانی طاقتوں میں عوام سے کہیں بلند تر ہوتا ہے۔ اگر ان کی جسمانی طاقتیں بھی ان کے منصب کے بقدر زیادہ نہ ہوں تو ان کو امت کی جفا کاریوں پر صبر اور دوسری طرف بار وحی کا تحمل کرنا ناممکن بلکہ محال ہو جائے۔ اس لیے حکمت ایزدی نے ان کی جسمانی قوتیں بھی عام انسانوں سے کہیں زیادہ قوی اور طاقت ور بنائی ہیں۔ اسی لیے نکاح میں بھی ان کے لیے عوام سے زیادہ وسعت دی گئی ہے، لیکن اس کمال طاقت اور قوت کے باوجود انبیاء علیہم السلام کی ساری طاقتیں صرف تبلیغ دین اور خدا تعالیٰ کی راہ میں مصائب و آلام جھیلنے ہی میں صرف ہوگئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے حضرات خود جانتے ہیں کہ ان کی طاقت و قوت کی یہ بہتات کسی ایک جانب میں نہ تھی بلکہ غزوۂ خندق میں جب ایک موقع پر ایک سخت پتھر کسی کی کدال سے ٹوٹ نہ سکا تو اس وقت جس کی کدال نے اس کو ریزہ ریزہ کر ڈالا وہ سرکار دو عالم ﷺ ہی کی قوت بازو کا کرشمہ تھا۔ یہ آپ کی طبعی طاقت تھی یا معجزہ

تھا، لیکن اس کا تعلق تھا تو آپ کی قوت جسمانی کے ساتھ۔ (۱)

رکانہ جیسے مشہور پہلوان سے کشتی لڑی اور اس کو تین بار زیر کیا۔ یہ کرشمہ بھی آپ کی قوت جسمانی کا تھا۔ (۲)

پھر ابوالاسود جمحی کو آپ نے پچھاڑا حالانکہ وہ بھی عرب کا ایک مشہور پہلوان تھا بلکہ طاقت کا مجسمہ سمجھا جاتا تھا۔ اگر وہ کسی گائے کی کھال پر کھڑا ہو جاتا اور دوسرے پہلوانوں کو حکم دیتا کہ اس کے پاؤں کے نیچے سے گائے کی اس کھال کو کھینچیں تو دس پہلوان مل کر اس کھال کو کھینچتے تو وہ کھال پھٹ جاتی لیکن ابوالاسود کے پاؤں کے نیچے سے نہ نکلتی۔ (۳)

ایک مرتبہ جب صحابہ کرامؓ نے اپنی بھوک کی بے تابی اپنے پیٹوں سے پتھر بندھے ہوئے دکھا کر ظاہر کی تو اس وقت معلوم ہوا کہ خاتم الانبیاء ﷺ کے پیٹ سے تین پتھر بندھے ہوئے تھے۔ ایک موقع پر سواریوں کی قلت کے باعث ایک ایک سواری دو دو شخصوں پر تقسیم کی گئی۔ ہر شخص کچھ دور پیادہ پا چلتا اور پھر اپنی باری میں کچھ دور سوار ہو جاتا۔ اس عام ضابطہ سے سرکار دو عالم ﷺ نے اپنا استثناء گوارا نہ فرمایا، اور اس لیے آپ کے حصہ میں بھی ایک مشترک سواری آئی۔ آپ کے جان نثار شریک نے ہزار سر ٹپکا کہ آپ سوار رہیں، اور وہ آپ کے عوض بھی پیادہ پا چل لے گا، لیکن اس کے جواب میں اس خلق عظیم والے رسول ﷺ کا جواب یہ تھا:

﴿مَاأَنْتَ بَاَقْوٰی مِنِی، وَمَا اَنَا بَاَغْنٰی عَنِ الْاَجْرِ مِنْکَ﴾ (٤)

”تو مجھ سے زیادہ قوی نہیں اور میں تجھ سے زیادہ ثواب آخرت سے بے نیاز نہیں یعنی اس کی ضرورت مجھ کو بھی ہے۔“

یہاں آپ کے پہلے جملے پر غور فرمائیں۔

١۔ بخاری رقم الحدیث: ٣٨٧٥، سنن دارمی: ١ / ٣٣

٢۔ دلائل النبوة لابی نعیم: ١ / ١٨٩، خصائص کبریٰ، سیوطی: ١ / ٢١٦

٣۔ قسطلانی، المواهب اللدینه: ٢ / ٣٦٥، زرقانی شرح المواهب: ٤ / ٢٩٢

٤۔ او کما قال

حقیقت حال یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم دنیا میں بھی اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں۔ آخرت میں پہنچ کر ان کے مراتب کے مناسب ان میں بھی اسی طرح اور اضافہ ہو جائے گا جیسا کہ عام امتی کے لیے اپنے اپنے اعمال کے مطابق ان میں اضافہ ہوگا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام اہل جنت کی طرح کون وفساد سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان کے فضلات اہل جنت کی طرح معطر ہوتے ہیں۔ ان کا سونا اہل جنت کی طرح غفلت کی نیند نہیں ہوتا، اسی طرح ان کی دوسری طاقتیں بھی اس جہان میں اہل جنت کی طرح ہوتی ہیں۔ اگر طبیعت میں گنجائش ہو تو تعدد ازدواج کو بھی اسی سلسلہ کی کڑی سمجھ لیجیے۔ پھر اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ حسب بیان قرآن حکیم امت کے حق میں چار بیویوں کی قید اس لیے ہے کہ ان سے ان کے حقوق کی ادائیگی بھی مشکل ہے۔ جہاں حق تلفی کا کوئی احتمال نہیں وہاں اس تحدید کے لیے بھی کوئی وجہ نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ اہل جنت کی حیات کا ایک نمونہ ہوتی ہے۔ وہ اسی حیات میں اپنے رب سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتے ان کی مجلسوں میں آتے جاتے ہیں۔ جنت وجہنم کا ان کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، اور کسی کو تو دیدار الٰہی جیسی عظیم الشان نعمت سے بھی نواز دیا جاتا ہے، اس وجہ سے کثرت ازدواج بھی ان کی ایک خصوصیت ہوتی ہے۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب و روز میں کبھی بیک وقت بھی سب بیویوں کے ساتھ شب باشی کی ہے حالانکہ آپ کی گیارہ بیویاں تھیں۔ میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اتنی طاقت تھی؟'' انہوں نے جواب دیا: ''ہمارے درمیان تو یہاں تک تذکرہ ہوا ہے کہ آپ کو تیس مردوں کے برابر طاقت دی گئی تھی۔''

اہل جنت کے ساتھ چوتھی مشابہت:

اہل جنت کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کی چوتھی مشابہت یہ ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔ قبل از نبوت اور بعد از نبوت وہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے یک قلم معصوم ہوتے ہیں جس طرح اہل جنت معصوم ہوں گے۔

علامہ خفاجیؒ نے امام ماتریدیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ عصمت اللہ تعالیٰ کی اس خاص عنایت اور مہربانی کا نام ہے جو انبیاء علیہم السلام کو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی حکم برداری پر مستعد رکھتی ہے اور اس کی ادنیٰ سی معصیت کے ارتکاب کرنے سے بھی دور رکھتی ہے، مگر اس طریقہ پر نہیں کہ یہ طاقت اور قوت ہی ان کی ذات سے سلب کر لی جائے، کیونکہ جس کو مکلّف بنایا گیا ہے، ضرور ہے کہ اس میں صفت اختیار باقی رکھی جائے تاکہ جزاء وثواب کا مسئلہ معقول رہے اور جس مخلوق میں یہ صفت پیدا نہیں فرمائی گئی اس کو مکلّف بھی نہیں بنایا گیا۔ پھر اس کے اعمال سے جزاء اور سزا کا تعلق بھی نہیں رکھا گیا۔ (۱)

امام ماتریدیؒ کے ان الفاظ کی تشریح وتفصیل حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے ان الفاظ میں فرمائی:

> ''انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اقوال ہوں یا افعال، عبادات ہوں یا عادات، معاملات و مقامات ہوں یا اخلاق واحوال ان سب کو حق تعالیٰ شانہ اپنی قدرت کاملہ سے نفس وشیطان کی دخل اندازی سے محفوظ فرماتا تھا خواہ وہ خطاء ونسیان کی صورت ہی سے کیوں نہ ہوں، اور اپنے حفاظت ونگرانی کرنے والے فرشتے ان کے ساتھ ساتھ رکھتا تھا تاکہ غبار بشریت بھی ان کے دامن پاک پر ذرا سا دھبہ نہ لگا سکے۔'' (۲)

حقیقت یہ ہے کہ نبوت اور عصمت ایک ہی حقیقت کے دو اعتبارات سے دو نام ہیں یعنی جو معصوم ہے وہ صرف نبی ہی کی ایک ذات ہے اور جو نبی ہے وہ یقیناً معصوم بھی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ نبوت کسب و ریاضت سے بتدریج حاصل ہونے والی نعمتوں میں سے نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ نقص سے کمال تک کی راہ طے کرنے میں معصیتوں کی ٹھوکریں لگ جائیں لیکن جہاں کسب واکتساب کا ذرا دخل نہ ہو اور معاملہ براہ راست اللہ کی اصطفاء واجتباء کا آجائے، پھر وہاں کسی ٹھوکر کا احتمال ممکن

۱۔ نسیم الریاض: ۳/ ۵۴۶

۲۔ منصب امامت: ص ۸

نہیں۔اس چیز کو شیخ سرہند حضرت مجددؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ع

از رفتن تابردن فرق ظاہر است

''یعنی خود چلنے میں اور کسی دوسرے کے چلانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔''

صفت اصطفاء و اجتباء کے تحت پروردہ خود نہیں چلتے کہ بشری ضعف ان کے لیے ٹھوکر کا باعث بن جائے، یہاں ان کو بچا بچا کر خود قدرت لے چلتی ہے۔مقصد یہ کہ نبوت کسبی نہیں بلکہ ایک وہبی چیز ہے اور نبی محنت و ریاضت سے نہیں بنتے بلکہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو اس قابل سمجھتا ہے اسے اس منصب جلیلہ سے سرفراز فرما دیتا ہے ؎

داد او را قابلیت شرط نیست

بلکہ شرط قابلیت داد اوست

اللہ تعالیٰ اس منصب جلیلہ سے اسی کو نوازتے ہیں جو قابل، حلیم اور اخلاق حمیدہ اور کمالات جلیلہ سے متصف ہو۔کسی ایرے غیرے کو نبی نہیں بنا دیتے لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ جس میں اخلاقی، علمی اور عملی خوبیاں ہوں وہ نبی ہو جائے۔چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾ (۱)

''اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو نوع ملکی اور نوع بشری میں سے اپنی رسالت کے لیے انتخاب خود ہی فرماتی ہے۔''

اولاً تو انبیاء علیہم السلام کا جوہر فطرت خلقۃً ایسا پاکیزہ اور منور بنایا جاتا ہے کہ اس کو حرف معصیت سے ذرا آشنائی نہیں ہوتی۔پھر اس کو طرح طرح سے اور مجلا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ ان کی خواب اور بیداری کی دونوں حالتیں یکساں ہو جاتی ہیں اور وہ اپنی حالت خواب میں بھی عام انسانوں کی بیداری سے زیادہ بیدار رہتے ہیں۔محبت و بغض کے طوفان خیز جذبات ان کے بحر اعتدال میں ذرا سی جنبش بھی پیدا نہیں کر سکتے۔وہ ہر حالت میں انصاف پسند، حق گو اور بے لاگ انسان ہوتے ہیں۔خلق اللہ کی ہمدردی سے ان کے سینے اس درجہ لبریز ہوتے ہیں کہ ان کی غم خواری میں ان کی جان گھل جاتی ہے۔ان کی ان ہی

۱۔ الحج: ۷۵

کامل صلاحیتوں کی وجہ سے خالق کائنات براہ راست خود ان کو اپنے شرف ہم کلامی سے نواز دیتا ہے۔ یہ شرف نوع بشری میں ان مخصوص افراد کو میسر ہے جن میں معصیت کے اختیار کی صفت گو موجود ہو مگر ان کی معصومیت پر فرشتوں کی معصومیت بھی رشک کرتی ہو۔

انبیاء علیہم السلام کی نہاد اہل جنت کی ارواح پر بنی ہوتی ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ نے خصائص میں حدیث نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَنَّا مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ تَنْبُتُ اَجْسَادُنَا عَلٰى اَرْوَاحِ اَهْلِ الْجَنَّةِ﴾ (۱)

"ہم انبیاء کا گروہ ہمارے اجسام اہل جنت کی ارواح پر بنائے گئے ہیں۔"

اہل جنت چونکہ معصوم ہوں گے اسی طرح دنیا میں انبیاء علیہم السلام بھی معصوم پیدا کیے گئے ہیں اور ان کے خمیر میں معصومیت رکھی گئی ہے۔

شر کی دو طاقتیں:

انسان میں شر کی دو طاقتیں ہیں۔ ایک اندرونی اور دوسری بیرونی۔ اندرونی طاقت نفس ہے اور بیرونی طاقت شیطان۔ انبیاء علیہم السلام کو پیدائشی طور پر وہ نفس مرحمت ہوتا ہے جو فطرتاً ہر معصیت سے نفور اور نشۂ عبودیت سے چور ہوتا ہے۔ اس اندرونی طاقت شر کو نفس امارہ کہتے ہیں۔ تمام شرائع کا اہم اور اولین مقصد اسی نفس امارہ کی شائستگی اور تہذیب ہے۔ جب سعادت مند لوگ انبیاء علیہم السلام کے فیض صحبت اور اتباع شریعت کرتے ہیں تو ان کے نفوس کی سرشت بدل جاتی ہے اور انہیں اتباع شریعت کی برکت سے خلاف شریعت امور یعنی معصیت میں کوئی لذت باقی نہیں رہتی بلکہ انہیں اتباع شریعت میں طبعی راحت محسوس ہوتی ہے جو پہلے کبھی خلاف شریعت امور میں محسوس ہوا کرتی تھی۔ اب اس نفس کا نام امارہ کے بجائے نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ عوام تو اتباع شریعت کر کے نفس مطمئنہ حاصل کرتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کے نفوس تو پیدائشی طور پر مطمئنہ ہوتے ہیں اور وہ اپنے کسی دور حیات میں بھی کسی خفیف سی ناشایان شان حرکت کی طرف میلان نہیں رکھتے۔

۱۔ المواھب اللدنیہ: ۲ / ۳۱۵، الشفاء: ۱ / ۴۰

باقی رہی دوسری بیرونی طاقت یعنی شیطان تو ان کے تقدس کے سامنے وہ بھی اس طرح بیچارہ اور سرنگوں ہو جاتی ہے کہ کسی برائی کی دعوت دینے کا اس میں کوئی حوصلہ ہی باقی نہیں رہتا بلکہ جس طرح ایک مقہور دشمن کے لیے بے نوائی کے بغیر کوئی چارہٗ کار نہیں ہوتا اسی طرح یہاں شیطان کو بھی طوعاً و کرہاً ان کی ملکی طاقت کے ہم آہنگ ہوئے بغیر چارہٗ کار نہیں رہتا۔ پھر ان کی اس قہرمانی کا اثر صرف ان کی ذات ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ حسب مناسبت ان کے ہم جلیس اور رفقاء سے تجاوز کر کے اس تمام خطہ کو بھی محیط ہو جاتا ہے جو ان کی بعثت کا میدان ہوتا ہے۔ ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے شیاطین بھی دن بدن کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

یارب صل وسلم دائماً ابداً — علی حبیبک خیر الخلق کلھم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اولادآدم کے سردار

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اولادآدم کے سردار ہیں جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿اَنَا سَیِّدِ وُلْدِ آدَمَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ﴾(۱)

''میں قیامت کے دن تمام اولادآدم کا سردار ہوں گا۔''

امام ترمذی نے ابوسعید خدریؓ سے یہ روایت کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

﴿اَنَا سَیِّدِ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَافَخْرَ' وَبِیَدِیْ لِوَاءَ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ﴾(۲)

''میں تمام اولادآدم کا قیامت کے روز سردار ہوں اور میں اس پر فخرنہیں کرتا' اورلواءالحمد (حمد کا جھنڈا) میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اس پرفخرنہیں کرتا۔''

''وَلَافَخْرَ'' فرما کر یہ بتایا کہ میں شکر کے طور پراور تَحْدِیْثًا بِنِعْمَۃِ اللّٰہِ اس بات کا تذکرہ کررہا ہوں تکبر اور اپنی عظمت جتانے کے لیے اس کا ذکرنہیں کررہا۔ اگرچہ یہ بات باعث فخر ہے۔(۳)

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

۱۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا علی جمیع الخلائق

۲۔ ترمذی، کتاب ابواب المناقب، باب حدثنا محمد بن بشار نا ابو عاصم

۳۔ زرقانی : ۷/ ۲۵۷

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی شفاعت میں اولیت

شفاعت کا لفظ ''شفع'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے ملانا اور زیادتی۔ کیونکہ شفعہ کرنے والا مبیع کو اپنی ملک کے ساتھ ملاتا اور ضم کرتا ہے، گویا وہ ایک اور طاق کو دو اور جفت کرتا ہے۔ اور شافع وہ شخص ہے جو طاق کو جفت کرنے والا ہو۔ (۱)

نماز کے دوگانہ کو بھی شفعہ کہتے ہیں کیونکہ اس میں بھی ایک رکعت کو دوسری رکعت کے ساتھ ملایا جاتا ہے، اسی طرح شفاعت میں بھی مجرم اپنی سفارش کے لیے کسی مقبول بارگاہ ایزدی کو اپنے ساتھ ملاتا ہے۔ شفاعت آپس میں جرائم اور درگزر کرنے کی درخواست ہے۔ شفاعت کا لفظ بہت سی احادیث میں آیا ہے اور یہ عام ہے، خواہ دنیا کے کاموں میں ہو یا آخرت کے امور کے بارے میں ہو اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے گناہوں اور معاصی کی معافی چاہنا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ معصیت کبیرہ میں تخفیف عذاب یا مکمل اسقاط عذاب یا صغیرہ گناہوں کی معافی یا جب نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں تو دخول جنت یا درجات کی بلندی کے لیے کوئی مقبول بارگاہ الوہیت اللہ تعالیٰ کے حضور، اس کی اجازت سے یا اس کی عطا کردہ وجاہت اور محبوبیت کی بنیاد پر کسی شخص کی شفاعت اور سفارش کرے۔

ویسے تو ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور میں بڑی وجاہت عطا فرمائی ہے اور وہ اس کی درخواست کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا لوط علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے کئی انبیاء کی درخواستوں کو بارگاہ خداوندی میں شرف قبولیت عطا فرمایا گیا، لیکن بارگاہ صمدیت میں جو

۱۔ نہایہ : ۲ / ۴۸۵

وجاہت اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائی ہے وہ کسی اور نبی کے حصہ میں نہیں آئی۔ کہیں آپ کو رحمۃ للعالمین فرمایا گیا۔ (انبیاء: ۱۰۷) کہیں فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کافروں پر اس حالت میں عذاب نازل کرے کہ آپ ان کے درمیان ہوں۔ (انفال: ۳۳) کہیں آپ کو مقام محمود پر فائز کرنے کی بشارت دی۔ (اسراء: ۷۹) اور کہیں فرمایا کہ آپ کا رب آپ کو عنقریب اس قدر دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ (۱)

آپ کی وجاہت اور عنداللہ آپ کے مقام اور درجات کی بلندی کے لیے بے شمار احادیث موجود ہیں۔ جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

(۱) اَنَا سَیِّدِ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَافَخْرَ، وَبِیَدِیْ لِوَاءَ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ (۲)

"قیامت کے روز میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں، اور حمد کا جھنڈا اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اس پر فخر نہیں کرتا۔"

(۲) مَامِنْ نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ آدَمَ فَمَنْ سِوَاہُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ (۳)

"سیدنا آدم اور اس کے علاوہ دوسرے تمام انبیاء قیامت کے روز میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔"

ایک اور روایت میں فرمایا:

وَاَنَا مُبَشِّرُھُمْ اِذَا یَئِسُوْا (٤)

"قیامت کے روز جب تمام لوگ ناامید ہو جائیں گے تو میں انہیں خوش خبری دوں گا۔"

(۴) ﴿اِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ کُنْتُ اِمَامَ النَّبِیِّیْنَ وَ خَطِیْبَھُمْ وَصَاحِبُ شَفَاعَتِھِمْ غَیْرَ فَخْرٍ﴾ (٥)

۱۔ ضحی: ۵

۲۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۲ / ۲۴۵

۳۔ ترمذی، کتاب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب صفة القیامہ: ص ۵۱۹

٤۔ ترمذی، باب ماجاء فی الشفاعة، ابواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۵۱۹

٥۔ ترمذی، باب ماجاء فی الشفاعة، ابواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۵۲۰

''قیامت کے روز میں تمام انبیاء کا امام ہوں گا، ان کی شفاعت کروں گا اور میں فخر نہیں کرتا۔''

(۵) ﴿اَنَا اَوَّلُهُمْ مَنْ يُّحَرِّكُ حِلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحَ اللّٰهُ بِىَ﴾ (۱)

''میں تمام لوگوں سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا اور اللہ تعالیٰ اس کو میرے لیے کھول دے گا۔''

یہ اور اس طرح کی بہت سی احادیث نبویہ سرکار دو عالم ﷺ کی عنداللہ وجاہت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس وجاہت کی وجہ سے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے روز گنہ گاروں کی شفاعت کریں گے، لیکن یہ سب کچھ اذن الٰہی سے ہوگا۔ ویسے تو شفاعت دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام بھی کریں گے لیکن سب سے پہلے شفاعت کرنے کا اعزاز سرکار دو عالم ﷺ کو حاصل ہوگا۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) ﴿اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ﴾

''میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔'' (۲)

ایک اور روایت میں سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۲) ﴿اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ يَشْفَعَ فِى الْجَنَّةِ﴾ (۳)

''میں سب سے پہلا شخص ہوں جو جنت میں داخلہ کے لیے شفاعت کروں گا۔''

۱۔ ترمذی، ابواب المناقب، باب حدثنا محمد بن بشارنا ابو عاصم: ص ۵۲۰

۲۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا علی جمیع الخلائق، رقم الحدیث ۲۲۷۸، ابوداؤد، کتاب السنة، باب فی التخییر بین الانبیاء: ۴ / ۱۲۸، ابن ابی شیبہ: ۶ / ۳۱۷

۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب فی قول النبی انا اول الناس یشفع فی الجنة، رقم الحدیث: ۱۹۶، مسند ابی یعلی: ۷ / ۵۱

امام ترمذی وغیرہ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۳) اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ (۱)

''میں قیامت کے روز سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی، لیکن میں فخریہ طور پر یہ بات نہیں کر رہا۔''

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۴) ﴿اَسْعَدَ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَنْ قَالَ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِہٖ﴾ (۲)

''قیامت کے روز میری شفاعت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب شخص وہ ہوگا جس نے خلوص دل سے لا الہ الا اللہ پڑھا۔''

سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۵) ﴿شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ﴾

''میری شفاعت میرے امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔'' (۳)

۱۔ ترمذی ابواب مناقب، باب حدثنا محمد بن بشارنا ابو عاصم: ۵ / ۵۸۷، مسند دارمی، کتاب مقدمه، باب مااعطی النبی من الفضل: ۱ / ۴۰

۲۔ مسلم، کتاب الایمان، باب فی قول النبی ﷺ انا اول الناس یشفع فی الجنة: ۱ / ۱۰۹، بخاری، کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث، رقم الحدیث: ۹۸

۳۔ ترمذی، ابواب صفة القیمة، باب حدثنا العباس الجزی: ص ۳۵۱، سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی الشفاعة: ۲/ ۲۹۶ ،ابن ماجه، ابواب الزهد، باب ذکر الشفاعة، رقم الحدیث: ۴۳۱۰، مسند احمد ، حدثنا عبدالله حدثنی أبی ثنا سلیمان: ۳ / ۲۱۳، مسند ابی یعلی موصلی : ۶/ ۴۰، ۷ / ۱۳۹، ابن حبان : ۱۴/ ۳۸۶،معجم کبیر طبرانی : ۱ / ۳۵۸

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی امت کے گنہگار لوگ آپ کی شفاعت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۶) مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِیْ (۱)

''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

(۷) اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ (۲)

''قیامت کے روز میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول ہوگی اور میں اس پر فخر نہیں کرتا۔''

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۸) خُيِّرْتُ بَيْنَ الشَّفَاعَةِ وَبَيْنَ اَنْ يَّدْخُلَ نِصْفُ اُمَّتِیَ الْجَنَّةَ، فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ، لِاَنَّهَا اَعَمُّ وَاَكْفٰى تَرَوْنَهَا لِلْمُتَّقِيْنَ، لَا وَلٰكِنَّهَا لِلْمُذْنِبِيْنَ الْخَطَّائِيْنَ الْمُتَوَلِّثِيْنَ (۳)

مجھے اختیار دیا گیا کہ میں شفاعت کو قبول کروں یا اپنی آدھی امت کو جنت داخل کراؤں میں نے شفاعت کو اختیار کیا کیونکہ وہ زیادہ عام

۱۔ سنن دارقطنی : ۲/ ۲۷۸

۲۔ مسلم ، کتاب الفضائل، باب تفضیل بنینا علی جمیع الخلائق: ۲ / ۲۷۵ ، ترمذی ،ابواب المناقب، باب حدثنا محمد بن بشارنا ابو عاصم: ص ۵۲۰، ابن ماجه، ابواب الزهد باب ذکر الشفاء:ص ۳۱۹

۳۔ ابن ماجه، کتاب الزهد، باب ذکر الشفاعة: ص ۳۲۹ ، ترمذی ، کتاب صفة القيمة والرقائق والورع، باب ماجاء فی الشفاعة: ۴ / ۶۲۷ ، مسند احمد، حدثنا عبدالله حدثنی أبی ثنا عفان ثنا حماد : ۴/ ۴۰۴ ، ابن حبان : ۱۴ / ۳۸۸ ، معجم کبیر، طبرانی : ۱۸ / ۷۲

اور کافی ہے، تمہارے خیال میں وہ نیکوکاروں اور متقین کے لیے ہے؟ نہیں بلکہ وہ گنہگاروں، خطا کاروں اور گناہوں میں ملوث لوگوں کے لیے ہے۔''

بزار اور طبرانی نے معجم اوسط میں سیدنا علیؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۹) لَاَشْفَعُ لِاُمَّتِیْ حَتّٰی یُنَادِیْنِیْ رَبِّیْ أَرَضِیْتَ یَا مُحَمَّدُ! فَاَقُوْلَ اَیْ رَبِّ رَضِیْتُ(۱)

''میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا حتیٰ کہ میرا رب مجھے فرمائے گا: اے محمد! کیا تو راضی ہو گیا؟ میں کہوں گا اے میرے رب! ہاں میں راضی ہو گیا۔''

سیدنا عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱۰) یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ قَوْمٌ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ فَیَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فَیُسَمُّوْنَ الْجَهَنَّمِیِّیْنَ(۲)

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے ایک قوم جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو گی اور اس کا نام جہنمین ہو گا۔''

سیدنا ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱۱) لِکُلِّ نَبِیٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ کُلُّ نَبِیٍّ دَعْوَتَهٗ، وَاِنِّیْ اخْتَبَاْتُ دَعْوَتِیْ شَفَاعَةً لِّاُمَّتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، فَهِیَ نَائِلَةٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَاتَ مِنْ اُمَّتِیْ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰهِ شَیْئًا(۳)

''ہر نبی کی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور ہر ایک نے اس دعا کو دنیا ہی میں استعمال کر لیا جب کہ میں نے اس دعا کو قیامت کے

۱۔ خصائص کبریٰ سیوطی: ۲ / ۲۲۳

۲۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والمناد: ۲ / ۹۷۱

۳۔ بخاری، کتاب دعوات، باب لکل بنی دعوة مستجابة: ۱ / ۱۱۳

روز اپنی امت کی شفاعت کے لیے بچا کر رکھا ہوا ہے اور یہ انشاء اللہ میری امت کے ہر اس شخص کو حاصل ہو گی جس نے شرک نہ کیا ہو گا۔"

رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے شفاعت کریں گے اور آپ کے بعد دوسرے نبی اور پھر شہداء اور پھر دوسرے حضرات گنہگار لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ چنانچہ سیدنا ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: "میری امت میں سے کچھ لوگ ایک گروہ کی شفاعت کریں گے، کچھ ایک قبیلہ کی، کچھ ایک جماعت کی اور کچھ ایک شخص کی کہ وہ سب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔" (۱)

ایک اور حدیث میں سیدنا عثمان بن عفانؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلاثَةٌ، اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ، ثُمَّ الشُّهَدَاءُ﴾ (۲)

"قیامت کے روز تین لوگ شفاعت کریں گے، انبیاء پھر علماء اور پھر شہداء۔"

سیدنا علیؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے قرآن حکیم پڑھا اور اس کو حفظ کر لیا۔ حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرما دیں گے، اور اس کو اس کے خاندان کے دس افراد کی شفاعت کرنے والا بنا دیں گے جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہو گی۔" (۳)

ایک روایت میں جو سیدنا ابو امامہ باہلیؓ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ ترمذی، ابواب صفة القيمة، باب حدثنا العباس العنبری: ص ۵۲۱

۲۔ سنن ابن ماجه، ابواب الزهد، باب ذكر الشفاعة: ص ۳۲۰

۳۔ سنن ابن ماجه، مقدمه، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه: ص ۱۹

﴿اقْرَؤُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ﴾ (۱)
''قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے روز شفاعت کرے گا۔''

خلاصہ یہ کہ قیامت کے روز شفاعت کا حق تو بہت لوگوں کو دیا جائے گا مگر رسول اللہ ﷺ سے پہلے شفاعت کرنے والے اور کوئی نہیں ہوں گے اور یہ آپ کی اخروی خصوصیات میں سے اہم خصوصیت ہے۔

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب قرأة القرآن فی الصلوٰۃ : ۱ / ۲۷۰

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے لیے شفاعت کبریٰ کا عظیم شرف

سرکار دو عالم ﷺ کو قیامت کے روز شفاعت کبریٰ کا شرف عظیم بھی حاصل ہوگا۔ یہ امتیازی خصوصیت صرف آپ کو حاصل ہوگی اور کسی نبی کو عطا نہیں ہوگی۔ چنانچہ سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے ایسی پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی اور نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔ ان پانچ چیزوں میں سے ایک کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿أُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ﴾ (۱)

''مجھے شفاعت عطا کی گئی۔''

سیدنا انس بن مالکؓ نے ایک طویل حدیث میں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''قیامت کے روز لوگ اس طرح بے قرار ہوں گے جیسے دریا کی موجیں بے قرار ہوتی ہیں۔ چنانچہ ساری مخلوق مل کر سیدنا آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوگی اور عرض کرے گی کہ آپ بارگاہ ربوبیت میں ہماری شفاعت کریں۔ وہ فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لیے نہیں ہوں۔ تم سب لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ خلیل اللہ ہیں۔ چنانچہ وہ سیدنا ابراہیم کے پاس جائیں گے اوران سے شفاعت کی درخواست کریں گے۔ وہ بھی فرمائیں گے کہ

۱۔ بخاری، کتاب التیمم: ۱ / ۴۸، مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ فی ثوب واحد: ۱ / ۱۹۹

میں اس کام کے لیے نہیں ہوں۔ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ کلیم اللہ ہیں۔ چنانچہ وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ بھی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لیے نہیں ہوں، تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ وہ فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لیے نہیں ہوں تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ میرے پاس آئیں گے۔ میں اپنے رب سے شفاعت کی اجازت طلب کروں گا اور مجھے اجازت مل جائے گی، اور حق تعالیٰ شانہ اپنی حمد وثنا پر مشتمل کچھ ایسے کلمات الہام فرمائیں گے جو اس وقت مجھے مستحضر نہیں ہیں۔ ان کلمات کے ساتھ میں حق تعالیٰ شانہ کی حمد وثنا کروں گا اور میں اپنے آپ کو بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز دیکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رکھے گا۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا اِرْفَعْ رَأْسَکَ سَلْ تُعْطَهُ، قُلْ تُسْمَعْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، اپنا سر اٹھاؤ، مانگو ملے گا، طلب کرو تمہاری بات سنی جائے گی، شفاعت کرو قبول ہوگی۔

پھر میں شفاعت کروں گا۔ پھر میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی۔ پھر میں گنہگاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا۔ پھر میں دوبارہ سجدہ کروں گا اور پھر شفاعت کروں گا تین یا چار بار، حتیٰ کہ جہنم میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کو قرآن نے روک لیا ہے۔ یعنی جن پر جہنم کا دوام واجب ہو چکا ہے۔ (۱)

ایک روایت میں ہے کہ آخر میں حق تعالیٰ شانہ یہ فرمائیں گے۔

﴿اِنْطَلِقْ: فَاَخْرِجْ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ اَدْنٰی مِثْقَالَ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنَ الْاِیْمَانِ﴾

۱۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار: ۲ / ۹۷۱، مسلم، کتاب الایمان، باب مخافة المؤمن ان یحبط عمه: ۱ / ۱۰۹، ابن ماجه، ابواب الزهد، باب ذکر الشفاعة: ص ۳۲۰

”جائیے! اور اسے بھی جہنم سے نکال لیجیے جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی بہت کم ایمان ہے۔“(۱)

چنانچہ میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا۔ چوتھی مرتبہ میں پھر بارگاہ الوہیت میں عرض کروں گا کہ اے میرے پروردگار! مجھے ان کی شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائیں جنہوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہے۔ پس بارگاہ خداوندی سے فرمایا جائے گا۔

﴿وَعِزَّتِیْ وَ جَلَالِیْ، وَكِبْرِيَائِیْ وَ عِظْمَتِیْ! لَاُخْرُجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾

”مجھے اپنی عزت، اپنے جلال اور اپنی کبریائی اور عظمت کی قسم! میں انہیں ضرور جہنم سے باہر نکال دوں گا جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا تھا۔“(۲)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز لوگ گروہ در گروہ اپنے اپنے نبیوں کو تلاش کریں گے اور کہیں گے:

﴿يَا فُلَانُ! شَفِّعْ، يَا فُلَانُ! شَفِّعْ، حَتّٰى تَنْتَهِیَ الشَّفَاعَةُ اِلَى النَّبِیِّ ﷺ فَذَالِكَ يَوْمَ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ﴾(۳)

”اے فلاں نبی شفاعت کیجیے، اے فلاں نبی شفاعت کیجیے حتیٰ کہ

۱۔ بخاری، کتاب التوحید، باب كلام الرب عزوجل يوم القيمة، رقم الحديث: ۷۰۷۲،مسلم ، كتاب لايمان، باب أدنى اهل الجنة،رقم الحديث: ۱۹۳ ، مسند احمد، حدثنا عبدالله حدثني أبي ثنا يونس: ۳ / ۱۴۴ ، مسند ابی یعلی : ۷ / ۳۱۱

۲۔ بخاری ،، کتاب التوحيد، باب كلام الرب عزوجل يوم القيمة ،رقم الحديث: ۷۰۷۲ ،سنن کبریٰ بیهقی، کتاب الایمان، باب ماجاء فى الحلف بصفات الله تعالیٰ: ۱۰/ ۴۲ ،مسند ابی یعلی : ۷ / ۳۱۲

۳۔ بخاری، کتاب سورة بنی اسرائیل،باب قوله ان قران الفجر كان مشهوداً : ۲ / ٦٨٦ ، نسائی رقم الحديث : ۲۵۸۵

شفاعت کی تلاش نبی اکرم ﷺ پر ختم ہو گی، اور یہ وہ دن ہے
جب حق تعالیٰ شانہ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔"

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شفاعت کبریٰ سے مراد وہ شفاعت ہے جو سب سے پہلی شفاعت ہو گی اور اللہ تعالیٰ اہل محشر کا حساب شروع کرے گا۔ اس روز حق تعالیٰ شانہ اسی قدر جلال میں ہوں گے کہ کوئی شخص ان سے کلام کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ سب خوف زدہ ہوں گے۔ اس روز سرکار دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے سجدہ ریز ہوں گے اور پھر حق تعالیٰ شانہ آپ کو اذن شفاعت دیں گے۔ یہی مقام محمود ہے کہ جو کام کوئی نہ کر سکے گا آپ اس روز وہ کام کریں گے اور تمام اولین و آخرین آپ کی تحسین و تعریف کریں گے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا "عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا محمودًا۔" (عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا) آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ وہ مقام ہے جس میں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔" (۱)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے روز سورج نہایت قریب آ جائے گا حتیٰ کہ لوگوں کے آدھے کانوں تک پسینہ پہنچ جائے گا۔ وہ اسی حال میں ہوں گے۔ پھر وہ سیدنا آدم علیہ السلام سے فریاد کریں گے، پھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے، پھر محمد ﷺ سے۔ پھر آپ شفاعت کریں گے تاکہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کیا جائے۔ پھر آپ جا کر جنت کے دروازہ کے حلقہ کو پکڑ لیں گے۔ پس اس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا اور تمام اہل محشر آپ کی تحسین و تعریف کریں گے۔ (۲)

۱۔ مسند احمد رقم الحدیث: ۹۶۹۰، سنن ترمذی، ابواب تفسیر سورۃ بنی اسرائیل، ص ۶۱۵، رقم الحدیث: ۳۱۳۷، مسند احمد، حدثنا عبداللہ حدثنی أبی ثنا محمد بن عبید: ۲ / ۴۴۱، دلائل النبوۃ بیہقی: ۵ / ۴۸۴

۲۔ بخاری رقم الحدیث: ۱۴۷۵، مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۰، نسائی، رقم الحدیث: ۲۵۸۵

علماء نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ قیامت کے روز تین قسم کی شفاعت کریں گے: ایک شفاعت کبریٰ ہے، دوسری دخول جنت کے لیے شفاعت کریں گے اور تیسری گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے شفاعت کریں گے۔ ابن عطیہ وغیرہ نے کہا ہے کہ مشہور صرف دو قسمیں ہیں۔ شفاعت عامہ اور گنہگاروں کو دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت۔ اور یہ شفاعت دیگر انبیاء علیہم السلام کے علاوہ علماء اور شہداء بھی کریں گے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز سرکار دو عالم ﷺ کی شفاعت پانچ قسم کی ہوگی۔

(۱) شفاعت عامہ

(۲) ایک گروہ کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کے لیے شفاعت

(۳) آپ کی امت میں سے جو لوگ اپنے معاصی اور گناہوں کی وجہ سے جہنم کے مستحق تھے پھر ان کے لیے اور جن کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا نبی اکرم ﷺ شفاعت کریں گے اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

(۴) جو گنہگار جہنم میں داخل ہو چکے تھے۔ پھر وہ سرکار دو عالم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور بعض صالحین کی شفاعت سے جہنم سے نکال دیئے جائیں گے۔

(۵) اہل جنت کے درجات میں اضافہ کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ (۱)

سیدنا جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے اذان سننے کے بعد یہ دعا کی کہ ''اس دعوت کامل اور اس کے نتیجہ میں کھڑی ہونے والی نماز کے رب فائز فرما تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ اور فضیلت کے مقام پر جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔'' تو اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (۲)

امام قرطبیؒ نے مقام محمود کی تفسیر میں چار قول ذکر کیے ہیں:

۱۔ الجامع لاحکام القرآن، قرطبی: ۱۰ / ۲۷۸

۲۔ بخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۹

(۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفاعت کبریٰ عطا فرمانا۔

(۲) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) عطا فرمانا۔

(۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہنم سے مسلمانوں کو نکالنے کے لیے شفاعت کا اذن عطا فرمانا۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھانا (یہ قول مخدوش ہے)(۱)

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۱۔ تفسیر قرطبی: ۱۰ / ۲۷٦، ۲۸۰

فهرس المراجع

نمبر شمار	کتاب	مصنف
1	القرآن الکریم	تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ
2	البدایه و النهایه	ابن کثیر الدمشقی، عمادالدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر
3	الاشباه والنظائر فی الفروع	ابن نجیم المصری، زین الدین پن ابراهیم، (م/۹۷۰)
4	اکفار الملحدین	الکاشمیری، علامه محمد انور شاه
5	اکمال اکمال العلم	دشتانی المالکی
6	النبی الخاتم ﷺ	گیلانی، مناظر احسن مولانا
7	اسلام کا تصور نبوت	ظفر، حکیم محمود احمد
8	ایام حبیب ﷺ	نعیم احمد، ڈاکٹر
9	انسان کامل	خالد علوی، ڈاکٹر
10	الرحیق المختوم	مبارکپوری، صفی الرحمن مولانا
11	التعلیق الصبیح علی مشکوٰة المصابیح	کاندهلوی، محمد ادریس مولانا
12	بدائع الصنائع	الکاسانی، علاء الدین بن ابی بکر بن مسعود
13	بغیة الرائد	صدیق حسن خان القنوجی، ابوالطیب محمد
14	بهجة النفوس المسمی جمع النهایه فی بدء الخیر و الغایة	ابن ابی جمره الاندلسی، ابی محمد عبدالله
15	تاج العروس من جواهر القاموس	الزبیدی، السید محمد مرتضی الحسینی

16	تحفة الذاكرين	الشوكانی، ابی عبدالله محمد بن علی بن محمد
17	ترجمان السنه	بدرعالم میرٹھی، محمد
18	تفسیر ابن کثیر	ابـن كثيـر الـدمشـقـی، عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر
19	تفسیر ابی السعود	ابی السعود، محمد بن محمد العمادی
20	تفسير البيضاوی	البيـضـاوی، قـاضـی نـاصـر الدين ابی سعید عبدالله بن عمر
21	تفسير الخازن	الـخــازن، عـلاء الـديـن عـلـی بن محمد بن ابراهيم البغدادی
22	تفسير ضياء القرآن	الازهری، پیر محمد کرم شاه
23	تفسير فتح القدير	الشوكانی، ابی عبدالله محمد بن علی بن محمد
24	التفسير الكبير المسمى بمفاتيح الغيب	الرازی، محمد بن عمر بن الحسين فخر الدين، (م/٦٠٦)
25	تفسير الكشاف	الزمخشری،
26	تفسير المظهری	پانی پتی، قاضی محمد ثناء الله ، (م/١٢١٦)
27	التـمـهيد لمافی الموطا من المعانی والاسانيد	ابـن عـبـدالبـر الـنـمـری، ابـوعـمر یوسف بن عبدالله بن محمد
28	جامع البيان	الطبرانی، سليمان بن احمد بن ايوب ابو القاسم
29	جامع الترمذی	الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسیٰ بن سورة
30	الجامع الصغير	السيوطی، جلال الدين عبدالرحمن بن ابی بکر، (م/٩٢١)

31	الجامع لاحکام القرآن	القرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر
32	جمال قاسمی	نانوتوی، مولانا محمد یعقوب
33	سپہ سالاراعظم اور واقعات غزوات	چغتائی، منیر الدین ڈاکٹر
34	حاشیہ خیالی	الخیالی، علامہ شمس الدین
35	حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی علی الخیالی	سیالکوٹی، ملا عبدالحکیم
36	الحاوی للفتاوی	السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر، (م/۹۱۱)
37	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
38	حموی شرح الاشباہ	الحموی، احمد بن محمد الحنفی
39	حیات الانبیاء	البیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین
40	حیات انبیاء کرام	ترمذی، مفتی عبدالشکور
41	حیات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم	ابوبکر سراج الدین، مترجم معین الدین قادری
42	خاتم النبیین	ظفر، حکیم محمود احمد
43	ختم نبوت اور قادیانی	ظفر، حکیم محمود احمد
44	خزائن الاسرار	الکاشمیری، علامہ محمد انور شاہ
45	الخصائص الکبری	البیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین
46	خصائص مصطفیٰ	طاہر القادری، پروفیسر ڈاکٹر محمد
47	خطبات بہاولپور۲	غازی، محمود احمد ڈاکٹر
48	سیرت خیرالانام	حمید اللہ، ڈاکٹر

49	الدرالمنثور فی التفسیر المأثور	السیوطی، جلال الدین عبدالرحمان بن ابی بکر، (م/۹۱۱)
50	دلائل ابو نعیم	الاصبهانی، حافظ ابو نعیم احمد بن عبدالله
51	دلائل النبوۃ	الاصبهانی، اسماعیل بن محمد بن الفضل
52	الدیباج علی مسلم بن الحجاج	السیوطی، جلال الدین عبدالرحمان بن ابی بکر
53	رحمۃ للعالمین ﷺ	سلمان منصور پوری، قاضی محمد سلیمان
54	الرساله اللدنیه	الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد
55	روح البیان	حقی، علامه اسماعیل
56	روح المعانی	الآلوسی، ابو الفضل شهاب الدین محمود
57	الروض الانف	السهیلی، ابی القاسم عبدالرحمان بن عبدالله بن احمد، (م/۱۵۸۱)
58	زادالمعاد فی هدی خیرالعباد	ابن قیم الجوز، شمس الدین ابی عبدالله محمد بن ابی بکر، (م/۷۵۱)
59	زرقانی شرح الموطا امام مالک	الزرقانی، محمد بن عبدالباقی بن یوسف
60	الزرقانی شرح المواهب	الزرقانی، محمد بن عبدالباقی بن یوسف
61	سنن ابن ماجه	القزوینی، محمد بن یزید ابو عبدالله، (م/۱۷۶۲)
62	سنن ابی داؤد	ابو داؤد السجستانی، سلیمان بن الاشعث، (م/۲۷۵)
63	السنن الکبری	البیهقی، ابو بکر احمد بن الحسین

64	سنن النسائی	النسائی، احمد بن شعیب ابوعبدالرحمان
65	سیرت حلبیہ	الحلبی، علی بن برھان الدین
66	سیرت خاتم النبیین ﷺ	ابو زھرہ المصری، محمد
68	السیرت النبویہ ﷺ	ابن کثیر، عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمرو
69	السیرت النبویہ ﷺ	دحلان، السید احمد زینی
70	سیرت النبی ﷺ	شبلی نعمانی، علامہ
71	سیرت المصطفیٰ ﷺ	کاندھلوی، محمد ادریس مولانا
72	سیرت النبی ﷺ	کرپالوی، طالب حسین
73	السیر الکبیر	الشیبانی، محمد بن الحسن، (م/٤٦١)
74	شرح الشفاء	ملا علی القاری، علی بن سلطان
75	شرح فقہ اکبر	ملا علی القاری، علی بن سلطان
76	شرح المقاصد	التفتازانی، علامہ سعد الدین
77	شرح المنھاج	البیضاوی، قاضی ناصر الدین عبداللہ
78	شرح المواقف	الجرجانی، السید الشریف علی بن محمد
79	شعب الایمان	البیھقی، ابوبکر احمد بن الحسین
80	الصحیح لابن حبان	ابن حبان الاندلسی
81	صحیح البخاری	البخاری، محمد بن اسماعیل
82	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج القشیری
83	الطبرانی	الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب ابو القاسم
84	طبقات ابن سعد	ابن سعد
85	عمدة القاری	عینی، علامہ بدرالدین محمود
86	عیون الاثر	ابن سید الناس

87	غزوات الرسول ﷺ	محفوظ، جمال الدین
88	فتاوی شیخ الاسلام	ابن تیمیہ الحرانی، شیخ الاسلام عبدالحلیم احمد
89	فتح الباری	ابن حجر العسقلانی، ابو الفضل احمد بن علی
90	فتح الملہم شرح صحیح مسلم	عثمانی، علامہ شبیر احمد
91	الفقہ الاکبر	ابو حنیفۃ النعمان بن ثابت، امام اعظم
92	فوائد عثمانی	عثمانی، علامہ شبیر احمد
93	فیض الباری بشرح البخاری	الکاشمیری، علامہ محمد انور شاہ
94	کتاب التعریفات	الجرجانی، السید الشریف علی بن محمد
95	کتاب الوفا	ابن الجوزی، شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن عبدالمالک
96	کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال	السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر، (م/۹۱۱)
97	لسان العرب	ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم
98	مجمع الزوائد	الھیثمی، علی بن ابی بکر
99	محمد رسول اللہ ﷺ	حمید اللہ، ڈاکٹر، ترجمہ و تشریح، خالد پرویز
100	محسن انسانیت	نعیم صدیقی
101	مختصر تاریخ دمشق	ابن عساکر
102	مدارج السالکین	ابن قیم الجوزیہ، شمس الدین ابی عبداللہ، (م/۷۵۱)

103	مدارج النبوة	عبدالحق محدث دهلوی، شیخ
104	مرقات المفاتیح	ملا علی القاری، علی بن سلطان
105	المستدرك	حاکم النیسابوری، محمد بن عبدالله
106	مسند ابی داؤد الطیالسی	ابوداؤد الطیالسی، سلیمان بن داؤد القاسمی
107	مسند ابی یعلی	ابو یعلٰی الموصلی، احمد بن علی بن المثنی
108	مسند احمد	احمد بن حنبل الشیبانی، امام
109	مسند بزار	البزار، ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق
110	مسند دارمی	الدارمی، عبدالله بن عبدالرحمن ابو محمد
111	المسوی	شاہ ولی الله محدث دهلوی
112	مشکوٰة المصابیح	الخطیب التبریزی، ولی الدین محمد بن عبدالله
113	مشکلات القرآن	الکاشمیری، محمد انور شاہ
114	مظاهر حق جدید	نواب قطب الدین خان
115	مغازی الرسول ﷺ	واقدی، محمد بن عمر
116	المصنف	ابن ابی شیبه الکوفی، ابوبکر عبدالله بن محمد
117	المطالیب العالیة	ابن حجر العسقلانی، ابوالفضل شهاب الدین احمد بن علی، (م/٨٥٢)
118	معارف القرآن	کاندهلوی، شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس ، (م/١٩٧٤)
119	المعتمد فی المعتقد	التوربشتی، شهاب الدین فضل الله
120	المعتمد فی المعتقد	الماتریدی، ابو منصور
121	المعجم الکبیر	الطبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد، (م/٣٦٠)

122	مقدمه	ابن خلدون، عبدالرحمن علامه
123	الملل والنحل	الشهوستانی، ابوالفتح محمد بن عبدالکریم، (م/۵۴۸)
124	المناوی شرح الشمائل	المناوی، عبدالرؤف
125	منح المنة	الشعرانی، عبدالوهاب
126	موارد الظمان	الهیثمی، ابوالحسن علی بن ابی بکر
127	المواهب اللدنیه	القسطلانی، شهاب الدین ابی العباس احمد بن محمد، (م/۹۲۳)
128	موطا امام مالك	مالك بن انس، امام دارالهجرة، (م/۱۷۹)
129	نبراس شرح شرح العقائد	الفرهاروی، عبدالعزیز
130	نسیم الریاض	الخفاجی المصری، احمد شهاب الدین
131	نووی شرح مسلم	النووی، ابوزکریا یحییٰ بن شرف
132	نیل الاوطار	الشوکانی، محمد بن علی بن محمد
133	الهدایه	المرغینانی، برهان الدین علی بن ابی بکر، (م/۵۹۳)

☆☆☆

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ

پیغمبرِ اسلام ﷺ اور اخلاقِ حسنہ

قومی وصوبائی سیرت نبوی ﷺ ایوارڈ یافتہ کتاب

حافظ زاہد علی

راحت پبلشرز

تبیان الصرف

شرح

میزان الصرف

حافظ زاہد علی

راحت پبلشرز

خصائص النبی ﷺ

پیغمبر اسلام ﷺ کی خصوصیات پر
اردو زبان میں پہلی مفصل اور مدلل کتاب
قرآن کریم، احادیث اور سیرت کی معتبر و مستند کتابوں سے

۲

حافظ زاہد علی

راحت پبلشرز
5/A- یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

ورفعنا لک ذکرک
اور بلند کیا ہم نے ذکر تیرا